

# مُسْتَعَاذَاتُ الْقُرْآنِ اُردو

یعنی

قرآن پاک کی آیاتِ رخصت کے درمیان تطہیر کا

کام آند مجموعہ

تالیف

مولانا محمد سید اوزار گنگوہی مدظلہ  
حضرت محمد اوزار گنگوہی

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیرون پورہ، گیٹ، ملتان

نمبر



یہ کتاب ہرگز نہیں ہونی چاہیے  
انگریزی کو کھینچیں رسدیں تو  
پر صدقہء جاریہ ہے۔



# مشکلات القرآن

## انوار الذرات

لذوق التعارض بين الآيات

قرآن مقدس (پس) آیات متعارضہ در چون تطبیقات کا مستند مجموعہ  
یعنی  
مع ضمیمہ

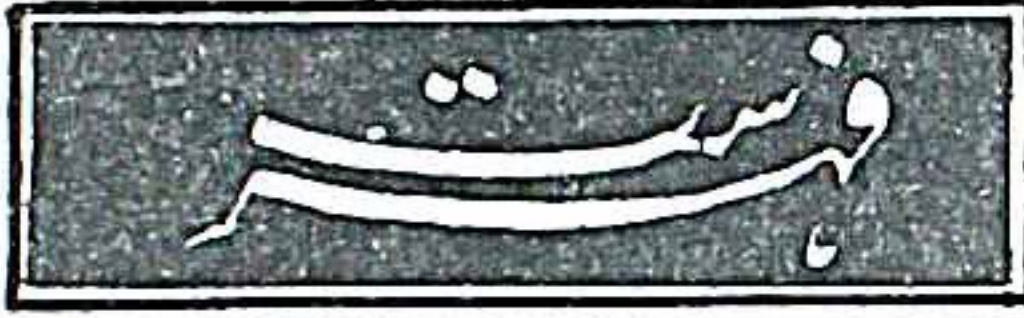
تالیف  
مولانا محمد انور گنگوہی مظاہری  
اساتذہ حدیث و تفسیر جامعہ اشرف العلوم گنگوہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513

ناشر





فہرست ہذا میں آیات متعارضہ کے مضامین کے عنوانات ذکر کئے گئے ہیں  
نیز ہر تعارض کے کتنے جوابات دئے گئے ہیں اس تعداد کو بھی واضح کیا گیا ہے

نمبر شمار	عنوانات مضامین آیات متعارضہ	صفحہ	تعداد جوابات
۱	قرآن مقدس کن لوگوں کے لئے ہدایت ہے؟	۱۰	دو جواب
۲	بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بادلوں سے؟	۱۱	تین "
۳	اہل عرب کو قرآن کی کتنی سورتوں کا مثل پیش کرنے کا پیغام کیا گیا تھا؟	۱۲	دو "
۴	تخلیق سموات مقدم ہے یا تخلیق ارض؟	۱۷	آٹھ "
۵	کفار کو جہنم سے کسی وقت نکالا جائے گا یا نہیں؟	۲۶	دو "
۶	آخرت میں کسی شخص کو کسی سے نفع پہنچے گا یا نہیں؟	۲۹	ایک "
۷	قیامت کے دن کسی کی شفاعت قبول ہوگی یا نہیں؟	۳۲	دو "
۸	قیامت کے روز کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنیوالا ہوگا یا نہیں؟	۳۲	دو "
۹	حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر کتنے دن کیلئے بلا یا گیا تھا؟	۳۶	ایک "
۱۰	مرکب کبیرہ مخلد فی النار ہے یا نہیں؟	۳۷	دو "
۱۱	آیات قرآنیہ میں حق تعالیٰ تبدیلی فرماتے ہیں یا نہیں؟	۴۲	دو "
۱۲	سب سے بڑا ظالم کون شخص ہے؟	۴۵	نہیں "
۱۳	مشرق و مغرب کی تعداد کتنی ہے؟	۴۸	ایک "
۱۴	نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟	۴۹	پانچ "
۱۵	حق تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ مشابہت ہے یا نہیں؟	۵۲	ایک "
۱۶	مرکب کبیرہ مؤمن ہے یا کافر؟	۵۵	ایک "
۱۷	رمضان کی راتوں میں اکل و شرب و جماع بعد النوم حلال ہے یا نہیں؟	۵۹	دو "
۱۸	رمضان کا روزہ رکھنا ہی ضروری ہے یا فدیہ بھی دیا جاسکتا ہے؟	۶۱	چھ "
۱۹	قرآن پاک ملیۃ القدر میں نازل ہوا یا السیۃ البراءۃ میں؟	۶۲	ایک "
۲۰	ابتداءً بالقتال مع الکفار جائز ہے یا نہیں؟	۶۹	دو "



نمبر شمار	عنوانات مضامین آیات متعارضہ	صفحہ	تعداد جوابات
۲۱	اشہر حرم میں قتال کرنا جائز ہے یا نہیں؟	۷۱	تین جواب
۲۲	عدت و فوات چار ماہ دس دن ہے یا ایک سال؟	۷۲	دو "
۲۳	ایک نیکی کا ثواب اسی کے مثل ملتا ہے یا تضاعف کیساتھ پھر تضاعف کی مقدار کیا ہے؟	۷۵	چھ "
۲۴	بعث بعد الموت کی کیفیت کیا ہوگی؟	۸۰	پانچ "
۲۵	دساوس قلبیہ غیر اختیاریہ پر مواخذہ ہوگا یا نہیں؟	۸۵	پانچ "
۲۶	بندہ کو مالا یطاق کا مکلف بنایا جاتا ہے یا نہیں؟	۹۰	دو "
۲۷	پورا قرآن متشابہ ہے یا محکم یا بعض تشابہ و بعض محکم ہے؟	۹۱	ایک "
۲۸	غزوہ بدر میں کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آرہی تھی یا کم؟	۹۳	دو "
۲۹	ایمان و اسلام میں اتحاد ہے یا مغایرت؟	۹۵	ایک "
۳۰	کفار سے دوستی مطلقاً جائز نہیں یا صرف عدم ضرر کے وقت؟	۹۷	دو "
۳۱	حضرت زکریا کیلئے علامت، تکلم سے تین دن رکنا تھا یا تین رات؟	۹۸	ایک "
۳۲	خالق صرف حق تعالیٰ ہیں یا بندے بھی خالق ہیں؟	۹۹	دو "
۳۳	آدم علیہ السلام کی تخلیق کس چیز سے ہوئی؟	۱۰۱	ایک "
۳۴	کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟	۱۰۳	دو "
۳۵	حق تعالیٰ سے کتنا ڈرنا چاہئے؟	۱۰۴	پانچ "
۳۶	غزوہ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے کتنے فرشتے بھیجے گئے؟	۱۰۷	ایک "
۳۷	تمام گناہوں کی مغفرت ہوگی یا بعض کی؟	۱۰۹	دو "
۳۸	جنت پیدا شدہ ہے یا قیامت کے بعد پیدا کی جائے گی؟	۱۱۰	دو "
۳۹	مؤمنین کے لئے آخرت میں رسوائی ہوگی یا نہیں؟	۱۱۲	چار "
۴۰	انسان اپنی ازواج متعددہ کے مابین عدل و مساوات کر سکتا ہے یا نہیں؟	۱۱۳	ایک "
۴۱	رازق صرف اللہ ہے یا بندے بھی رازق ہیں؟	۱۱۵	دو "
۴۲	زنا کاری کی سزا کیا ہے؟	۱۱۶	تین "
۴۳	وراثت اقربا کیلئے ہے یا مولیٰ الموالاة کے لئے؟	۱۱۹	تین "
۴۴	مشرکین قیامت کے دن کوئی بات چھپائیں گے یا نہیں؟	۱۲۲	ایک "
۴۵	نعمت و مصیبت سب اللہ کی طرف سے ہے یا مصیبت بندہ کی جانب سے؟	۱۲۵	ایک "



نمبر شمار	عنوانات مضامین آیات متعارضہ	صفحہ	تعداد جوابات
۴۶	قرآن پاک میں تعارض و اختلاف ہے یا نہیں؟	۱۲۷	دو جواب
۴۷	قابض روح حق تعالیٰ ہیں یا ملک الموت یا دیگر ملائکہ میں؟	۱۲۹	تین
۴۸	مؤمن عاصی جہنم میں داخل ہو سکتا یا نہیں؟	۱۳۱	ایک
۴۹	تمام عزتیں اللہ ہی کیلئے ہیں یا رسول اور مؤمنین کیلئے بھی ہیں؟	۱۳۲	ایک
۵۰	وضو میں پاؤں کا غسل واجب ہے یا مسح؟	۱۳۳	تین
۵۱	اہل کتاب کے نزاعات کا فیصلہ کرنا واجب یا نہ کرنا بھی اختیار ہے؟	۱۳۵	تین
۵۲	امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے یا صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے؟	۱۳۶	تین
۵۳	وصیت کرنے میں گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا کافر بھی گواہ بن سکتا ہے؟	۱۴۰	دو
۵۴	حق تعالیٰ کفار کے مولیٰ ہیں یا نہیں؟	۱۴۱	ایک
۵۵	تبلیغ رسالت پر اجرت کے مطالبہ سے منع کیا گیا یا اجازت دی گئی ہے؟	۱۴۲	تین
۵۶	حق تعالیٰ کی رویت ہوگی یا نہیں؟	۱۴۶	چھ
۵۷	گناہ کی سزا اس کے مثل ملے گی یا زیادہ؟	۱۴۹	دو
۵۸	گنہگار قیامت کے روز صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا یا دوسروں کا بھی؟	۱۵۰	ایک
۵۹	قیامت کے دن لوگوں سے سوال کیا جائے گا یا نہیں؟	۱۵۲	چار
۶۰	کفار کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں؟	۱۵۳	تین
۶۱	سموات و ارض کی تخلیق چھ دن میں ہوئی یا آٹھ دن میں؟	۱۵۵	دو
۶۲	حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت پر انکی قوم نے کیا جواب دیا؟	۱۵۷	تین
۶۳	قوم ثمود پر کونسا عذاب آیا؟	۱۵۹	ایک
۶۴	حضرت شعیب کی قوم کونسے عذاب سے ہلاک ہوئی؟	۱۶۰	ایک
۶۵	حضرت موسیٰ کا عصا بطور معجزہ باریک اور چھوٹا سا بنا تھا یا بڑا اڑدھا؟	۱۶۲	دو
۶۶	جادو گروں ایمان لاتے وقت امتنا پر موسیٰ و ہارون کہا تھا یا پر ہارون و موسیٰ؟	۱۶۳	تین
۶۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطانی و سورسہ کا اثر ہوتا تھا یا نہیں؟	۱۶۵	پانچ
۶۸	مؤمنین کے قلوب اللہ کے ذکر سے خوف زدہ ہوتے ہیں یا مطمئن؟	۱۶۹	تین
۶۹	غزوہ بدر میں کفار پر کنکریاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکی یا اللہ نے؟	۱۷۰	چار
۷۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کفار پر عذاب آ سکتا ہے یا نہیں؟	۱۷۲	پانچ



تعداد جوابات	صفحہ	عنوانات مضامین آیات متعارضہ	نمبر شمار
ایک جواب	۱۷۲	کفار کے اعمالِ حسنہ نافع ہیں یا ضائع و بیکار؟	۷۱
تین "	۱۷۶	کفار سے صلح کرنا جائز ہے یا نہیں؟	۷۲
ایک "	۱۷۷	کفار کی کتنی تعداد سے مقابلہ کرنا ضروری ہے؟	۷۳
ایک "	۱۷۹	قتال تمام مشرکین سے ضروری ہے یا صرف مشرکینِ اقارب سے؟	۷۴
تین "	۱۷۹	جہادِ مستطیع و معذور ہر شخص پر فرض ہے یا صرف مستطیع پر؟	۷۵
دو "	۱۸۱	جہاد میں سب کو لکنا ضروری ہے یا ایک جماعت کو؟	۷۶
پانچ "	۱۸۳	انسان بوقت مصیبت دعائیں کرتا ہے یا مالوس و نا امید ہو جاتا ہے؟	۷۷
تین "	۱۸۴	اولادِ آدم کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟	۷۸
چار "	۱۸۸	جنت میں داخلہ اعمال کے سبب ہوگا یا محض فضلِ الہی سے؟	۷۹
ایک "	۱۹۰	کفار کیلئے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟	۸۰
دس "	۱۹۱	کفار کو قیامت کے روز اعمیٰ، ابکم، اہم بنا کر اٹھایا جائیگا یا بصیر و ناطق و سامع؟	۸۱
دو "	۱۹۶	اصحابِ کہف نے نیند سے بیدار ہو کر کیا کہا تھا؟	۸۲
بارہ "	۱۹۸	اہلِ جنت کو سونے کے کنگن پہنائے جائینگے یا چاندی کے یا موتیوں کے؟	۸۳
چھ "	۲۰۰	بنی اسرائیل کے دو بھائیوں میں سے کافر بھائی کو دو باغ دئے گئے تھے یا ایک؟	۸۴
ایک "	۲۰۲	قیامت کے روز ہسٹروں کا کیا حال ہوگا؟	۸۵
تین "	۲۰۴	قیامت کے دن کفار کے اعمال تو لے جائیں گے یا نہیں؟	۸۶
چار "	۲۰۶	مومنین صالِحین جہنم میں داخل ہوں گے یا نہیں؟	۸۷
تین "	۲۰۹	حضرت موسیٰؑ کی زبان کی لگنت بالکل زائل ہو گئی تھی یا کچھ باقی تھی؟	۸۸
تین "	۲۱۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے مسخر شدہ ہوا تیز تھی یا ہلکی؟	۸۹
ایک "	۲۱۳	حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری میں صبر کیا یا نہیں؟	۹۰
تین "	۲۱۴	کفار کے معبودانِ باطلہ ان کے ساتھ جہنم میں حاضر نہیں گئے یا ان سے غائب؟	۹۱
ایک "	۲۱۶	قیامت کے دن آسمانوں کا کیا حال ہوگا؟	۹۲
ایک "	۲۱۸	زلزلہ قیامت کے وقت لوگوں پر نشہ طاری ہوگا یا نہیں؟	۹۳
چار "	۲۱۹	قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار سال ہے یا پچاس ہزار سال؟	۹۴
دو "	۲۲۲	تمام ملائکہ کو رسول بنا یا گیا ہے یا بعض کو؟	۹۵



نمبر شمار	عنوانات مضامین آیات متعارضہ	صفحہ	تعداد جوابات
۹۶	قوم عاد پر کونسا عذاب آیا؟	۲۲۳	دو جواب
۹۷	قیامت کے دن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوالات کریں گے یا نہیں؟	۲۲۴	تین
۹۸	زوانی سے عقالف کا نکاح حلال ہے یا حرام؟	۲۲۶	تین
۹۹	شیاطین ملائکہ کا کلام سن لیتے ہیں یا نہیں؟	۲۲۷	تین
۱۰۰	حضرت سلیمانؑ پر بندوں کی بونی سمجھتے تھے یا غیر پر بندوں کی بھی؟	۲۲۹	چار
۱۰۱	نفس اولیٰ کے وقت لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی یا موت؟	۲۳۱	ایک
۱۰۲	حضرت موسیٰؑ کو دریا میں ڈالتے وقت ان کی والدہ پر خوف کا اثبات ونفی	۲۳۱	ایک
۱۰۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں یا نہیں؟	۲۳۲	ایک
۱۰۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواج تسکع کے علاوہ مزید عورتوں سے نکاح حلال تھا یا نہیں؟	۲۳۳	تین
۱۰۵	قیامت کے دن کفار کی نگاہیں تیز ہوں گی یا ضعیف و سست؟	۲۳۵	دو
۱۰۶	اللہ تعالیٰ نے مشہر مکہ کی قسم کھائی یا نہیں؟	۲۳۷	تین

نوٹ :- بقیہ فہرست کتاب کے ضمیمہ میں صفحہ ۲۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں :-

## التساب

بندہ اپنی اس ضمیمہ مگر مبارک کاوش علمی کو اپنی مادر ہا علیہ

- ① اشرف العلوم گنگوہ
- ② دار العلوم دیوبند
- ③ مظاہر علوم سہارنپور

کی طرف منسوب کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہے جن کے البان طیبہ سے

علی الترتیب المذكور پرورش پا کر اس لائق ہوا

محمد انور غفرلہ گنگوہی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# التَّوْبٰتِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ  
وَعَلٰی اٰلِهٖٓ وَاَصْحَابِهٖٓ اَجْمَعِیْنَ - اَمَّا بَعْدُ !

خدائے عزوجل کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اس نے قرآن مقدس کی ایک صغیر مگر مبارک خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ ناقص العقل والفقہ قلیل العلم والعقل ناکارہ عبد ضعیف اس لائق کہاں تھا کہ اس خدمت کیلئے خادم فرمائی کرتا یہ تو فقط میرے مولائے واہب التوفیق کا کرم ہے ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکبت گل

نسیم صبح تیسری مہربانی

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن کریم خداوند قدوس کا ایک ایسا قیم و مستقیم کلام ہے جو ہر قسم کے اختلاف و اختلال، تعارض و تناقض سے کلیتاً منزہ و مقدس ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے،

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهٖ الْکِتٰبَ  
وَلَمْ یَجْعَلْ لَّمَا عُوْجًا قِیٰمًا (سورہ کہف ۹۸)

وہ خدا مستحق ہر حمد ہے جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں ہے، نہ اس میں تعارض و اختلاف ہے نہ تناقض و اختلال ہے بلکہ حق تعالیٰ نے اس کو قیم و مستقیم بنایا ہے

در اصل تعارض و تناقض تو اس شخص کے کلام میں ممکن ہے جس پر نسیان طاری ہوتا ہو، جس کا علم ناقص و ناتمام ہو جس کو یہ خبر نہ رہے کہ میں نے اس سے قبل کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہوں اور آئندہ مجھے کیا کہنا ہے، جس کے فکر و دماغ پر الجھنیں سوار ہوں، امور محملطہ اس کے ذہن و قلب میں گشت کرتے رہتے ہوں ایسے شخص کی گفتگو میں تعارض و تناقض ہونا ایک لازمی امر ہے، بخلاف ذات خداوند قدوس کے کہ وہ تو نسیان و ذہول اور جلد عبوب و نقائص سے مطلقاً منزہ و مبرا ہے وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے، جس کی صفت و شان یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَہَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًا ہُو، جس کو ماضی و حال اور استقبال کی پوری پوری خبر ہو بھلا اس کے کلام میں تعارض و اختلال ہو سکتا ہے؟ یہ ایک امر نامکن اور محال ہے،

ہاں جن آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے یہ صرف ظاہر نظر کی بات ہے، ہماری عقول و افکار کی کوتاہی



ورنہ نظر عمیق کے بعد یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی آیت کا کسی آیت سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے ان محققین مفسرین حضرات کو جنہوں نے نقول صحیحہ اور عقول سلیمہ کی روشنی میں آیات متعارضہ میں تطبیقات بیان فرمائی ہیں اور ایسی ایسی توجیہات ذکر فرمائیں کہ جن کے بعد کوئی آیت کسی آیت کے معارض نہیں رہتی، البتہ یہ توجیہات و تطبیقات کتب تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر کہیں اشارہ و اجمالاً کہیں قدرے توضیح و صراحت کے ساتھ متفرق و منتشر موجود ہیں، بعض مقامات پر بہت مختصر سی عبارت سے دفع تعارض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے ذہن جلدی سے اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ تعارض کی نوعیت کیا تھی اور وہ دفع کس طرح ہوا،

بندہ کی نظر سے کوئی کتاب یا رسالہ اس قسم کا نہیں گذرا جس میں تمام آیات متعارضہ کے تعارض کی تشریحات اور اس کے دفعیہ کے لئے جملہ توجیہات و تطبیقات کو یکجا جمع کیا گیا ہو اس لئے ارادہ ہوا کہ ایک مختصر سا رسالہ ایسا تالیف کیا جائے جس میں آیات متعارضہ کو جمع کر کے ان کے مابین تعارض کی تشریح کی جائے پھر اس تعارض کے وہ تمام جوابات جو کتب تفسیر میں اشارہ یا صراحت متفرق و منتشر طور پر موجود ہیں ان کو آسان عبارت میں توضیح و تفصیل کے ساتھ باحوالہ کتب جمع کر دیا جائے تاکہ علم تفسیر خصوصاً ترجمہ قرآن پاک جلالین شریف وغیرہ پڑھنے پڑھانے والے طلبہ و مدرسین حضرات کیلئے سہولت و آسانی ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم نے اس ارادہ کو تقویت بخشی، خدا کا نام بیکر اور اس ذاتِ حق سے چالیس دن میں تکمیل کر دینے کی دعا کر کے ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۹۰ء یکشنبہ کے روز اس کام کو شروع کیا حق سبحانہ کا فضل شامل حال رہا کہ تدریسی و خانگی مشغولیات کے باوجود چالیس روز میں ۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۹۰ء بروز پنجشنبہ بعد نماز ظہر اس رسالہ کی تالیف سے فراغت میسر آگئی۔

فللہ الحمد والمنة  
ایں سعادت بزورِ باز و نیست

تازہ بخشہ خدا کے بخشندہ

دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے، خطایا و زلات کو معاف کرے، مطالعہ کنندگان کیلئے نافع و مفید بنا کر بندہ کیلئے اس کو ذریعہ نجات اور توشہ آخرت بنائے۔ آمین  
یا رب العالمین

احقر العباد

محمد انور گنگوہی عفا اللہ عنہ



## ملاحظات

- 1) سب سے پہلے آیات متعارضہ کو نمبر وار ذکر کیا گیا ہے پھر چونکہ آیات میں تعارض ہو جانے کی صورت میں ان کے مضامین مختلف ہو جاتے ہیں اس لئے ایک مضمون کی جملہ آیات کو ایک طرف ذکر کر کے اس طرح کی علامت لگا دی گئی ہے اس کے بعد دوسرے مضمون کی جملہ آیات لکھی گئی ہیں مثلاً بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بادلوں کا اس بارے میں آیات متعارض ہیں پس اولاً قرآن میں جہاں جہاں بھی نزولِ ماومن السماء کے مضمون کی آیات ہیں ان سب کو یکجا جمع کیا گیا اس کے بعد علامت لگا کر وہ تمام آیات ذکر کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے اور اگر تین قسم کے مضامین کی آیات ہیں تو دوسرے مضمون کی آیت کے بعد وہی علامت مذکورہ لگا کر تیسرے مضمون کی آیات کو ذکر کیا گیا ہے
- 2) ہر آیت کے ساتھ پارہ نمبر رکوع نمبر سورت کا نام اور تفسیر جلالین پر پڑھنے پڑھانے والوں کی سہولت کی خاطر ہر آیت کے ساتھ جلالین شریف کا صفحہ نمبر بھی درج کیا گیا ہے ،
- 3) چونکہ بسا اوقات آیات میں تعارض مخفی ہوتا ہے اس لئے آیات کے ذکر کے بعد تشریح تعارض کا عنوان دیکر سمجھایا گیا ہے کہ ان آیات میں تعارض کس طرح ہے ؟
- 4) اس کے بعد دفع تعارض کے عنوان کے ذیل میں اس تعارض کے جوابات دئے گئے ہیں یعنی وہ توجیہات و تطبیقات بیان کی گئی ہیں جن سے تعارض مرتفع ہو جاتا ہے اور بہت سے مقامات پر روایات صحیحہ سے توجیہات کی تائیدات پیش کی گئی ہیں ، تقریباً ہر جواب کے اخیر میں ان کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے وہ جواب ماخوذ و مستنبط ہے ،
- 5) تعارض کے جوابات کو نمبر وار ذکر کیا گیا ہے ان کے نمبرات سیاہ رنگ میں سفید اس طرح 1 ڈالے گئے ہیں البتہ ایک ہی جواب کے ذیل میں اگر متعدد تاویلات آگئی ہیں تو ان کے نمبرات سیاہ رنگ کے بجائے سادہ انداز میں اس طرح 1 ڈال دئے گئے تاکہ امتیاز باقی رہے ،
- 6) رسالہ ہذا میں آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرنے کا مستقل اہتمام و التزام نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ چیز ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے البتہ بہت سے مقامات پر دفع تعارض کے ذیل میں آیات کی اچھی خاصی تفسیر سامنے آگئی ہے ،
- 7) شروع میں ایک فہرست دی گئی ہے جس میں آیات متعارضہ کے مضامین کے عنوانات مع صفحات ذکر کئے گئے ہیں اور ہر تعارض کے کتنے جوابات دئے گئے ہیں اس تعداد کو بھی واضح کیا گیا ہے

مؤلف



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## قرآنِ مقدس کن لوگوں کیلئے ہدایت کی

پاراہ نمبر ۱، ۲، ۱۱، ۲۱

- آیات | ۱ | اَلَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ  
 بقرہ جلاہن ص ۲ | ۲ | اَلَمْ تَلِكْ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ پارہ ۲  
 رکوع ۱ سورہ لقمان جلاہن ص ۲۴۵ | ۳ | يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ  
 وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۱۱ سورہ یونس جلاہن  
 ص ۱۴۵ | ۴ | شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ الْاٰيٰةِ پارہ ۲ رکوع ۱  
 سورہ بقرہ جلاہن ص ۲۴

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک صرف خواص مومنین یعنی  
 اہل تقویٰ اور نیک لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مومنین کیلئے ہدایت  
 و رحمت ہے اور آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہے ہُدًى لِّلنَّاسِ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن تمام انسانوں  
 کیلئے ہدایت ہے مومن ہو یا کافر متقی و صالح ہو یا فاسق و فاجر، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

- ۱ | درحقیقت قرآن پاک چشمہ ہدایت تو تمام ہی انسانوں کیلئے ہے جو بھی اس کو دیکھے اور پڑھے اس  
 کے مضامین و معانی میں غور و تدبر کرے وہ ہدایت پر آسکتا ہے مگر پہلی تین آیات میں جو متقین، محسنین  
 اور مومنین کی تخصیص کر دی گئی وہ ایک تو اس وجہ سے کہ اس منبع ہدایت سے فیض یافتہ ہونے والے  
 اور اس نور ہدایت سے روشنی حاصل کرنے والے یہی حضرات ہیں اگرچہ استفادہ میں فرق مراتب ہے کہ



اہل تقویٰ اور نیک لوگوں نے اعلیٰ درجہ کا استفادہ کیا ہے اور عوامِ مومنین کا استفادہ ان سے کم درجہ کا ہے مگر نفسِ استفادہ میں سب مشترک ہیں، دوسرے ان حضرات کی شرافت و کرامت کی وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے ان کو ایمان و تقویٰ اور نیکی کی دولت سے مشرف فرمایا یہ عزت و سعادت ان کو بخشی، پس ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا ہُدًی للمتقین، ہُدًی ورحمۃ للمحسنین، ہُدًی ورحمۃ للمؤمنین، ورنہ تو اس قرآنِ مقدس کا ہدایت ہونا ہر شخص کے حق میں عام ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر ابوالسعود، تفسیر کبیر، خازن وغیرہ)

۲ ہدایت کے دو معنی ہیں (۱) ارادۃ الطریق (صرف راستہ دکھلا دینا خواہ مقصود تک رسائی ہو یا نہ ہو) (۲) ایصال الی المطلوب (مقصود تک پہنچا دینا) قرآن پاک میں دونوں صفتیں موجود ہیں، صفتِ ارادۃ الطریق تو ہر شخص کے حق میں عام ہے قرآن نے حق و باطل کا راستہ سب کے سامنے صاف صاف واضح کر دیا ہے اسی کو فرمایا ہُدًی للناس مگر صفتِ ایصال الی المطلوب حضراتِ مومنینِ محسنین و متقین کے حق میں مخصوص ہے یہ حضرات قرآن پاک کی تعلیمات کو اختیار کر کے مقصدِ اصلی تک پہنچ گئے اسی کو فرمایا گیا ہُدًی للمتقین، ہُدًی للمحسنین، ہُدًی للمؤمنین، پس آیت ۱ و ۲ و ۳ میں ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب ہے اور آیت ۴ میں بمعنی ارادۃ الطریق ہے فلا تعارض (تفسیر کبیر)

## بارش آسمان سے ہوتی ہے یا بارشوں سے؟

پارہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶  
۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰

آیات ۱) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا وَمَا أَنتَ بِبَارِئٍ بِهَا ۚ (۱) وَصَا أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ (۲) وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا مِمَّا تُكْتَبُ لَهُ السَّلَاتِ الْكُتُبُ (۳) وَاللَّهُ يَخْتَارُ ۚ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۴) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۵) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۶) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۷) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۸) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۹) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۰) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۱) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۲) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۳) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۴) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۵) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۶) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۷) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۸) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۹) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۰) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۱) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۲) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۳) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۴) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۵) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۶) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۷) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۸) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۹) وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۳۰)



- مِنَ السَّمَاءِ الْآيَةَ بِآرِهِ ۱۱ رُكُوعًا ۵ سُوْرَةُ يُوسُفَ جَلَّالِيْنَ ۱۲ ۵) أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ  
 أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا ۱۳ رُكُوعًا ۵ سُوْرَةُ رَعْدٍ جَلَّالِيْنَ ۲۰ ۶) اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
 وَالَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۱۳ رُكُوعًا ۵ سُوْرَةُ إِبْرَاهِيْمَ جَلَّالِيْنَ ۲۹ ۷) وَأَرْسَلْنَا  
 الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ ۱۴ رُكُوعًا ۵ سُوْرَةُ حَجْرٍ جَلَّالِيْنَ ۲۲  
 ۸) وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۱۴ رُكُوعًا ۵ سُوْرَةُ نَحْلٍ  
 جَلَّالِيْنَ ۲۲ ۹) وَأَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ ۱۵ رُكُوعًا ۵  
 سُوْرَةَ كَهْفٍ جَلَّالِيْنَ ۲۶ ۱۰) وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّى ۱۶  
 رُكُوعًا ۱۱ سُوْرَةَ طهٍ جَلَّالِيْنَ ۲۶ ۱۱) الْمُرْتَدَّاتُ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَصْبِحُ الْأَرْضُ  
 مُخْضَرَّةً ۱۷ رُكُوعًا ۱۵ سُوْرَةُ حجٍّ جَلَّالِيْنَ ۲۸ ۱۲) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ ۱۸  
 رُكُوعًا ۱ سُوْرَةَ مؤْمِنُوْنَ جَلَّالِيْنَ ۲۸ ۱۳) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۱۹ رُكُوعًا ۳  
 سُوْرَةَ فِرْقَانَ جَلَّالِيْنَ ۳۰ ۱۴) أَمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۲۰  
 رُكُوعًا ۱ سُوْرَةَ النَّمْلِ جَلَّالِيْنَ ۳۲ ۱۵) وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ  
 ۲۱ رُكُوعًا ۲ سُوْرَةَ عَنكَبُوْتَ جَلَّالِيْنَ ۳۳ ۱۶) وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خُرُوفًا وَطَمَعًا  
 يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۲۱ رُكُوعًا ۶ سُوْرَةَ الرُّومِ جَلَّالِيْنَ ۳۴ ۱۷) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
 فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۲۱ رُكُوعًا ۶ سُوْرَةَ لقْمَانَ جَلَّالِيْنَ ۳۴ ۱۸) الْمُرْتَدَّاتُ  
 اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ ۲۲ رُكُوعًا ۱۶ سُوْرَةَ فَاطِرٍ جَلَّالِيْنَ ۳۶ ۱۹)  
 الْمُرْتَدَّاتُ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعٌ فِي الْأَرْضِ ۲۳ رُكُوعًا ۱۶ سُوْرَةَ الزُّمَرِ  
 جَلَّالِيْنَ ۳۸ ۲۰) وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۲۵ رُكُوعًا ۵  
 سُوْرَةَ زُخْرَفٍ جَلَّالِيْنَ ۴۱) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جِبْتٍ ۲۶ رُكُوعًا ۱۵  
 سُوْرَةَ قٍ جَلَّالِيْنَ ۴۲) ۲۲) حَتَّى إِذَا أَثَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَهُ يَلِدِ مِيَّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ  
 الْمَاءَ ۲۷ رُكُوعًا ۱۴ سُوْرَةَ اَعْرَافٍ جَلَّالِيْنَ ۴۳) الْمُرْتَدَّاتُ اللَّهُ يُزِيحُ سَحَابَاتَهُ



يُؤَلِّفُ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ پارہ ۱۷ رکوع ۱۲ سورہ النور  
 جلائین ص ۳ (۲۲) اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ  
 كَسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ پارہ ۱۷ رکوع ۸ سورہ الروم جلائین ص ۳۲۴ (۲۵)  
 ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ پارہ ۲۷ رکوع ۱۵ سورہ الواقعة جلائین ص ۲۴۸  
 (۲۶) وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً شَاخِبًا پارہ ۳۱ رکوع ۱ سورہ النبأ جلائین ص ۲۸۷

**تشریح تعارض**

آیت نمبر ۱ تا ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے اور  
 آیت ۲۲ تا ۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے چنانچہ آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں  
 تو سحاب کی تصریح ہے اور یُخْرِجُ مِنْ خِلَالِهِ فرمایا گیا ہے کہ بارش بادلوں کے درمیان سے نکلتی ہے اور آیت  
 نمبر ۲۵ و ۲۶ میں مُزْنٌ اور مُعْصِرَاتٍ کا لفظ آیا ہے مُزْنٌ کے معنی پانی سے بھرا ہوا سفید بادل اور  
 مُعْصِرَاتٍ اُن بادلوں کو کہا جاتا ہے جن کے برسنے کا وقت قریب آگیا ہو ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے  
 کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے پس پہلی آیتیں آیات اور اخیر کی ان پانچ آیات میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض**

اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① پہلی آیات میں سمار سے مراد سحاب ہے اس لئے کہ جو جہتِ علویں ہوتی ہے سمار سے تعبیر کر دیا  
 جاتا ہے جیسے مکان کی چھت وغیرہ، کہا جاتا ہے کُلُّ مَا عَلَاكَ فَهُوَ سَمَارٌ ہر وہ شے جو تیرے اوپر ہے وہ آسمان  
 ہے پس چونکہ سحاب بھی جہتِ علویں ہوتا ہے اس لئے اس کو سمار سے تعبیر کر کے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کہلایا  
 گیا ورنہ درحقیقت بارش بادلوں ہی سے ہوتی ہے اس لئے ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے،

② بارش تو بادلوں ہی سے ہوتی ہے مگر اس کا سبب تاثیراتِ سماویہ ہیں چنانچہ سورج جو کہ آسمان  
 میں ہے اس کی شعاعیں سمندروں پر پڑتی ہیں جن کی حرارت سے پانی بخارات بن کر اٹھتا ہے پھر وہ  
 بخارات ہوا کے طبقہِ ثالثہ میں پہنچ کر جمع ہو جاتے ہیں اور جب زیادہ بوجھل ہو جاتے ہیں تو قطرات بن کر  
 برسنے لگتے ہیں پس جب تک وہ بخارات جمع رہتے ہیں ان کو بادل کہا جاتا ہے اور جب برسنے لگتے ہیں تو  
 بارش کہتے ہیں تو چونکہ بادلوں سے بارش برسنے کا سبب آسمانی تاثیرات ہیں اس لئے مجازاً آسمان کی

۵۳  
 سحاب  
 بارش  
 بادلوں سے ہوتی ہے



طرف نسبت کر دی گئی پس پہلی آیات مجاز پر اور اخیر کی آیات حقیقت پر محمول ہیں فانذرع التعارض،  
 (ردح المعانی) بارش آسمان سے ہوتی ہے اور بادل درمیان میں واسطہ میں اولاً پانی آسمان سے بادلوں پر نازل  
 ہوتا ہے پھر بادل کے سوراخوں میں سے چھن چھن کر زمین پر برستا ہے حق تعالیٰ نے بادلوں کو بارش  
 کیلئے چھلنی بنا دیا ہے لہذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں اس توجیہ کی تائید حضرت کعب کے ارشاد  
 سے ہوتی ہے لولا السحاب حین نزل المطر من السماء لافسد ما یقع علیہ من الارض کہ جس وقت آسمان  
 سے بارش برستی ہے اگر درمیان میں بادل نہ ہوتے تو پانی زمین کے جس مقام پر بھی گرتا اس کو تباہ کر دیتا  
 یعنی آسمان سے پانی موٹی دھار بن کر نہایت تیزی کے ساتھ گرتا ہے مگر بادل اس کو روک لیتے ہیں پھر  
 وہ بادل کے سوراخوں سے چھن چھن کر ہلکی رفتار کے ساتھ قطرات بن کر اور باریک باریک دھار بن کر  
 برستا ہے اگر بادل نہ ہوتے اور پانی کی موٹی دھار بن کر پوری تیزی کیساتھ براہ راست زمینوں اور  
 مکانوں وغیرہ پر گرتا تو سب چیزوں کو ہلاک و تباہ کر دیتا، یہ تو حق تعالیٰ کا کام ہے کہ اس نے درمیان  
 میں بادلوں کو واسطہ بنا دیا ہے (صاوی)

**اہل عرب کے قرآن کی کتنی سورتوں کا مثل پیش کرنا کیا جلیج کیا گیا تھا**

پارا نمبر ۱، ۱۱، ۱۲، ۱۵، ۲۷

- آیات** ۱) وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ بِآرِهِ ۱  
 رکوع ۲ سورہ بقرہ جلایں ۶ ۲) أَمْ يَقُولُونَ افتره قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ بِآرِهِ ۱۱  
 رکوع ۹ سورہ یونس جلایں ۱۴ ۳) أَمْ يَقُولُونَ افتره قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهِ  
 مُفْتَرِيَةٍ بِآرِهِ ۱۲ رکوع ۲ سورہ ہود جلایں ۱۸ ۴) قُلْ لَنْ أَجْمَعَتِ الْإِنْسُ وَ  
 الْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ بِآرِهِ ۱۵ رکوع ۱ سورہ الإسراء جلایں  
 ۲۳۸ ۵) فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ بِآرِهِ ۲۷ رکوع ۲ سورہ طور جلایں

**تشریح تعارض**

ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے فصاحت و بلاغت پر ناز کر نیوالے مشرکین  
 عرب بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے جلیج کیا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن مقدس کے منجانب سے



ہونے میں شک ہے اور تمہارا گمان یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دیلے ہے تو تم بھی تو بڑے فصیح و بلیغ مانے جلتے ہو ذرا قرآن جیسا کوئی کلام پیش کر کے دکھا دو اور تم تنہا ہی نہیں بلکہ جتنے مددگاروں کو تم بلا سکتے ہو بلا لو اور سب مل کر قرآن پاک کا مثل پیش کر کے دکھا دو مگر یاد رکھو اگر ساری دنیا کے انسان و جنات مل کر بھی قرآن کا مثل پیش کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکتے، لیکن ان آیات میں سے آیت نمبر ۱۰۲ میں تو ایک سورت کے متعلق چیلنج ہے کہ قرآن جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو تم ایک سورت بھی نہیں بنا سکتے اور آیت نمبر ۱۰۳ میں ہے کہ قرآن جیسی دس سورتیں پیش کر دو اور آیت نمبر ۱۰۴ میں بمثل هذا القرآن اور بحديث مثله کہہ کر پورے قرآن کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے، پانچویں آیت میں حدیث سے مراد قرآن ہی ہے مطلب یہ ہے فلیا تو ابقران مثله کہ قرآن جیسا پیش کر کے دکھا دو یا حدیث کے معنی مطلق بات کہ قرآن جیسی کوئی ایک بات مثلاً ایک چھوٹی سی آیت یا ایک چھوٹا سا جملہ پیش کر دو بہر حال ان آیات میں قرآن کا مثل پیش کرنے کی مقدار کے بارے میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① حق تعالیٰ شانہ نے اولاً تو پورے قرآن کا مثل پیش کرنے کا چیلنج کیا جب لوگ اس سے عاجز رہ گئے اور مثل پیش نہ کر سکے تو فرمایا اچھا اگر تم پورے قرآن کا مثل پیش نہیں کر سکتے تو قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر دکھا دو پھر جب لوگ اس سے بھی عاجز رہے تو قرآن کی شانِ اعجاز کو اور زیادہ واضح کرتے ہوئے فرمایا "فاتوا بسورۃ من مثله" کہ اگر دس سورتیں نہیں بنا سکتے تو کم از کم ایک ہی سورت کا مثل پیش کر کے دکھا دو اور سورۃ کو معہرف بلام لانے کے بجائے نکرہ لا کر اس طرف اشارہ کیا کہ قرآن کی کسی بھی سورت کا یعنی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا مثل پیش کر کے دکھا دو مگر تم قرآن جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی نہیں بنا سکتے اور اگر فلیا تو بحديث مثله میں حدیث سے مراد مطلق ایک آیت یا ایک جملہ ہو تو شانِ اعجازِ قرآنی کی مزید درمزید توضیح کرتے ہوئے چیلنج ہو گا کہ اگر ایک چھوٹی سی سورت پیش نہیں کر سکتے تو چلو اچھا کم از کم قرآن جیسی ایک چھوٹی سی آیت یا ایک چھوٹا سا جملہ ہی بنا کر دکھا دو مگر تم سے ایک



چھوٹی سی آیت بھی نہیں بن سکتی پس جان لو کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے بلکہ خدا نے عالم الغیب والشہادۃ کا کلام ہے!

یہ جو ترتیب بیان کی گئی ہے کہ پہلے پورے قرآن کے متعلق پھر دس سورتوں کے متعلق پھر ایک سورت کے متعلق چیلنج کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے اگرچہ پہلے سورہ بقرہ پھر سورہ یونس پھر سورہ ہود پھر اسرار ہے مگر ترتیب نزول اس کے برعکس ہے اولاً سورہ اسرار نازل ہوئی جس میں "بمثل هذا القرآن کہا گیا پھر سورہ ہود کا نزول ہوا جس میں "فاتوا البعشر سورہ" فرمایا پھر سورہ یونس اور سورہ بقرہ نازل ہوئیں جن میں "فاتوا بسورہ" فرمایا گیا کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اولاً ایک سورت کا مثل پیش کرنے کیلئے کہا گیا ہو جب اس سے عاجز ہو گئے تو دس سورتیں بنانے کیلئے فرمایا ہو کیونکہ جو شخص ایک سورت بنانے سے عاجز ہو جائے وہ دس سورتیں بنانے سے بدرجہ اولیٰ عاجز ہو گا پس اس کو یہ کہنا کہ جب تو ایک سورت نہیں بنا سکتا تو دس سورتیں بنا کر پیش کر دے " بے معنی ہو گا!

جواب کا حاصل یہ نکلا کہ یہ اختلافِ زمان پر محمول ہے متعدد و متعارض چیلنج ایک ہی زمانہ میں نہیں کئے گئے بلکہ مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے کئے گئے اور جب دو متعارض چیزوں کا زمانہ جدا جدا ہو تو تواریض نہیں رہتا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی تصنیف کے بارے میں چیلنج کرے کہ کوئی اس جیسی کتاب تصنیف کر کے دکھا دے اگر پوری کتاب نہیں لکھ سکتا تو اس جیسی ادھی کتاب لکھ دے اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم ثلث یا ربیع یا کم از کم اس کتاب کے کسی ایک مسئلہ کا مثل پیش کر کے دکھا دے اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی تعارض نہیں (صاوی، روح المعانی، تفسیر کبیر)

② دوسرا جواب یہ ہے کہ اختلافِ زمان ہی محمول ہے مگر صورت اول کے برعکس ہے چنانچہ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ اولاً ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج فرمایا پھر دس سورتیں پیش کرنے کا، امام مبرد سے بھی یہی مروی ہے اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سورہ یونس جس طرح تلاوت میں سورہ ہود پر مقدم ہے اسی طرح نزول کے اعتبار سے بھی مقدم ہے علامہ ابن الضریس نے بھی فضائل القرآن میں حضرت ابن عباسؓ سے یہی نقل کیا ہے مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایک سورت کے چیلنج کے بعد دس سورتوں کا



پہنچ کرنے کا کیا مطلب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فاتوا بسورۃ مشبہ کا مطلب فاتوا بسورۃ من مثله فی البلاغۃ والاشتمال علی ما شتم علیہ من الاخبار عن المغیبات والاحکام واخواتہا ہے اور فاتوا بعشر سورۃ مثله کا مطلب بعشر سورۃ مثله فی النظم فقط ہے یعنی اولاً تو یہ کہا گیا کہ ایک ایسی سورت بنا دو جو الفاظ و معانی فصاحت و بلاغت میں قرآن کے مثل ہو نیز جس طرح قرآن غیب کی خبروں، احکام، مواعظ، وعد و وعید وغیرہ پر مشتمل ہے اسی طرح تمہاری بنائی ہوئی سورت بھی ان مذکورہ امور پر مشتمل ہونی چاہئے مگر جب لوگ ان شرائط کے ساتھ سورت پیش کرنے سے عاجز رہ گئے تو فرمایا اچھا اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ایسی پیش کر دو جو صرف الفاظ میں قرآن کے مثل ہوں اگرچہ ان میں وہ تمام امور مذکورہ نہیں جن پر قرآن مشتمل ہے مگر تم ایسا بھی نہیں کر سکتے (روح المعانی)

اس دو کسر جواب میں سورہ اسرار کی آیت قُلْ لَنْ اَجْمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ سے اور سورہ طور کی آیت فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا غالباً اس وجہ سے کہ مثل ہذا القرآن مطلق ہے جو بسورۃ اور بعشر سورۃ دونوں کو شامل ہے اسی طرح حدیث سے مراد بھی مطلق قرآن ہے جو ایک سورت اور دس سورتوں دونوں کو شامل ہے، فافہم

## مخلیق سماوات مقدم ہے یا مخلیق ارض؟

پارا ۱ نمبر ۱، ۲، ۳

آیات

① هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اَسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ يَكْتُمُ سِرِّيْكُمْ عَلَيْهِمْ پارہ ۱، رکوع ۳ سورہ بقرہ جلالین ص ۷ ② قُلْ اَنْتُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمِيْنَ - اَلِیْ قَوْلِهِ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوٰسِیْ وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَنْوَاثَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءٍ لِّلْسَاعِلِيْنَ ثُمَّ اَسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ پارہ ۲، رکوع ۱۶ سورہ حم سجده جلالین ص ۳۹۷ ③ ؕ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءِ بِنَاہَا - اَلِیْ قَوْلِهِ - وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰیهَا پارہ ۳، رکوع ۳ سورہ النازعات جلالین ص ۲۸۹

تشریح تعارض | آیت نمبر ۱ و ۲ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاً زمین کو پیدا



کیا اس کے بعد آسمان بنایا اور آیت نمبر ۳۱ اس کے برعکس پر دلالت کرتی ہے کہ تخلیقِ سماں مقدم ہے تخلیقِ ارض پر کیونکہ اس میں ارشاد ہے "والارض بعد ذلك وضمها" کہ زمین کو آسمان کے بنانے کے بعد بچھپایا، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دفعیہ کے تین طریقے ہیں ① تقدیم خلق ارض والی آیات کو اصل قرار دیکر تقدیم سموات والی آیات میں تاویل کی جائے ② تقدیم خلق سموات والی آیات کو اصل قرار دیکر تقدیم ارض والی آیات میں تاویل کی جائے ③ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسی توجیہ اختیار کی جائے جس سے دونوں قسم کی آیات اصل پر رہیں اور تعارض ختم ہو جائے، ان طرقِ مذکورہ کے پیش نظر اس تعارض کے بظاہر چار جواب ہیں مگر پہلے دو جوابوں کے تحت مذکورہ تاویلات کو مستقل جواب شمار کر کے اٹھ ہو جائیگا ① تقدیم خلق ارض والی آیات اصل اور اپنے ظاہر پر محمول ہیں یعنی حق تعالیٰ نے اولاً ارض و ما فیہا (جبال، اشجار، انہار وغیرہ) کو پیدا فرمایا اس کے بعد آسمانوں کی تخلیق فرمائی جیسا کہ پہلی دو آیتوں سے معلوم ہو رہا ہے روایت مرفوعہ صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے،

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہود نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے متعلق دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یکشنبہ اور دو شنبہ کے دن زمین کو پیدا فرمایا اور پہاڑوں کو اور حیوان میں منافع رکھے ہیں ان سب کو شنبہ کے روز پیدا کیا اور چہار شنبہ کے دن درختوں، پانی، شہروں، آبادیوں اور کھنڈرات کو پیدا فرمایا پس یہ چار دن ہو گئے اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا "کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو

عن ابن عباس عن ان اليهود انت النبي صلي الله عليه وسلم فسأله عن خلق السموات والارض فقال عليه السلام خلق الله تعالى الارض يوم الاحد والاشين وخلق الجبال وما فيها من المنافع يوم الثلثه وخلق يوم الاربعاء الشجر والماء والمدائن و العمران والخراب فهذه اربعة فکان تعالی انکر لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین ویتعلون له اندادا ذلک رب العالمین وجعل فیہا رواسی وبلک فیہا



روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کا شریک ٹھہرتے ہو  
یہی سارے جہاں کا رب ہے اور اسی نے زمین میں  
پہاڑ بنا دیئے اور اس میں ناندہ کی چیزیں رکھ دیں اور  
اس میں اسکی غذا میں تجویز کرویں چار دن میں پورے  
ہیں پوچھنے والوں کیلئے اور پختہ کرنے کے روز آسمانوں

وَقَدَّرَ فِيهَا اَقْوَاتَهَا فِي اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سِوَاءَ  
لِلسَّائِلِينَ وَخَلَقَ يَوْمَ الْخَمِيسِ السَّمَاءَ وَخَلَقَ  
يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْبُحُورَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالْمَلَائِكَةَ  
(اخرجه ابن جرير وغيره وصححه)  
(روح المعاني ص ۱۰۵)

کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستارے سورج چاند اور فرشتے پیدا کئے ،  
اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ تخلیق ارض مقدم ہے تخلیق سماوات پر ، اسی طرح ایک اور مرفوع روایت ہے

کہ اللہ نے یکشنبہ اور دو شنبہ کے روز زمین کو پیدا  
کیا اور شنبہ کے دن پہاڑوں اور ٹیلوں کو بنایا  
اور چہار شنبہ کے دن درختوں کو اور پختہ اور جمعہ  
کے دن آسمانوں کو پیدا کیا ،

انذ خلق الارض في يوم الاحد والاثنين  
وخلق الجبال والاكمام في يوم الثلاثاء والاشجار  
في الاربعاء وخلق السماء في الخميس و  
الجمعة (رواه الحاكم مرفوعاً)

(حاشیہ جلالین ص ۲۸۹)

نیز عقلاً بھی یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ زمین بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور آسمان  
چھت کے درجہ میں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا اور بنیاد پہلے قائم  
کی جاتی ہے بعد میں چھت ڈالی جاتی ہے لہذا تخلیق ارض مقدم ہے تخلیق سماوات پر  
اکثر مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے ،

یہی سورہ نازعات کی آیت وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَخَلَهَا سِوَا سِوَا اس میں دو طرح سے تاویل کی گئی ہے  
① الْاَرْضَ سے پہلے تَدَبَّرًا تَدَبَّرًا اذْكَرًا اذْكَرًا فعل محذوف ہے اور بَعْدَ ذَلِكَ اس  
فعل محذوف کا ظرف ہے اور دَخَلَهَا جملہ مستأنف ہے اور آیت شریفہ سے یہ بتانا مقصود ہی نہیں کہ زمین  
کی تخلیق آسمان کی تخلیق کے بعد ہوئی بلکہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا اور یاد دلانا مقصود ہے مطلب یہ  
ہے کہ جب آپ کو سماوی نعمتوں کی معلومات ہو گئی تو اس کے بعد نعم ارضیہ کو یاد کیجئے ان میں تدبیر و تفکر



کیجئے کہ حق تعالیٰ نے زمین کو بچھایا اس میں سمندوں اور یاؤں اور نہروں کو جاری کیا اس سے چشمے نکالے اور اس سے نباتات اور اشجار کو نکالا اور اس پر پہاڑ جمادے ،

② بعد مع کے معنی میں ہے، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے بعد ذلک کی تفسیر مع ذلک کیساتھ نقل کی ہے آیت شریفہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ آسمان بنایا اس کی چھت کو بلند کیا اس کو درست کیا اس کی رات کو تاریک بنایا اس کے دن کو ظاہر کیا اور صرف یہی نعمتیں نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اور بھی نعمتیں عطا فرمائیں کہ زمین کو بچھایا اس میں سے پانی اور نباتات کو نکالا اس پر پہاڑ پیدا کئے یہ سب چیزیں حق تعالیٰ نے تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے نفع کیلئے پیدا فرمائی ہیں پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں تخلیق ارض کے تاخر کو بیان کرنا مقصود ہی نہیں ہے ان دونوں تاویلات کے بعد آیات میں کوئی تعارض نہیں رہتا،

③ تقدیم خلقِ سماوات والی آیت اصل اور اپنے ظاہر پر محمول ہے یعنی حق تعالیٰ نے اولاً آسمان کو پیدا کیا اس کے بعد زمین کو پیدا کیا جیسا کہ آیت نمبر ۲ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا سے معلوم ہوتا ہے، امام واحدی نے البیضا میں حضرت مقاتل سے یہی نقل کیا ہے محققین میں سے بہت سے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اکثر ان آیات میں جن میں آسمان و زمین کا ذکر آیا ہے، سموات کو ارض پر مقدم کیا گیا ہے جیسے إِنَّ مَن كَانَ يُحِبُّ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَخْتَلَفَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، لَكِن سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ، إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَغَيْرَهُ، جب اکثر آیات میں ذکرِ سماوات مقدم ہے ذکرِ ارض پر تو معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ سماوات بھی مقدم ہے تخلیقِ ارض پر، دوسری دلیل یہ ہے کہ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اشرف کو غیر اشرف پر مقدم کیا جائے اور آسمان ذاتاً و صفۃً دونوں اعتبار سے زمین سے اشرف ہے آسمان مقدار میں بھی زمین سے بڑا ہے اور مکان کے اعتبار سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے پس اشرف یعنی آسمان کی تخلیق کا غیر اشرف یعنی زمین کی تخلیق پر مقدم ہونا مطابق مقتضائے حکمت ہے،



رہی آیت ۷ و ۲ سوان میں چار طرح سے تاویل کی گئی ہے ،

① ثُمَّ اسْتَوَىٰ میں لفظ ثُمَّ واو کے معنی میں ہے جو مطلق جمعیت کیلئے آتی ہے ، مقصود آسمان وزمین دونوں کی محض تخلیق کو بیان کرنا ہے تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے ترتیب بیان کرنا مقصود نہیں ہے پس کوئی تعارض نہیں رہا ،

② لفظ ثُمَّ اگرچہ ترتیب مع التراخی کیلئے آتا ہے لیکن تراخی کی دو قسمیں ہیں ، تراخی فی الزمان اور تراخی فی الرتبة ثُمَّ کا استعمال حقیقتہً تو تراخی فی الزمان کیلئے ہوتا ہے لیکن کبھی مجازاً تراخی فی الرتبة کیلئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے یہاں پر یہ مجازاً تراخی فی الرتبة کیلئے استعمال ہوا ہے جس سے آسمان کے بعد رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ آسمان کا مرتبہ زمین سے بعید اور اونچا ہے ، بعد زمانی اور تاخر زمانی کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے جیسا کہ آیت شریفہ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكَرْتَبَةً أَوْرَاطُهُمْ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْعَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا الْآيَةَ فِي لَفْظِ ثُمَّ تراخی فی الرتبة کیلئے مستعمل ہے ، کہ اس انسان کا فرنے گھاٹی کو پار کیوں نہیں کیا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا چیز ہے وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا فاترہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا یا کسی خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا (یعنی ان

احکام الہیہ مذکورہ کو بجالانا چاہئے تھا) پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لائے انہ

اگر یہاں ثُمَّ کو تراخی فی الزمان کیلئے مانا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ پہلے ان اعمال مذکورہ کو کرنا چاہئے تھا اس کے بعد ایمان لانا چاہئے تھا حالانکہ ایمان تو اعمال پر مقدم ہے اس لئے ثُمَّ یہاں مجازاً تراخی فی الرتبة کیلئے ہے جس سے ایمان کے بعد مرتبت اور تقسیم شان کو بتلانا مقصود ہے کہ ایمان کا مرتبہ اعمال سے برتر و اعلیٰ ہے پہلے ایمان لانا چاہئے اس کے بعد اعمال مذکورہ کا پابند ہو جانا چاہئے ، پس ایسے ہی ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ میں سمجھ لیا جائے کہ آسمان کے بعد رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے ،

③ تیسری تاویل یہ ہے کہ لفظ خلق ایجاد و تکوین کے معنی میں نہیں ہے بلکہ مجازاً تقدیر اور قضا



کے معنی میں مستعمل ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارض و مافیہا کے پیدا کرنے کا فیصلہ فرمادیا کہ عنقریب ارض و مافیہا کو پیدا کر دیں گے ابھی پیدا نہیں فرمایا اس کے بعد آسمانوں کو پیدا کر دیا آسمانوں کے بعد ارض و مافیہا کو جن کے پیدا کرنے کا پہلے فیصلہ فرما چکے تھے پیدا کر دیا اس کو فرمایا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت شریفہ إِنَّ مَثَلِ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ میں خَلَقَ بِمَعْنَى قَدَّرَ وَقَضَىٰ مستعمل ہوا ہے یہاں اگر خلق کو ایجاد و تکوین کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کُنْ پس وہ پیدا ہو گئے اور ظاہر ہے کہ یہ مطلب درست نہیں ہے اس لئے کہ پیدا کر دینے کے بعد پھر کلمہ کُنْ سے خطاب کرنا بے سود و بے معنی ہے اس لئے یہاں خَلَقَ قَدَّرَ اور قَضَىٰ کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب بالکل درست ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا پھر کہا کُنْ پیدا ہو جاؤ پس وہ پیدا ہو گئے۔

(۲۷) چوتھی تاویل یہ ہے کہ خَلَقَ سے پہلے أَرَادَ محذوف ہے یعنی هو الذی اراد ان یخلق لکم ما فی الارض جمیعاً ، قل انکم لتکفرون بالذی اراد خلق الارض فی یومین جیسا کہ اِذَا قُتِلْتُمُ فِي الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ مِثْلَ مَا ارَدْتُمْ الصَّلَاةِ اور فَاِذَا قُرِئَتِ الْقُرْآنُ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ میں اِذَا ارادت القراءة مراد ہے اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آسمان سے قبل زمین کی تخلیق نہیں فرمائی بلکہ تخلیق کا ارادہ فرمایا کہ عنقریب ارض و مافیہا کو پیدا کریں گے پھر آسمانوں کو پیدا کر دینے کے بعد زمین کی تخلیق کے ارادہ کی تکمیل فرمادی یعنی ارض و مافیہا کو پیدا کر دیا جس کو آیت ثالثہ میں فرمایا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا فانذبح التعارض ، یہ تاویل تیسری تاویل کے قریب قریب ہی ہے ،

(۲۸) تعارض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ دونوں قسم کی آیتوں کو اپنے اصل اور ظاہر پر رکھتے ہوئے ایسی توجیہ کی جائے کہ تعارض دور ہو جائے سو وہ توجیہ یہ ہے کہ ہر جسم کا ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک صورت و شکل ہوتی ہے مادہ کے اعتبار سے تو خلق ارض مقدم ہے خلق سموات پر جیسا کہ پہلی دو آیتوں میں ہے اور

۱۱۶۳۷۸



صوت و شکل کے اعتبار سے تخلیق سماوات مقدم ہے تخلیق ارض پر جیسا کہ آیت نمبر ۳ میں ہے حاصل اس کا یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اولاً زمین کے مادہ کو پیدا کیا جو ایک گھڑل کی شکل میں تھا جیسا کہ حضرت حسنؑ سے مروی ہے اس کے بعد آسمان کا مادہ بنایا جو دضان کی شکل میں تھا جیسا کہ آیت نمبر ۲ میں مہر ح ہے ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ وَرَجَعِيَ دُخَانًا پھر آسمان کی موجودہ صورت بنائی اور اس کے ساتھ طبقات بنائے اس کے بعد زمین کے مادہ کو دراز کر کے اس کو موجودہ شکل و صورت عطا فرمادی اور اور اس کو بچھا کر اس کے اوپر جبال و اشجار و انہار وغیرہ پیدا فرمادے پس آیت نمبر ۱ و ۲ کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا پھر آسمان کا مادہ بنایا اور آیت نمبر ۳ کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے آسمان کی صورت بنائی پھر زمین کی صورت و شکل بنائی اس تو جیہ کے بعد ان آیات میں کوئی تعارض نہیں رہتا حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے اس تو جیہ کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے

سعید بن جبیر سے مروی ہے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے کچھ چیزیں قرآن میں متعارض نظر آتی ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بتلاؤ کونسی چیز تم کو متعارض معلوم ہوتی ہے اُس نے عرض کیا میں سنتا ہوں اللہ عزوجل فرماتے ہیں ( انکم لتکفرون بالذی خلق الارض میاں تک کہ اس نے آیت کو ظالمین تک پڑھا) اس آیت میں حق تعالیٰ نے آسمان کی تخلیق سے قبل زمین کی تخلیق کو بیان فرمایا پھر حق تعالیٰ نے دوسری آیت میں ارشاد فرمایا (ام السماء بناها اس کے بعد فرمایا

عن سعید بن جبیر قال جاء رجل الى ابن عباس فقال رأيت اشیاء تختلف علی فی القرآن قال مات ما اختلف علیک من ذلك فقال اسمع الله يقول ( انکم لتکفرون بالذی خلق الارض - حتی بلنم - ظالمین) فبدأ بخلق الارض فی هذه الآية قبل خلق السماء ثم قال سبحانه فی الآية الاخری (ام السماء بناها - ثم قال - والارض بعد ذلك دحها) فبدأ بخلق السماء قبل خلق الارض فقال ابن عباس اما خلق الارض

۱۲ گھڑل پتھر کا بنا ہوا ایک برتن ہوتا ہے جس میں اطباء دوا پیتے ہیں اور اس میں سُرْمہ بھی پس لیا جاتا ہے ۱۲



والارض بعد ذلک دحاها) اس میں حق تعالیٰ شانہ نے تخلیق ارض سے پہلے تخلیق سما کو بیان کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بہر حال خلق الارض فی یومین تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور آسمان ایک دھواں تھا تو زمین کو پیدا کرنے کے بعد (یعنی زمین کا مادہ اور اس کے بعد آسمان کا مادہ بشکل دھان پیدا کر نیکی بعد)

فی یومین فان الارض خلقت قبل السماء  
وكانت السماء دُخاناً فسواهن سبع سموات  
فی یومین بعد خلق الارض واما قوله  
تعالیٰ والارض بعد ذلک دحاها یقول  
جعل فیها جبلاً وجعل فیها نهراً وجعل  
فیها شجراً وجعل فیها بحوراً (رواه المحکم  
والبیہقی باسناد صحیح (روح المعانی ص ۲۴۱)

اس کو دو دن میں سات آسمان بنا دئے اور بہر حال حق تعالیٰ کا ارشاد والارض بعد ذلک دحاها اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں پہاڑ بنائے نہریں بنائیں درخت بنائے سمندر بنائے،

علامہ خفاجی اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اخراج منها ما رھا ومرعھا والجبال ارساھا یہ دحاھا سے بدل یا عطف بیان ہے جس سے دحاھا کی تفسیر اور اس سے مراد کو بیان کرنا مقصود ہے پس اس آیت میں زمین کو آسمان سے مؤخر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ زمین ذات کے اعتبار سے آسمان سے مؤخر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مانی الارض کے پیدا کرنے کے اعتبار سے زمین متاخر ہے زمین کی تکمیل گویا بعد میں ہوئی زمین میں مانی الارض کو پیدا کر کے اس قابل بنایا گیا کہ اس سے انتفاع اور تمتع کیا جائے ورنہ زمین کی نفس ذات کا وجود آسمان سے پہلے ہو چکا تھا لیکن اس پر اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ اس توجیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا بچھانا اور اس پر جبال و اشجار و انہار کا پیدا کرنا آسمان کے بعد ہوا اور آیت نمبر ۷ و ۸ اور روایت ابن عباسؓ جو صفحہ ۱۸ پر گزر چکی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جبال و اشجار اور انہار کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی آیت نمبر ۷ میں تو فرمایا خلق لکم مانی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء جس سے صاف ظاہر ہے کہ جمیع مانی الارض (جبال، اشجار و انہار وغیرہ) کی تخلیق آسمان سے قبل ہوئی اور ان سب چیزوں کی تخلیق زمین کے بچھانے بغیر نا ممکن ہے پس معلوم ہوا کہ زمین کا بچھانا بھی آسمان سے قبل ہوا اور آیت



نمبر ۱ میں ہے "خلق الارض فی یومین وجعل فیہا رواسی وبارک فیہا لئلا یسئلہا من بعد فرمایا تم استوی الی  
اسما روہی دغان اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق جبال وغیرہ تخلیق آسمان پر مقدم ہے اور روایت  
سابقہ میں ہے کہ پہاڑوں کو شنبہ کے دن درختوں اور نہروں کو چہار شنبہ کے روز اور آسمانوں کو  
پنج شنبہ کے دن پیدا فرمایا اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ خلق جبال وغیرہ مقدم ہے خلق سما پر پس  
یہ توجیہ مذکور آیات و روایت کے خلاف ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ آیات و روایت میں جمیع مافی الارض (جبال، اشجار و انہار) کے پیدا کرنے  
سے مراد ان کے اصول اور مادوں کو پیدا کرنا ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین کا مادہ پیدا کرنے کے بعد جمیع مافی  
الارض کے مادوں کو بھی پیدا کر دیا مگر ان کی تکمیل آسمان کی تخلیق کے بعد فرمائی اور جمیع مافی الارض کے  
صرف مادوں کی تخلیق زمین کے بچپائے بغیر بھی ممکن ہے لہذا زمین کا بچھانا آسمان سے قبل لازم نہیں  
آئے گا حاصل یہ نکلا کہ اولاً زمین کا مادہ پیدا کیا پھر مافی الارض (جبال، اشجار و انہار وغیرہ) کا مادہ  
بنایا اس کے بعد آسمان کا مادہ پیدا کیا پھر آسمان کی صورت بنائی اور سات آسمان بناوئے اس کے  
بعد زمین کی صورت بنائی اس کو بچھا کر اس پر جبال، اشجار و انہار کی صورتیں پیدا فرما کر زمین کی تکمیل  
کر دی اور اس کو قابل انتفاع بنا دیا اب تخلیق کی ترتیب یوں ہو گئی،

خلق اولاً مادة الارض ثم جعل مادة مافی الارض من الرواسی والاشجار و  
الانہار وغیرہا ثم خلق مادة السماء التي هي دغان ثم خلق صور السادات  
فبناها ورفع سمکها فسونها وبعد ذلك دحی الارض وبسطها ومدھا و  
خلق فیہا الجبال والانہار والاشجار وغیرہا،

فحصل التوفیق بین الآیات بل بین الروایات ایضاً وان دفع التعارض فالحمد لله  
على ذلك ( ہذا الاجوبۃ اللہ والتاویلات المذكورۃ تحتہا ماخوذة من تفسیر الخازن و التفسیر الکبیر  
وبیان القرآن وروح المعانی وغیرہا )

تعارض کا چوتھا جواب بعض محققین نے توجیہ مذکور کے برعکس صورت اختیار کر کے دی ہے



کہ مادہ کے اعتبار سے آسمان کی تخلیق مقدم ہے اور صورت کے اعتبار سے تخلیق ارض مقدم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاً آسمان کا مادہ بنایا پھر زمین کا مادہ پیدا کیا اس کے بعد زمین کی صورت و شکل بنائی پھر آسمان کی صورت بنائی (روح المعانی ۱۶)

## کفار کو جہنم سے کسی وقت نکالا جائیگا یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱  
۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰

**آیات ۱** وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ  
پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ بقرہ جلاہن ص ۸ (۲) بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ  
فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پارہ ۱ رکوع ۹ سورہ البقرہ جلاہن ص ۱۲  
(۳) وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِينَ مِنَ النَّارِ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ البقرہ جلاہن ص ۲۲ (۴) وَمَنْ  
يُرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فِيمَتٍ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ  
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ البقرہ جلاہن ص ۳۲ (۵) وَالَّذِينَ  
كَفَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ  
فِيهَا خَالِدُونَ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ البقرہ جلاہن ص ۴۰ (۶) وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ البقرہ جلاہن ص ۴۳ (۷) إِنَّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ — اِنِّي قَوْلُهُ — وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پارہ ۱ رکوع ۱  
سورہ آل عمران جلاہن ص ۵۸ (۸) وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ حُدُودَهُ يَدْخُلْهُ  
نَارًا خَالِدًا فِيهَا پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ النساء جلاہن ص ۶۲ (۹) يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ  
مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ المائدہ جلاہن ص ۹۹

۱۵ یہ بظاہر تو چار جوابات ہوئے لیکن جواب اول کے تحت دو تا دہیں اور جواب ثانی کے تحت چار تا دہلیات جو ذکر کی گئی ہیں اگر ان کو مستقل جوابات شمار کئے جائیں تو پہلے دو جواب چھوٹے جاتے ہیں اور کل ملا کر آٹھ جوابات ہو جائیں گے کما لایقنی ۱۲



١٠ لَيْسَ مَا قَدَّمْتَ لَهُمُ الْقِسْمُ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ

پاره ٤ رکوع ١٥ سورة المائدة جلاين ١٠٥ (١١) وَالَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا

عَنْهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پاره ٥ رکوع ١١ سورة الاعراف جلاين

١٣٢ (١٢) أَلَمْ يَلْمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا پاره ٤

رکوع ١٣ سورة التوبة جلاين ١٦٢ (١٣) وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارِنَارَ

جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا پاره ٤ رکوع ١٥ سورة التوبة جلاين ١٦٢ (١٤) وَالَّذِينَ كَسَبُوا

السَّيِّئَاتِ - ابقوله - أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پاره ٤ رکوع ٥ سورة

يونس جلاين ١٤٣ (١٥) فَأَدْخَلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَيْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ

پاره ١٢ رکوع ١٤ سورة النحل جلاين ٢١٨ (١٦) لَوْ كَانَ هُوَ اللَّهُ مَارِدًا وَهَذَا وَكُلُّ فِيهَا

خَالِدُونَ پاره ٤ رکوع ٤ سورة الانبياء جلاين ٢٤٤ (١٧) إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ وَأَعَدَّ

لَهُمْ سَعِيرًا خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا پاره ٢٢ رکوع ٥ سورة الاحزاب جلاين ٣٥٨ (١٨) قِيلَ

أَدْخَلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَيْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ پاره ٢٢ رکوع ٥ سورة الزمر

جلاين ٣٩٠ (١٩) أَدْخَلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَيْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ پاره ٢٢

رکوع ١٣ سورة المؤمن (غافر) جلاين ٣٩٤ (٢٠) ذَلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارٌ

الْخَالِدِينَ پاره ٢٢ رکوع ١٨ سورة حم سجدة جلاين ٣٩٩ (٢١) لَنْ نَغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا

أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پاره ٢٨ رکوع ٣ سورة المجادلة

جلاين ٢٥٣ (٢٢) فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا پاره ٢٨ رکوع ٥ سورة الحشر

جلاين ٢٥٦ (٢٣) وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَ

يُسَّ الْمُصِيرُ پاره ٢٨ رکوع ١٥ سورة التغابن جلاين ٢٦٢ (٢٤) وَفَن لَّعِنَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ

فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا پاره ٢٩ رکوع ١٣ سورة الجن جلاين ٢٤٤ (٢٥) إِنَّ

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ



البرية پارہ ۳ رکوع ۲۳ سورہ البینۃ جلائین ص ۵۰۲ ● (۲۶) ثُمَّ اِنْ مَرَجَعَهُمْ

لِاِلٰى الْجَحِيْمِ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورہ الصّٰفٰت جلائین ص ۲۶۶

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ان کو جہنم سے نکالا نہیں جائیگا چنانچہ ان میں سے اکثر آیات میں تو خود کی تصریح ہے اور آیت نمبر ۳ و ۹ میں وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ يَرْيَدُوْنَ اَنْ يُخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا کہ کفار جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ نکل نہیں پائیں گے اور اخیر کی آیت نمبر ۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو مارجم پلانے کیلئے جہنم سے باہر نکالا جائے گا پھر جہنم میں لوٹا دیا جائیگا کیونکہ اس آیت سے اوپر کی آیات میں شجرہ زقوم کا ذکر کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَاَنْهَمُ لَا يَكُوْنُ مِنْهَا فَاكُوْنَ مِنْهَا الْبٰطُوْنَ ثُمَّ اَنْ لَهُمْ عَلَيْهَا شَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ کہ یہ لوگ شجرہ زقوم سے کھاویں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر ان کو اس پر کھولتا ہوا گرم پانی (پیپ اور راد میں) بلا کر دیا جائیگا اس کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ اِنْ مَرَجَعَهُمْ لِاِلٰى الْجَحِيْمِ پھر انکو جہنم کی طرف لوٹنا ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ مارجم پلانے کیلئے ان کو جہنم سے نکالا جائے گا پھر جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا پس یہ آیت پہلی پچیس آیات کے بظاہر معارض ہے ،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① مارجم پلانے کیلئے ان کو جہنم سے بالکل نہیں نکالا جائیگا بلکہ جہنم تو چونکہ ایک وسیع و عریض جگہ ہے اس میں اہل جہنم کیلئے مختلف درکات و طبقات ہیں ہر شخص اپنے اپنے مستقر اور ٹھکانے پر ہوگا ان کو ان کے مستقر سے نکال کر جہنم کے اندر ہی اندر گویا دوسری جگہ لیجا یا جائے گا جہاں مارجم کا انتظام ہوگا ، وہاں سے مارجم پی کر وہ پھر اپنے مستقر کی طرف لوٹ جائیں گے پس مارجم جہنم سے باہر نہیں ہے اور اور اس کو پینے کیلئے جہنم سے نکلنا لازم نہیں آتا اور رجوع الی الجحیم سے مراد رجوع الی درکات الجحیم و مستقراتہم ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے جمہور حضرات اسی کے قائل ہیں (روح المعانی و جل)

② بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مارجم جہنم سے باہر ہے مگر یہ مارجم کا پلا یا جانا جہنم میں داخلہ سے



پہلے ہوگا ان کو ابتداء میں ہی شجرہ زقوم کھلا کر اور اس پر مارحیم پلا کر پھر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا اس کے بعد وہ کبھی جہنم سے نہیں نکلیں گے ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے لہذا کوئی تعارض نہیں مگر یہ توجیہ خلاف ظاہر ہے (روح المعانی)

## آخرت میں کسی شخص کو کسی نفع پہنچے گا یا نہیں؟

پارا نمبر ۱، ۱۳، ۲۱، ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۱

- آیات ۱) وَالْتَقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا الآية پارہ ۱ رکوع ۷ سورہ بقرہ جلاین ۹ ۲) وَالْتَقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا الآية پارہ ۱ رکوع ۱۵ سورہ بقرہ جلاین ۱۸ ۳) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارِعٌ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا پارہ ۲۱ رکوع ۱۳ سورہ لقمان جلاین ۳۲۸ ۴) يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ پارہ ۲۵ رکوع ۱۵ سورہ دخان جلاین ۲۱۲ ۵) لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى پارہ ۲۷ رکوع ۷ سورہ النجم جلاین ۲۳۹ ۶) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ پارہ ۳ رکوع ۷ سورہ الانفطار جلاین ۲۹۳ ۷) جَنَّتْ عَذْرَاءٌ يَدٌ خُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ پارہ ۹ رکوع ۹ سورہ الرعد جلاین ۲۰۳ ۸) رَبَّنَا وَإِذْ خَلَقْنَا جَنَّتْ عَذْرَاءٌ لَتَى وَعَدَّتْهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ پارہ ۲۲ رکوع ۷ سورہ غافر (المؤمن) جلاین ۳۹۱ ۹) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ پارہ ۲۷ رکوع ۳ سورہ طور جلاین ۲۳۵

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ تا ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آئے گا کسی کو کسی سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا نہ باپ سے بیٹے کو کوئی نفع پہنچے گا نہ بیٹے سے باپ کو آیت نمبر ۲ میں ہے کہ کوئی دوست کسی دوست کو نفع نہیں پہنچائے گا آیت نمبر ۳ سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ انسان کے اسی کی سعی کام آئے گی کسی دوسرے کی سعی اور عمل سے انسان کو نفع نہیں پہنچے گا اسی طرح آیت نمبر ۱ میں ہے کہ اس دن کوئی نفس کسی نفس کیلئے نفع کا مالک



نہیں ہوگا، غرض کہ ان پانچوں آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز کوئی کسی کے کام نہ آئے گا کسی سے کسی کو نفع نہیں پہنچے گا اور آیت نمبر ۷ و ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت میں سے جو لوگ درجاتِ عالیہ پر فائز ہوں گے ان سے ان کے خاندان کے افراد مثلاً آباء و اجداد ازواج و ذریات کو نفع پہنچے گا کیونکہ آیت نمبر ۷ و ۸ میں ارشاد ہے کہ حضراتِ مؤمنین صحابین کا ملین کیلئے جنت کے درجاتِ عالیہ ہیں جن میں ان حضرات کے ساتھ ساتھ ان کے آباء و اجداد ازواج و ذریات میں سے جو مؤمن ہوں گے وہ بھی انہیں درجاتِ عالیہ میں داخل ہوں گے اگرچہ ان لوگوں کے اعمال اس درجہ کے نہیں ہوں گے کہ درجاتِ عالیہ کے مستحق ہوتے مگر حضراتِ کاملین کے اعزاز و اکرام اور تعظیم شان کی خاطر ان کے آباء و اجداد ازواج و ذریات کو بھی ان کے درجات پر پہنچا دیا جائے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور ان کے سرور و عیش میں اضافہ ہو چنانچہ روایت میں اس آیت کی تفسیر یہی وارد ہوئی ہے،

ابن جبیر سے مروی ہے کہ آدمی جنت میں داخل ہوگا تو کہے گا، میری ماں کہاں ہے میرا بیٹا کہاں ہے میری بیوی کہاں ہے اس سے کہا جائیگا کہ ان لوگوں نے تجھ جیسے اعمال نہیں کئے تھے وہ کہے گا میں نے جو اعمال کئے تھے وہ اپنے لئے بھی کئے تھے اور ان کے

عن ابن جبیر قال یدخل الرجل الجنة فيقول  
این اُمّی این ولدی این زوجتی فیقال  
لم یعبدا مثل عملک یقول کنت اعمَل  
لی ولهم ثم قرأ الآية (رواه ابن ابی حاتم  
وابو الشیخ) روح المعانی ۱۲۳

لے بھی پھر حضرت ابن جبیر نے یہ آیت پڑھی (جنت عدن یدخلونها ومن صلح الآية)

اور آیت نمبر ۹ میں تو صاف تصریح ہے اَلْحَقُّنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کہ ان کی ذریت کو ہم انہیں کے ساتھ لائق کر دیں گے ان کے درجات پر پہنچا دیں گے اس آیت کی تفسیر بھی روایات میں یہی وارد ہوئی ہے،

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مؤمن کی ذریت کو اسی کیساتھ اس کے درجہ میں پہنچا دیں گے اگرچہ عمل کے اعتبار سے وہ اس

عن ابن عباس قال ان الله لیرفع ذرّیة المؤمن معه فی درجته فی الجنة وان كانوا دونہ فی العمل لیقرّبہ عینہ ثم قرأ



سے ادنیٰ ہوں گے تاکہ ان کی وجہ سے ان کی آنکھیں

ٹھنڈی ہو جائیں پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت۔

اور مرفوع روایت ہے،

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی جنت میں داخل

ہوگا تو اپنے والدین اور بیوی بچوں کے بارے میں

سوال کرے گا (کہ وہ کہاں ہیں) تو اس سے کہا جائے

گا کہ وہ لوگ تیرے درجہ اور تیرے عمل کو نہیں پہنچے

(یعنی انہوں نے تجھ جیسے اعمال نہیں کئے کہ تیرے

درجہ پر ان کو پہنچایا جاتا وہ درجاتِ سفلیٰ میں موجود ہیں) وہ شخص کہے گا یا رب میں نے اپنے لئے بھی اعمال کئے

تھے اور ان کے لئے بھی تو ان کو اسی کے ساتھ لاحق کر دینے کا حکم کر دیا جائے گا (کہ اس کے والدین اور بیوی

بچوں کو بھی اس کے درجاتِ عالیہ میں پہنچا دیا جائے)

الایة اخبر سعید بن منصور وصاروا بن جریر و

ابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی فی سننہ (روح المعانی)

(والذین آمنوا واتبعتم ذریعتہم بایمان الحقناہم ذریعتہم)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم قال اذا دخل الرجل الجنة

سأل عن ابویہ وزوجتہ وولدہ فیقال لہ

انہم لم یبلغوا درجتک وعملتک فیقول

یا رب قد عملت لی ولہم فیؤمر بالحقنہم

بہ (رواہ ابن مردویہ والطبرانی) روح المعانی ۲/۲۲۰

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ظاہرِ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الحاق سے مراد یہ نہیں ہے

کہ کبھی کبھی زیارت وغیرہ کیلئے ان لوگوں کو اس شخص کے درجاتِ عالیہ پر لیجا یا جائے گا بلکہ مستقل

سکونت عطا کر دینا مراد ہے بہر حال ان تینوں آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک انسان کو دوسرے

انسان سے نفع پہنچے گا اور پہلی چھ آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور

کسی کو کسی سے نفع نہیں پہنچے گا پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیت ۱۰۱ لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ

شَیْئًا میں نفسِ اولیٰ سے مراد مؤمن اور نفسِ ثانیہ سے مراد کافر ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی مؤمن

کسی کافر کو نفع نہیں پہنچائے گا یعنی اگر کسی مؤمن کا کوئی رشتہ دار یا دوست کافر ہوگا تو اس کافر

کو اس مؤمن کے اعزاز و اکرام میں بخشا نہیں جائے گا اسی طرح آیت نمبر ۱۰۲ لَا یَجْزِي وَالِدٌ



عَنْ وَالدَةِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا كَمَا مَطْلَبٌ يَهَى كَمَا لَا يَجْزِي وَالِدُ  
 مُؤْمِنٍ عَنْ وَالدَةِ الْكَافِرِ وَلَا مَوْلُودٌ مَوْمِنٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ الْكَافِرِ كَمَا كَوْنِي مُؤْمِنٌ  
 بَآبِ أَيْ بَيْتِ كَافِرٍ كَوْنِي مُؤْمِنٌ يَبْتَاطِئُ كَافِرٍ بَآبِ كَمَا كَامِ نَهْ آتَى هِي آيَتِ نَمْبَرِ ۱۲  
 كَمَا مَطْلَبٌ يَهَى لَا يُغْنِي مَوْلَى مُؤْمِنٌ عَنْ مَوْلَى كَافِرٍ شَيْئًا اِسى طَرَحِ آيَتِ نَمْبَرِ ۱۵ مِى سَمِى سِى  
 مَرَادِ سَمِى اِيْمَانِي هِى لَعْنِي هِر اِنْسَانِ كُو اِيْمَانِ سِى نَانْدَه هُوْكَ دُوْكَرِ كَا اِيْمَانِ كَا رَا اِنْدَه اِيْمَانِ هُوْكَ اِ  
 پِسِ كِسِي مُؤْمِنِ كِ اِيْمَانِ سِى كَافِرِ كُو نَفْعٌ نَهْ سِنِجِيْ كَا اِسى طَرَحِ آيَتِ نَمْبَرِ ۱۶ مِى نَفْسِ ثَانِيَهْ سِى مَرَادِ نَفْسِ  
 كَافِرِهْ هِى جِيسَا كَ حَفْرَتِ مَقَاتِلِ سِى مَرُوِي هِى كَه كَوْنِي شَخْصِ كِسِي كَافِرِ كَيْلِيْ كِسِي نَفْعِ كَا مَالِكِ نَهْ اِيْمَانِ هُوْكَ اِ  
 اُوْر اَخِيْرِ كِي تِيْنِ آيَتُوْنِ مِى جُو اِيَكِ شَخْصِ كَا دُوْكَرِ كَيْلِيْ نَافِعِ هُوْنَا مَدْ كُوْر هِى دِهْ مُؤْمِنِيْنِ كِ بَايْ مِى هِى  
 كَه اِيَكِ مُؤْمِنِ سِى دُوْسَرِ مُؤْمِنِ كُو نَفْعِ پَهِنِجِيْ كَا كِيُوْنِ كَه جَنَّتِ كَا مَسْتَحِقُّ تُو صَاحِبِ اِيْمَانِ هِي هُوْتَا هِى اِلْتِهْ  
 اِيَكِ شَخْصِ اِيْمَانِ مَعْلُ صَالِحِ اُوْر تَقْوَى وَطَهَارَتِ كِي دَجْهْ سِى اِيْمَانِ اِيْمَانِ اَقَارِبِ كَيْلِيْ تَرْتِيْ دَرَجَاتِ كَا سَبَبِ  
 بِنِ جَايْ كَا اِىْتِ نَمْبَرِ ۱۷ مِى وَ مَن صَدَقَ مِنْ اَبْنَاءِ هِمَّ كَهَا كِي هِى مَن صَدَقَ كِي تَفْسِيْرِ  
 حَفْرَتِ اِبْنِ جَبْرِ نِ مَن اَمَّنْ كِ سَا تَهْ كِي هِى هِي تَفْسِيْرِ حَفْرَتِ مَجَابِدِ اُوْر حَفْرَتِ اِبْنِ عَبَّاسِ مَرُوِي هِى اُوْر  
 اِىْتِ نَمْبَرِ ۱۹ مِى وَ اَتَّبَعْتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِاِيْمَانٍ مِى اِيْمَانِ كِي تَقِيْدِ مَصْرَحِ هِى خَلَا صِهْ يَهْ اُوْر اَكْ مَوْمِنِ مَوْمِنِ كُو تُو  
 نَفْعِ سِنِجِيْ كَا مَكْرُ كَافِرِ كُو مُؤْمِنِ سِى كَوْنِي نَفْعِ نَهْ اِيْمَانِ سِنِجِيْ كَا فَلَ اِنْفَارِضِ (رَرِحِ الْمَعَانِيْ، مَنظُورِيْ، جَمَلِ)

## قیامت کے دن کسی کی شفاعت قبول ہوگی یا نہیں؟

پارا ۱، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶

آیات ۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ پارہ ۱  
 رکوع ۶ سورہ البقرہ جلاين ۱۹) وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُ شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ پارہ ۱  
 رکوع ۱۵ سورہ البقرہ جلاين ۱۸) لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ  
 عَهْدًا پارہ ۱۶ رکوع ۹ سورہ مريم جلاين ۲۶) وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى  
 وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۱ سورہ انبياء جلاين ۲۱) وَلَا تَنْفَعُ



الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ بَارِعًا ۚ رُكُوعًا ۙ سُوْرَةُ سَبَاءٍ جَلالین ص ۳۶۱ (۶) وَلَا يَمْلِكُ  
 الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۚ بَارِعًا ۚ رُكُوعًا ۙ  
 سُوْرَةُ الزُّخْرَفِ جَلالین ص ۴۱۷ (۷) وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا  
 مَنْ بَعْدَ أَنْ يَأْذِنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُرِضِي ۚ بَارِعًا ۚ رُكُوعًا ۙ سُوْرَةُ النُّجُومِ جَلالین ص ۴۳۸

**تشریح لغراض** | آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کی طرف سے کوئی شفاعت کسی کے  
 حق میں قبول نہیں کی جائے گی اور کسی کی شفاعت سے کسی کو نفع نہیں پہنچے گا معتزلہ اسی کے قائل ہیں  
 وہ شفاعت بمعنی رفع عذاب کا انکار کرتے ہیں اور اخیر کی پانچ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ  
 ایسے ہوں گے جن کو حق تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیدیں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے  
 گی جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے چنانچہ تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ لوگ شفاعت کے  
 مالک نہیں ہوں گے مگر وہ شخص جو اللہ سے اجازت حاصل کرے گا عہد کی ایک تفسیر اذن (اجازت) کے  
 ساتھ بھی منقول ہے حضرت تھانوی نے بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب اللہ سے  
 اجازت لیکر آدمی شفاعت کرے گا تو اس کی شفاعت کو حق تعالیٰ قبول بھی فرمائیں گے کیونکہ اجازت  
 دینا قبول کرنے ہی کیلئے ہوگا ورنہ اجازت دینے سے کیا فائدہ؟ نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کی  
 شفاعت قبول فرمائیں گے اسی طرح آیت نمبر ۴ میں ارشاد ہے کہ ملائکہ نہیں شفاعت کریں گے مگر  
 اس شخص کی جس کی شفاعت کئے جانے سے حق تعالیٰ راضی ہوں گے اور جس کی شفاعت کئے جانے  
 سے حق تعالیٰ راضی ہوں اس کے حق میں شفاعت قبول بھی ہوگی کیونکہ رضامندی قبولیت کی علامت ہے  
 بہر حال اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ کی شفاعت ان لوگوں کے حق میں قبول ہوگی رہی آیت نمبر ۵  
 سو اس میں تو صاف تصریح ہے کہ نفع نہیں دے گی شفاعت مگر اس شخص کو جس کیلئے اللہ شفاعت کی  
 اجازت دیدیں گے اور شفاعت کا نافع ہونا قبولیت پر موقوف ہے معلوم ہوا کہ شفاعت قبول کی جائے  
 گی اسی طرح آیت نمبر ۶ میں اَلَّذِينَ شَهِدُوا بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کی گواہی  
 دینے والے اہل علم حضرات شفاعت کرنے کے مالک ہوں گے اور مالک شفاعت ہونے کا حاصل یہی نکلتا



ہے کہ ان کی شفاعت مقبول و نافع ہوگی اور آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ جن کیلئے حق تعالیٰ شفاعت کی اجازت دیدیں گے اور ان سے راضی ہو جائیں گے ان کے حق میں ملائکہ کی شفاعت نافع ہوگی، خلاصہ یہ ہوا کہ اخیر کی پانچ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے حق میں انسانوں اور فرشتوں کی شفاعت قبول ہوگی اور آیت ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی کوئی شفاعت قبول نہیں ہوگی پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① اختلاف اشخاص پر محمول ہے آیت ۲۱ کفار کے حق میں ہیں کہ کوئی مومن اگر کسی کافر کی شفاعت کرنا چاہے گا تو اس کی شفاعت قبول نہیں ہوگی اور آیت کا مطلب ہے لا تقبل من النفس المؤمنة شفاعتہ فی حق الکافرة اور اخیر کی پانچ آیات مؤمنین کے حق میں ہیں کہ حضرات انبیاء، ملائکہ اور مومنین صالحین، گنہگار مومنین کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی اور اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا (صاوی، مدارک وغیرہ)

② اختلاف زمان پر محمول ہے یعنی بعض اوقات میں تو کسی کی کوئی شفاعت قبول نہیں ہوگی اور یہ وہ وقت ہوگا جب تک کہ شفاعت کی اجازت نہیں ملی ہوگی اور دوسرے بعض اوقات میں جبکہ حق تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے گی شفاعت قبول کی جائے گی پس آیت ۲۱ قبل الاذن پر اور آیات اخیرہ بعد الاذن پر محمول ہیں اور تمام آیات مومنین کے ساتھ مخصوص ہیں اس لئے کہ کفار کیلئے تو شفاعت کسی وقت بھی نافع نہیں ہوگی اجازت جو ملے گی یہ صرف مومنین کے حق میں ملے گی، بہر حال اختلاف زمان کے بعد تعارض نہیں رہتا، (روح المعانی)

**قیامت کے روز کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنا ہوا ہوگا یا نہیں؟**

پارا ۱۹ نمبر ۱ و ۱۹، ۲۲، ۲۹

آیات ① وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ۗ الْآیۃ پارہ ۱ رکوع ۶ سورہ بقرہ جلاین ص ۱ ② وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةُ ۗ الْآیۃ پارہ ۱ رکوع ۱۵



سورۃ البقرۃ جلا میں ۱۸۰ (۳) مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ پارہ ۲۲ رکوع ۷

سورۃ المؤمن (غافر) جلا میں ۳۹۲ (۴) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ پارہ ۲۹ رکوع ۱۶

سورۃ المدثر جلا میں ۲۸۱ (۵) ﴿۵﴾ فَمَا لَنَا مِنَ شَافِعِينَ پارہ ۱۹ رکوع ۹ سورۃ الشعراء جلا میں ۳۱۳

**تشریح تعارض** پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے شفاعت کرنے والے تو

ہوں گے مگر ان کی شفاعت مقبول اور نافع نہیں ہوگی کیونکہ آیت نمبر ۱ و ۲ میں حرفِ نفی مطلق

شفاعت پر داخل نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا لَيْسَتْ لَهُمْ شَفَاعَةٌ کہ کفار کیلئے بالکل شفاعت

ہی نہیں ہوگی بلکہ حرفِ نفی شفاعت مقیدہ بالقبولیت و النفع پر داخل ہے شفاعت مقیدہ اور قبولیت

ونفع قید ہے اور قاعدہ ہے کہ جب نفی مقیدہ بالقید پر داخل ہو تو نفی صرف قید کی ہوتی ہے مقیدہ کی

نہیں ہوتی مقیدہ ثابت رہتا ہے جیسے کہا جائے لیس عنذی ثوبٌ ابیض اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ

میرے پاس کپڑا تو ہے مگر سفید کپڑا نہیں ہے نفی ابیض کی ہے جو کہ ثوب کیلئے قید ہے ایسے ہی یہاں

پر نفی قبولیت و نفع کی ہوگی، نہ کہ مطلق شفاعت کی جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ کفار کیلئے شفاعت تو

ہوگی مگر مقبول و نافع نہیں ہوگی اسی طرح تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ ظالمین کیلئے کوئی عنخوار دوست

اور ایسا کوئی شفیع نہیں ہوگا جس کی بات مانی جائے یعنی اس کی شفاعت مقبول کی جائے اس کا مطلب

بھی قاعدہ مذکورہ کے مطابق یہی ہوگا کہ ظالمین کیلئے شفیع تو ہوگا مگر اس کی شفاعت مانی نہیں جائے گی،

ایسے ہی آیت نمبر ۱ میں ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کفار کو نفع نہیں دیگی اس سے بھی

معلوم ہوتا ہے کہ شافعیین تو ہوں گے مگر ان کی شفاعت کفار کیلئے نافع نہیں ہوگی بہر حال چاروں آیات

سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے شافعیین تو ہوں گے مگر ان کی شفاعت مقبول و نافع نہیں ہوگی اور

آیت نمبر ۵ میں کفار کا مقولہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہے اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا پس یہ آیت پہلی چار آیات کے بظاہر معارض

**دفع تعارض** اس تعارض کے دو جواب ہیں

① بسا اوقات نفی قید اور مقید دونوں کی مقصور ہوتی ہے جیسے خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا



میں عمدتاً ترونها قید ہے اور اس آیت کی تفسیر میں جہاں اور دیگر احتمالات ہیں وہاں ایک احتمال صاحب روح المعانی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ موصوف و صفت دونوں کی نفی مقصود ہے کہ آسمانوں کیلئے ستون ہی نہیں ہیں اسی لئے وہ نظر بھی نہیں آتے صرف قید کی نفی مقصود نہیں ہے کہ ستون تو ہیں مگر نظر نہیں آتے اس لئے کہ آسمانوں کیلئے ستونوں کا ہونا ہی حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ پر زیادہ دلالت کر نیوالی چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اتنے طویل و عریض اور عظیم و ثقیل آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کر دیا ہے پس اسی طرح پہلی چار آیات میں قید اور مقید دونوں کی نفی مقصود ہے یعنی کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا اور چونکہ قبولیت و نفع شفاعت پر مرتب ہے جب شفاعت نہیں تو قبولیت اور نفع کا کوئی سوال ہی نہیں پس ان تمام آیات کا مفہوم متحد ہو گیا کہ کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا فاندفع التعارض (جمل وغیرہ) واقعہ یہی ہے کہ کفار کیلئے کوئی شفاعت کر نیوالا نہیں ہوگا جیسا کہ آیت نمبر ۵ میں کہا گیا ہے اور پہلی چار آیات میں علی سبیل الفرض کلام کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض کفار کیلئے کوئی شفاعت کرنے لگے تو اس کی شفاعت مقبول اور نافع نہیں ہوگی بلکہ اگر سارے انسان و جنات مل کر بھی کسی کافر کی شفاعت کرنے لگیں تب بھی قبول نہیں ہوگی پس پہلی چار آیات میں کلام علی سبیل الفرض اور آیت نمبر ۵ میں علی سبیل الواقع کیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

## حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر کتنے دن کیلئے بلایا گیا تھا؟

پارا نمبر ۱ و ۹

آیات ۱) وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۖ الْآيَةُ ۖ پارہ ۱ رکوع ۱ سورہ البقرہ جلا ۹ ص ۲) وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً ۖ فَاتَّمَنَّا هَا بِعَشْرِفَتِّمْ مِيقَاتُ رَبِّهِ ۖ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۖ پارہ ۹ رکوع ۱ سورہ الاعراف جلا ۱۴ ص

تشریح تعارض | آیت اولیٰ میں تو فرمایا کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا کہ آپ کوہ طور پر چالیس دن کیلئے تشریف لے آئیے ہم آپ کو تورات عطا فرمائیں گے اور



دوسری آیت میں ہے کہ تیس راتوں کا وعدہ کیا پھر دس راتوں کا مزید اضافہ کر کے چالیس راتیں مکمل فرمادیں پس دونوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے کوئی تعارض نہیں ہے اصل وعدہ تیس راتوں کا تھا کہ آپ کوہ طور پر تشریف لائیں اور ایک مہینہ عبادت میں گذاریں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ماہ حق تعالیٰ کی عبادت میں گزارا اور مسلسل روزے رکھے درمیان میں افطار نہیں کیا جس کو صوم وصال کہتے ہیں تیسویں دن افطار کر یا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے افطار کر کے حالت صوم کی اس رات کو دور کر دیا جو ہم کو مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے آپ دس روزے اور رکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس روزے مزید رکھے اس طرح کل ملا کر چالیس دن ہو گئے یہ اربعین کی تفصیل ہوئی جس کو آیت ثانیہ میں ذکر کیا گیا ہے اسی کو آیت اولیٰ میں دونوں عدووں کو جمع کر کے اجمالاً حاصل اور نتیجہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا **وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً** اور کسی چیز کو اجمال کے بعد تفصیلاً ذکر کرنے یا تفصیل کے بعد اجمالاً ذکر کرنے میں کوئی تعارض نہیں (جمل، خازن، مدارک، بیان القرآن)

### مترکب کبیرہ مخلد فی النار ہے یا نہیں؟

پارا ۱ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳

- آیات** ① بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهَا خَطِيئَتُهُ فَاُولَٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ پارہ ۱ رکوع ۹ سورہ البقرہ جلا میں ص ۱۳ ② وَمَنْ لَّيَّسَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
- وَيَعِدُّ حُدُودَهُ يَدْخُلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا پارہ ۲ رکوع ۱۳ سورہ نساء جلا میں ص ۶
- ③ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ نساء جلا میں ص ۱۲ ④ وَمَنْ لَّيَّسَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا اَبَدًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۲ سورہ الجن جلا میں ص ۲۷ ⑤ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورہ التوبہ جلا میں ص ۱۶ ⑥ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ



ذَرَّةٌ خَيْرًا يَوْمَهُ پارہ ۳ رکوع ۱۲ سورہ الزلزال جلاسن ۵۰۵

**تشریح تعارض** | پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مؤمن ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنا اس کے حدود سے تجاوز کرنا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرنا یہ سب معاصی کبیرہ ہیں اور ان کے مرتکب کو ان آیات میں مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ بتایا گیا ہے اور آیت ۵ و ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ایمان جنت میں ضرور داخل ہوگا اگرچہ وہ فاسق و فاجر کیوں نہ ہو حق تعالیٰ اس کے گناہوں کی سزا دینا چاہیں گے تو ایک عرصہ تک جہنم میں سزا دیکر پھر اس کے ایمان کی وجہ سے اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیں گے کیونکہ آیت ۵ میں ہے

کہ حق تعالیٰ ایمان والوں سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے اور آیت نمبر ۶ میں ہے جو ذرہ برابر عمل خیر کرے گا اس کا ثواب دیکھے گا اور نفس ایمان عمل خیر ہے اگرچہ پوری زندگی معاصی میں گزری ہو مگر نفس ایمان اس کے پاس موجود ہونے کی وجہ سے کبھی نہ کبھی اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا اور ایمان کی جزا اس کو ملے گی ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن اگر مرتکب کبیرہ ہو وہ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ نہیں ہے بلکہ جنت میں ضرور جائے گا اور آیت ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں ،

① حقیقت تو وہی ہے جو آیت نمبر ۵ و ۶ میں ہے کہ صاحب ایمان جنت میں ضرور داخل ہوگا اگرچہ وہ مرتکب کبیرہ ہو روایت صحیحہ میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی ہے ،

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے پس آپ نے یہ ارشاد فرمایا جو بندہ لا الہ الا اللہ

عن ابی ذر رضی قال ایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض دھونائم ثم ایتہ وقد استیقظ فقال ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذلک الا

۱۲ معترکہ کا یہی مسلک ہے اور یہ آیات ان کا استدلال ہے ۱۲ لے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے ۱۲



دخل الجنة قلت وان زنى وان سرق  
قال وان زنى وان سرق قلت وان زنى  
وان سرق قال وان زنى وان سرق قلت  
وان زنى وان سرق قال وان زنى وان  
سرق ثم في الرابعة على رعد الفجاءة  
(رواه البخاری و مسلم)۔ النبراس شرح شرح العقائد

پڑھے پھر اسی کلمہ پر مجائے وہ جنت میں ضرور داخل  
ہوگا میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے  
اپنے ارشاد فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے  
میں نے پھر کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے اپنے  
نے فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے میں نے  
پھر (تعجب سے) پوچھا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے

آپ نے فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے پھر جو تھی مرتبہ آپ نے فرمایا ابو ذر کی ناک خاک آلود ہونے کے  
باوجود یعنی ابو ذر کو کتنا ہی ناگوار محسوس ہو رہا ہو مگر وہ شخص جنت میں ضرور جائے گا،

رہی وہ آیات جن سے مرکب کبیرہ کا مُخَلَّد فی النار ہونا معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے ظاہر پر محمول  
نہیں ہیں بلکہ ان میں تاویل کی جائے گی تاکہ آیات میں تطبیق ہو جائے،

پہلی آیت بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهَا حَبِيطَةُ النَّارِ فِي دُورَاتِهَا لَيْسَ فِيهَا

① سَيِّئَةٌ سے مراد گناہ کبیرہ نہیں بلکہ شرک مراد ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مجاہد سے  
اس آیت میں سَيِّئَةٌ کی تفسیر شرک کے ساتھ منقول ہے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ  
سے ابن جریر نے حضرت ابو بکرؓ، مجاہد، قتادہ، عطاء اور ربیع سے سَيِّئَةٌ اور حَبِيطَةُ کی تفسیر کفر کے  
ساتھ نقل کی ہے پس یہ آیت کافر کے حق میں ہوئی اور کافر مُخَلَّد فی النار ہوتا ہے اس تفسیر  
کے بعد اس آیت سے مرکب کبیرہ کا مُخَلَّد فی النار ہونا لازم نہیں آیا پس یہ آیت اخیر کی دو آیتوں  
کے معارض نہیں رہی (روح المعانی، مدارک، خازن وغیرہ)

② دوسری تاویل یہ ہے کہ اس میں أَحَاطَتْ بِهَا حَبِيطَةُ فرمایا گیا ہے کہ اس کی خطائیں ہر جانب  
سے اس کا احاطہ کر لیں یعنی اس کے ظاہر و باطن پر خطاؤں کا غلبہ ہو جائے کوئی خیر اس کے اندر  
باقی نہ رہے حتیٰ کہ اس کے قلب میں تصدیق اور زبان پر اقرار بھی باقی نہ رہے اور ظاہر ہے کہ  
ایسا شخص کافر ہوتا ہے پس اس تاویل کی بنا پر بھی یہ آیت کافر کے حق میں ہوئی اور کافر



مُخَلَّدِي النَّارِ هُوَ (النبراس)

دوسری آیت وَمَنْ يَحْصِ اللَّهُ رَسُولًا وَيَعِدُّ الْآيَةَ فِي سَبْعِينَ نَجْمًا مِثْلَ الْوَيْلِ فِي سَبْعِينَ نَجْمًا،  
 ① وَيَعِدُّ حُدُودًا مِنْ مَرَادٍ وَيَعِدُّ جَمِيعَ حُدُودِهِ هِيَ كَمَا جَوَّزَ اللَّهُ الرَّسُولَ فِي  
 نَافِرَانِي كَرَّهٍ أَوْ لَمْ يَكُنْ فِي حُدُودِ النَّارِ هِيَ أَوْ تَمَّ حُدُودُهَا مِنْ تَجَاوُزِ  
 كَرَّهٍ وَالْكَافِرُ هُوَ مَنْ لَمْ يَكُنْ فِي حُدُودِهَا مِنْ تَجَاوُزِهَا هِيَ كَمَا جَوَّزَ اللَّهُ الرَّسُولَ فِي  
 تَجَاوُزِهَا مِنْ بَابِ طُورٍ كَمَا لَمْ يَكُنْ فِي حُدُودِهَا مِنْ تَجَاوُزِهَا هِيَ كَمَا جَوَّزَ اللَّهُ الرَّسُولَ فِي  
 وَفَا جَرَّهَ مَكْرَهُهُ حُدُودِهَا مِنْ تَجَاوُزِهَا هِيَ كَمَا جَوَّزَ اللَّهُ الرَّسُولَ فِي  
 هُوَ كَمَا أَوْ رَأَى كَمَا لَمْ يَكُنْ فِي حُدُودِهَا مِنْ تَجَاوُزِهَا هِيَ كَمَا جَوَّزَ اللَّهُ الرَّسُولَ فِي  
 (روح المعاني والنبراس)

② علامہ کلبی سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت سے اوپر جو میراث کی تقسیم بیان کی ہے  
 اور جو حدود اس تقسیم کی متعین فرمائی ہیں جو شخص ان حدود سے تجاوز کرنا حلال سمجھے اور حلال سمجھ کر  
 ان حدود سے تجاوز کر جائے وہ مُخَلَّدِي النَّارِ ہے اور کسی گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے پس یہ آیت  
 کافر کے بارے میں ہوئی اور کافر کے مُخَلَّدِي النَّارِ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان دونوں تاویلوں  
 کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ آیت کافر کے حق میں ہے ابن جریر اور ابن جریر سے بھی یہی منقول ہے کہ مَنْ  
 يَحْصِ اللَّهُ رَسُولًا وَمَنْ يَحْصِ اللَّهُ رَسُولًا بِمَا فَضَّلَ سَجَانَهُ مِنَ الْمَوَارِيثِ يَعْنِي وَهُوَ شَخْصٌ مَرَادٍ هُوَ جَوْزُ  
 تَعَالَى كَمَا بَيَّنَّاهُ مَوَارِيثَ الْإِيمَانِ نَهَ لَمْ يَكُنْ فِي حُدُودِهَا مِنْ تَجَاوُزِهَا هِيَ كَمَا جَوَّزَ اللَّهُ الرَّسُولَ فِي  
 (روح المعاني)

تیسری آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ لَهٗ جَهَنَّمُ الْآيَةَ فِي سَبْعِينَ نَجْمًا مِثْلَ الْوَيْلِ فِي سَبْعِينَ نَجْمًا،

① خلود فی النار کی وعید زجر و توبیح میں تغلیظ و تشدید پر محمول ہیں یعنی خلود فی النار مقصود  
 نہیں ہے بلکہ ڈانٹ ڈپٹ میں سختی اختیار کرتے ہوئے یہ وعید سنائی گئی ہے تاکہ کوئی شخص مؤمن  
 کو قتل کرنے کی جرأت و بہت نہ کر سکے روایات میں بھی قتل مؤمن پر اس قسم کی وعیدیں زجر و  
 توبیح کے طور پر وارد ہوئی ہیں،

عن الحسن قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم | حضرت حسن سے روایت ہے کہ رسول الله صلى الله عليه وسلم



علیہ وسلم نازلت ربی فی قاتل المؤمن  
ان يجعل له توبۃ فابی علی - رواہ عبد بن حمید  
(روح المعانی ص ۱۱۶)

نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے مومن کے قاتل  
کے بارے میں درخواست کی کہ اس کی توبہ قبول کر لیا  
کریں تو حق تعالیٰ نے انکار فرمادیا (کہ میں مومن کے  
قاتل کی دعا قبول نہیں کروں گا) یہ زجر و توبیح پر محمول ہے ورنہ ہر گناہ کبیرہ سے حتیٰ کہ کفر و شرک سے  
بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے، اسی طرح حضرت سعید بن عینا سے منقول ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے برابر  
میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا اس نے دریافت کیا کہ کیا مومن کو قتل کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے  
حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا لا الذی لا الہ الا هو لا یدخل الجنة حتی ینبجہ الجمل فی سمر  
الخیاط قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی وہ جنت میں  
داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے (یعنی قاتل مومن کا جنت میں  
داخل ہونا محال ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے سوراخ میں داخل ہونا محال ہے) حضرت ابن عباسؓ سے  
بھی مشہور ہے کہ قاتل مومن کی توبہ قبول نہیں ہوتی یہ سب زجر و توبیح پر محمول ہے،

دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابن حمید اور امام نخاس نے سعید بن عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت  
ابن عباسؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مومن کو قتل کر دے اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے ایک مرتبہ ایک شخص  
نے اکران سے سوال کیا کہ کیا قاتل مومن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں!  
اس کیلئے تو صرف جہنم ہے جب وہ شخص چلا گیا تو اہل مجلس نے عرض کیا آپ تو اس طرح کا فتویٰ نہیں دیتے ہیں  
آپ تو ہم سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ قاتل مومن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے آج کیا بات ہوئی (کہ آپ  
نے فرمادیا اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس کیلئے صرف جہنم ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ شخص  
غصہ میں بھرا ہوا تھا میرا گمان یہ ہے کہ اس کا ارادہ کسی مومن کو قتل کرنے کا تھا (یہ اسی لئے  
معلوم کرنے آیا تھا کہ اگر قبولیت توبہ کی گنجائش نکل آئی تو قتل کرنے کے بعد توبہ کر لوں گا اس لئے  
میں نے اس سے کہہ دیا کہ قاتل مومن کی توبہ قبول نہیں ہوتی تاکہ یہ قتل سے رگ جائے) لوگوں نے کسی  
شخص کو اس کے پیچھے بھیجا کہ دیکھ کر آئے وہ کہاں جاتا ہے اس کا کیا ارادہ ہے معلوم ہوا کہ واقعی اس کا



ارادہ کسی مؤمن کو قتل کرنے کا تھا، اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ زجر و توبیح کے طور پر فرمادیا کرتے تھے کہ قاتل مؤمن کی توبہ قبول نہیں ہوتی وہ مخلد فی النار ہوتا ہے پس ایسے ہی آیت شریفہ بھی تغلیظ و تشدید فی الزجر و التوبیح پر محمول ہے (روح المعانی)

② دوسری تاویل یہ ہے کہ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ قتل مؤمن عمدائی جزا حقیقی تو تخلید فی النار ہی ہے اگر حق تعالیٰ اس کو جزائے حقیقی دینا چاہیں تو تخلید فی النار کی سزا دیں گے مگر یہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی بات ہے کہ اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیں گے، ابن منذر نے عون بن عبد اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہی نقل کیا ہے فجزاء جہنم ان جازاہ، ابوداؤد شریف کی روایت میں حضرت ابو جہلز سے یہی تفسیر منقول ہے قال ہی جزاء فان شاء اللہ ان یتجاوز عن جزاءہ فصل کہ قتل مؤمن کی جزا، تو جہنم ہی ہے (معانی کا کوئی سوال نہیں) لیکن حق تعالیٰ شانہ اگر معاف کرنا چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے عذاب کی وعید بیان کرنے کے بعد اس کے خلاف کر دینا یعنی معاف کر دینا اس کو کذب نہیں کہا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو زجر و توبیح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تو نے فلاں حرکت کی تو تیری سزا قتل اور ضرب ہے پھر اس حرکت کے کرنے پر اس کو وہ سزا دے تو اس کو کذب نہیں کہا جاتا بلکہ یہ تو اس کا احسان و کرم شمار ہوتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ سزا تو اس جرم کی قتل و ضرب ہی تھی مگر ہم نے تجھ پر احسان و کرم کرتے ہوئے تجھ کو معاف کر دیا، پس اسی طرح حق تعالیٰ وعید بیان کرنے کے بعد اگر چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے، امام واحدی فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل وعدہ خلافی تو نہیں کر سکتے البتہ وعید کے خلاف کر سکتے ہیں، حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے،

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ جس شخص سے اس کے عمل پر ثواب کا وعدہ فرمالتے ہیں اس کو پورا فرماتے ہیں اور جس کے عمل پر عذاب کی وعید بیان کر دیتے ہیں تو حق تعالیٰ کو اختیار ہے

عن انس قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من وعدہ اللہ تعالیٰ علی عملہ ثوابا فهو منجز لہ ومن اوعده علی عملہ عقابا فهو بالخیار (روح المعانی ص ۱۱۶)



(چاہیں تو عذاب دیدیں چاہیں معاف فرمادیں) بہر حال اس تفسیر کے بعد آیت سے مرتکب کبیرہ کا مُخَلَّد فی النار ہونا ثابت نہیں ہوتا فلا تعارض ، (روح المعانی، مدارک، خازن)

۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ استحلال پر محمول ہے یعنی اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے وہ مُخَلَّد فی النار ہے اور گناہ کبیرہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کفر کی سزا تخلید فی النار ہے حضرت عکرمہ اور ابن جریج نے متعدّد کی تفسیر مُتَحَلِّلًا کیساتھ کی ہے (روح المعانی و خازن و جلائین)

۴) آیت کا مطلب یہ ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا لَّكُونَهُ مُؤْمِنًا کہ جو شخص کسی مؤمن کو اس کے مؤمن ہونے کی وجہ سے قتل کرے وہ مُخَلَّد فی النار ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مؤمن کو اس وجہ سے قتل کرنا کہ وہ مؤمن ہے یہ کفر ہے کیونکہ یہ ایمان سے نفرت اور عداوت کی دلیل ہے اور ایمان سے عداوت و نفرت رکھنا کفر ہے ، وجہ اس تاویل کی یہ ہے کہ جب کسی حکم کو کسی مشتق پر مرتب کیا جاتا ہے تو اس مشتق کا مصدر ترتیب حکم کی علت ہوتا ہے یہاں پر قتل مرتب ہو رہا ہے مؤمن پر جو کہ مشتق ہے پس اس کا مصدر یعنی ایمان قتل کی علت بن جائے گا کہ یہ شخص ایمان کی وجہ سے اس کو قتل کر رہا ہے جیسے کہا جائے

ضربت السارق اس کا مطلب یہ ہوتا ہے ضربت السارق لكونه سارقاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا اس کا مطلب ہے فاقطعوا ايديهما لكونهما سارقين (النبراس)

چوتھی آیت کی تاویل یہ ہے کہ ومن يعص الله ورسوله سے مراد توحید کے معاملہ میں نافرمانی کرنا ہے کیونکہ اوپر سے کلام توحید کے متعلق چل رہا ہے مطلب یہ ہوگا من لم يؤمن بالتوحيد فان له نار جهنم خالد بن فيہا ابداً ،

۲) اس تعارض کا دوسرا جواب چاروں آیات کا مجموعی جواب ہے کہ ان آیات میں خلوص سے مراد مجازاً مکث طویل (زمانہ طویل تک رہنا) ہے کہا جاتا ہے سَجُنٌ مُّخَلَّدٌ مراد اس سے لمبی قید ہوتی ہے یہ تاویل ان آیات میں اکثر مفسرین نے کی ہے اس صورت میں مرتکب کبیرہ کا مُخَلَّد فی النار ہونا اور عدم خروج من النار لازم نہیں آتا پس یہ آیات اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہونگی ،



## آیات قرآنیہ میں حق تعالیٰ تبدیلی فرماتے ہیں یا نہیں؟

پارا نمبر ۱، ۱۱، ۱۲، ۲۶

آیات ۱) مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِمَّا أَوْمِئَتْ بِهَا پارہ ۱ رکوع ۱۳  
سورہ البقرہ جلاہین ص ۱۶ ۲) وَإِذَا بَدَلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنزلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ پارہ ۱۲ رکوع ۲۰ سورہ النحل جلاہین ص ۲۲۶ ۳) لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ پارہ ۱۱ رکوع ۱۲ سورہ یونس جلاہین ص ۱۶۶ ۴) مَا يَبْدُلُ الْقَوْلَ لَدِي وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِنَجِيدٍ پارہ ۲۶ رکوع ۱۶ سورہ ق جلاہین ص ۲۳۱

**تشریح لغراض** آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آیات قرآنیہ میں تبدیلی فرمادیتے ہیں کہ ایک آیت کو منسوخ کر کے اس کے بدلہ میں اس جیسی آیت یا اس سے بہتر لے آتے ہیں اور آیت نمبر ۳ و ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کلمات و اقوال میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**رفع لغراض** اس تعارض کے دو جواب ہیں

۱) آیت نمبر ۱ و ۲ میں تبدیلی سے مراد تبدیلی احکام ہے یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کے بدلہ میں دوسرا حکم نازل فرمادیتے ہیں اور آیت نمبر ۳ و ۴ میں عدم تبدیلی سے مراد عدم تبدیلی وعدہ و وعید ہے یعنی حق تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے احکام میں تبدیلی فرمادیتے ہیں، حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس حال اور کس زمانہ میں کونسا حکم بندوں کیلئے مناسب ہے جیسا کہ ایک ماہر طبیب و ڈاکٹر مریض کیلئے دواؤں کا نسخہ بدل دیتا ہے وہ اپنی مہارت فی الطب کی وجہ سے جانتا ہے کہ اتنے روز تک مریض کیلئے یہ دوا مفید ہوگی اس کے بعد مریض کی حالت بدل جائے گی اور دوسری دوا اس کیلئے نافع ہوگی حق تعالیٰ کے احکام امراض معنویہ و روحانیہ کیلئے دواؤں کی حیثیت رکھتے ہیں حق تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق ان میں تبدیلی کر دیتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے وعدہ و وعید میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی حق تعالیٰ مغفرت و رحمت جنت اور ثواب وغیرہ کا جو وعدہ فرمالتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے جیسا کہ ارشاد باری ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد،



اسی طرح عذاب اور جہنم وغیرہ کی جو وعید بیان کرتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے آیت نمبر ۲  
 لا تبديل لکلمت اللہ میں کلمت سے مراد وعدے ہیں جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق لہم البشری  
 فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة لا تبدل لکلمت اللہ ذلک هو الفوز العظیم سے معلوم ہوتا ہے  
 اور آیت نمبر ۱۱ ما یبدل القول لدی میں قول سے مراد وعید ہے جیسا کہ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا  
 ہے لا تختصموا لدی وقد قدمت الیکم بالوعید ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعین (الطی  
 ۲) اخیر کی دو آیتوں میں کلمت و اقوال سے مراد حق تعالیٰ کی تضار یعنی ازل میں مقرر شدہ فیصلے  
 ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی  
 اور احکام کا منسوخ کرنا اور بدلنا یہ بھی حق تعالیٰ کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے حق تعالیٰ نے فیصلہ  
 کر دیا ہے کہ فلاں وقت تک فلاں حکم جاری رہے گا اس کے بعد وہ حکم بدل جائے گا اس فیصلہ میں کوئی  
 تبدیلی واقع نہیں ہوگی یعنی ایسا نہ ہوگا کہ وقت آنے پر وہ حکم نہ بدلے لہذا احکام کا منسوخ ہو جانا اور  
 بدل جانا ما یبدل القول لدی اور لا تبديل لکلمت اللہ کے عین موافق و مطابق ہے ان میں کوئی  
 تعارض نہیں ، هذا ما سنم لی ولم اجده فیما تتبعته من الکتب التي عندی والله اعلم

## سب سے بڑا ظالم کون شخص ہے؟

پارا ۱، ۷، ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۲۲، ۲۸

- آیات** ① وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ بآرۃ ۷ رکوۃ ۱۳
- سورہ بقرہ جلائن ص ۱ ② وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةَ عِنْدَهُ مِنْ اللَّهِ بآرۃ ۷ رکوۃ ۱۳
- سورہ بقرہ جلائن ص ۲ ③ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ بآرۃ ۷ رکوۃ ۹ سورہ الأنعام جلائن ص ۱۳ ④ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ
- قَالَ أُوْحِيَ إِلَيَّ بآرۃ ۷ رکوۃ ۱۴ سورہ الأنعام جلائن ص ۱۲ ⑤ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى
- عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ بآرۃ ۷ رکوۃ ۱۵ سورہ الأنعام جلائن ص ۱۲، ⑥ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا بآرۃ ۷ رکوۃ ۱۵ سورہ الأنعام جلائن ص ۱۲



④ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ پارہ ۷ رکوع ۷ سورہ الاعراف

جلالین ص ۱۳۲ ⑤ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْعِلُ الْمُجْرِمُونَ

پارہ ۷ رکوع ۷ سورہ یونس جلالین ص ۱۴۱ ⑥ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ

يُحْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۗ پارہ ۲ رکوع ۲ سورہ ہود جلالین ص ۱۸۱ ⑦ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِرَ

بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۗ پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ سجدة جلالین ص ۲۵۵ ⑧ فَمَنْ أَظْلَمُ

مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ زمر جلالین ص ۲۸۷

⑨ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَىٰ الْإِسْلَامِ ۗ پارہ ۲ رکوع ۹ الصف جلالین ص ۲۵۹

**تشریح تعارض** وَمَنْ أَظْلَمُ كاصیغہ قرآن پاک میں بہت سی جگہ آیا ہے جیسا کہ آیات

مذکورہ سے ظاہر ہے اس میں مَنْ استفہامیہ ہے آیت نمبر ۷ کا ترجمہ یہ ہوگا کون زیادہ ظالم ہے

اس شخص سے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے لوگوں کو روکے لیکن اس میں استفہام کے

حقیقی معنی یعنی استفہام کسی چیز کو معلوم کرنا سمجھنا مراد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ تو

علیم بکل شیء میں ان کے حق میں استفہام محال ہے اس لئے استفہام مجازاً لفظی کے معنی میں ہے جسکو

استفہام انکاری کہتے ہیں اور مَنْ أَظْلَمُ کا مطلب لَا أَحَدًا أَظْلَمُ ہے اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اس

سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یعنی سب سے بڑا

ظالم مانع ذکر اللہ فی المساجد ہے اسی طرح ہر آیت میں یہی مطلب نکلے گا کہ سب سے بڑا ظالم وہ

شخص ہے جو اللہ پر افتراء پر دازی کرے وھکذا،

اب تعارض یہ ہے کہ آیت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا ظالم مساجد میں اللہ کا ذکر

کرنے سے روکنے والا ہے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے

بڑا ظالم وہ شخص ہے جو شہادت کو چھپائے اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں اور اخیر کی تمام آیتوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا ظالم شخص وہ ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے آیات خداوندی

کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے ان آیات میں متعدد لوگوں کو اظلم بتایا گیا ہے حالانکہ



اظلم تو ایک ہی شخص ہو سکتا ہے اگر مانع ذکر اللہ فی المساجد اظلم ہے تو کاتم شہادت اظلم نہیں ہو سکتا اگر کاتم شہادت اظلم ہے تو مانع ذکر اظلم نہیں ہو سکتا اسی طرح تمام آیات میں کہا جائے گا، پس ان آیات میں تعارض ہو گیا کہ ہر ایک کی اظلمیت کا اثبات بھی ہے اور اس کی نفی بھی ہو رہی ہے و ہذا ہوا تعارض،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① ہر آیت میں جو ایک شخص کی اظلمیت میں تخصیص ہو رہی ہے وہ من موصولہ کے بعد آئیوں والے صلہ کے مفہوم کے ساتھ ہے مثلاً مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ يَدُكَ عَلَيْهِ لَا اِحْدٍ مِنَ الْمَالِعِينَ اظلم من منع مساجد اللہ اذ یعنی نیک کاموں سے روکنے والے لوگوں میں سے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو اللہ کی مسجدوں میں ذکر اللہ کرنے سے روکے اسی طرح لا احد من الکاتمین اظلم من کتم شہادۃ عندہ من اللہ کہ کاتمین میں سے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو شہادت من اللہ کا کتمان کرے ایسے ہی لا احد من المفترین اظلم من افتری علی اللہ کذابا افترا پر دازی کرنے والوں میں سے سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر افترا پر دازی کرے لا احد من المکذبین اظلم من کذب بایت اللہ ولا احد من الکذابین من کذب علی اللہ ولا احد من المعرضین اظلم من ذکر بایت ربہ ثم اعرض عنها اس صورت میں کوئی تعارض نہیں رہا اس لئے کہ ہر شخص کی اظلمیت کی نوعیت جدا گانہ ہے (جمل و روح المعانی)

② ان آیات میں مانع، کاتم، مفتری، کاذب، مکذب وغیرہم کو اظلم کہا گیا ہے اس میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ متعدد افراد اظلمیت میں برابر ہو سکتے ہیں یہ لفظ تسویۃ فی الاظلمیت کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ہے مطلب یہ ہو گا کہ یہ سارے کے سارے اظلم ہونے میں برابر ہیں اور یہ سب اپنے علاوہ دیگر لوگوں سے اظلم ہیں جیسا کہ کہا جائے لا احد اظلم من زید و عمر و خالد، زید عمر و خالد سے زیادہ کوئی اظلم نہیں ہے یعنی یہ تینوں سب سے بڑے فقیہ ہیں اسکا مطلب عرف میں یہ



ہوتا ہے کہ یہ تینوں افقہ ہونے میں برابر ہیں اور باقی تمام لوگ ان سے کم درجہ کے فقیہ ہیں (روح المعانی ج ۱)  
 ۳) اس طرح کے کلام سے بسا اوقات صرف مبالغہ مقصود ہوتا ہے مساوات یا زیادتی کی نفی مقصود نہیں ہوتی کہ دوسرا شخص اس سے بڑا ظالم ہے یا نہیں ہے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایسا کر نیوالا بڑا ظالم شخص ہے بہت بُری حرکت میں مبتلا ہے اس کو ایسا نہ کرنا چاہئے پس ان آیات میں بھی مبالغہ مقصود ہے کہ ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں قطع نظر اس سے کہ دوسرا ظالم ہیں یا نہیں ناہنم

### (روح المعانی) مشرق و مغرب کی تعداد کتنی ہے؟

[پارہ ۱، ۱۹، ۲۳، ۲۷، ۲۹]

آیات | ۱) وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ قَائِمًا تَلَوُّوا فَتَمَّ وَجِبَ اللّٰهُ پارہ ۱ رکوع ۱۱ سورہ

بقرہ جلا میں ص ۱۸ ۲) رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ پارہ ۱۹ رکوع ۶

سورہ الشعراء جلا میں ص ۳۱ ۳) رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا پارہ ۲۹

رکوع ۱۳ سورہ المزل جلا میں ص ۲۷ ۴) رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبِّ الْمَشَارِقِ

پارہ ۲۳ رکوع ۵ سورہ الصّٰفّٰت جلا میں ص ۳۴ ۵) فَلَا اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ

پارہ ۲۹ رکوع ۷ سورہ المعارج جلا میں ص ۲۶ ۶) رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ پارہ ۲۹

رکوع ۱۱ سورہ الرحمن جلا میں ص ۲۲

تشریح تعارض | پہلی تین آیتوں میں مشرق و مغرب صیغہ مفرد کے ساتھ ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب ایک ایک ہیں اور آیت نمبر ۱ و ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق

و مغرب کثیرہ ہیں اور آیت نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب دو دو ہیں پس ان آیات

میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی تین آیتوں میں تو جنس مشرق و مغرب مراد

ہے جو تخیل و کثیر سب کو شامل ہے اور آیت نمبر ۱ و ۵ میں ہر یوم کی مشرق و مغرب کے اعتبار سے

جمع کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ روزانہ مشرق و مغرب بدلتے رہتے ہیں سال کے ایام کی تعداد کے مطابق



تین سو ساٹھ مشارق اور تین سو ساٹھ مغارب ہیں ابن عطیہ سے مروی ہے کہ ایک سو اسی مشارق<sup>۱۸۰</sup> اور اتنے ہی مغارب ہیں یا مطلق کو اکب کے مشارق و مغارب مراد ہیں اس لئے صیغہ جمع لایا گیا ہے اور آیت نمبر ۶ میں مشرق صیف و شتاء اور مغرب صیف و شتاء کے اعتبار سے صیغہ تشبیہ استعمال کیا گیا ہے گرمی و سردی کے مشرق و مغرب مختلف ہوتے ہیں یا مشرق شمس و قمر اور مغرب شمس و قمر کے اعتبار سے مشرقین و مغربین کہہ دیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

## نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

[پارا نمبر ۱ و ۲]

آیات ۱) فَايِنَّمَا تَوَلَّوْا فَوَجَّهْ لَدُنَّ اللّٰهِ پارہ ۱ رکوع ۱۲ سورہ بقرہ جلا میں ص ۱۸

۲) وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْكُمْ شَرْقًا پارہ ۲ رکوع ۱ و ۲ سورہ البقرہ جلا میں ص ۲۱ و ۲۲

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں فرمایا کہ جدھر بھی رخ کر لو اسی طرف اللہ کی ذات موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں مصلیٰ کو اختیار ہے جس طرف منہ کر کے چاہے نماز پڑھے اور آیت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جہاں بھی کہیں ہو قبلہ (مسجد حرام) کی طرف رخ کرنا ضروری ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

۱) لفظ اَيْنَمَا جہت کے معنی میں ہو کر تَوَلَّوْا کا مفعول نہیں ہے بلکہ یہ مکان کے معنی میں ہے اور تَوَلَّوْا کا ظرف ہے اور وجہ اللہ میں وجہ سے مراد جہت ہے جیسا کہ وزن بمعنی زنة ہے مطلب یہ ہو گا فی ای مکان تَوَلَّوْا شَطْرَ الْقِبْلَةِ فَمَجْهَةً اللّٰهِ الَّتِي اُمِرْتُمْ بِهَا کہ جس جگہ رہ کر بھی تم قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو گے اسی جگہ اللہ کی وہ جہت موجود ہے جس کی طرف تم کو رخ کرنے کا حکم دیا گیا یعنی نماز کسی مسجد اور کسی مکان کیساتھ خاص نہیں بلکہ پورے عالم میں جس مسجد میں یا جس جگہ گھر یا جنگل وغیرہ میں (بشرطیکہ پاک جگہ ہو اور کوئی محذور شرعی نہ ہو) قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو نماز درست ہو جائے گی امت محمدیہ کے لئے پوری زمین کو مسجد اور طہور بنا یا گیا ہے



جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهْرًا أُمُّ سَابِقَةَ كَيْلِيَّةُ ان کے معابد بیچہ  
 وکنائس میں نماز پڑھنا ضروری تھا خارج مسجد نماز درست نہیں تھی مگر یہ اس اُمت کی خصوصیت ہو  
 کہ ایما تو لو اقم وجہ اللہ جس جگہ بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی جائے اللہ کی مقرر کی ہوئی جہت  
 موجود ہے جہت کی اصناف اللہ کی طرف اس لئے کر دی گئی ہے کہ اللہ نے اس جہت قبلہ کی طرف  
 رخ کرنے کا حکم دیا ہے حضرت حسن حضرت مقاتل مجاہد اور قتادہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے  
 بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وجہ ذات کے معنی میں ہے جیسے کل شیء مالک الأوجه میں وجہ بمعنی ذات  
 مستعمل ہے اب ترجمہ یہ ہو گا کہ جس جگہ رہ کر بھی قبلہ کی طرف منہ کر لو اسی جگہ اللہ کی ذات موجود ہے  
 مگر اس وقت لفظ ذات کنایہ ہو گا علم اور اطلاع سے یعنی اسی جگہ اللہ کو تمہارے نماز پڑھنے اور رخ  
 کرنے کا علم ہے اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنے بندوں کی عبادات پر مطلع ہیں،

ابو منصور نے وجہ بمعنی جاہ لیا ہے اور جاہ سے مراد عظمت و جلالت ہے ای فتم عظمت اللہ  
 و جلالتہ بہر حال وجہ جہت کے معنی میں ہو یا ذات و عظمت کے معنی میں ہو مراد اس آیت کے کسی  
 بھی مقام پر رہ کر قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے لہذا یہ آیت فولوا وجہکم شطرہ کے معارض نہیں (روح المعانی)  
 ② اَيْنَمَا جِهت کے معنی میں ہو کر تَوَلَّوْا کا مفعول ہے جیسا کہ یہی استعمال اس کا شائع ہے یعنی  
 اَيَّ جِهَةٍ تَوَجَّهُوا جس طرف بھی رخ کر لو ادھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے مگر یہ آیت تطوع علی الرحلة  
 فی السفر کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے (سفر سے مراد سفر لغوی)  
 یعنی آبادی سے باہر سواری پر سواری ہو کر نفل نماز پڑھنے کیلئے جہت قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں  
 ہے جس طرف بھی سواری کا رخ ہو اسی طرف نماز درست ہو جائے گی اور آیت نمبر ۲ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ  
 فَوَلُّوْا وُجُوْكُمْ شَطْرًا فرض نماز اور آبادی میں نماز کے متعلق ہے یعنی فرض نماز خواہ آبادی میں ہو یا  
 آبادی سے باہر اور نفل نماز جبکہ آبادی میں ہو غیر قبلہ کی طرف درست نہیں ہے پس ان دونوں  
 آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی)

③ اَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَثُمَّ وَجْهَ اللّٰهِ كَالْحَمِّ ان لوگوں کیلئے ہے جن پر قبلہ مشتبہ ہو جائے



وہ تحرری کر کے جس طرف بھی نماز پڑھ لیں گے درست ہو جائے گی اگرچہ فی الواقع غیر قبلہ کی طرف ہو حضرت جابرؓ سے یہی مروی ہے کہ ایک غزوہ میں جس میں میں بھی شریک تھا لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا تو جنوب اور شمال کی طرف نماز پڑھ لی تھی صبح کو خطا ظاہر ہوئی تھی کہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی گئی اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهًا لِلّٰهِ - ای اذا اشتبهت عليك القبلة واذا الم تشبه القبلة فولوا وجوهكم شطر المسجد الحرام ، فلا

تعارض بينهما ( روح المعانی )

۴ آیت نمبر ۱ سے مصلیٰ کو کسی بھی طرف رخ کرنے میں اختیار دینا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ آیت تحویل قبلہ کی تمہید ہے جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو یہ ہونے اعتراض کیا کہ مسلمان لوگ پہلے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور اب مسجد حرام کی طرف نماز پڑھنے لگے ایسا کیوں کیا ؟ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ جل شانہ تمام جہات کے مالک ہیں وہ اپنی مصلحت و حکمت سے جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں تمہیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں حق تعالیٰ نے چند مہینوں تک بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا جس سے اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی خاص جہت کو قبلہ بنانا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدائے تعالیٰ اسی جہت یا اس مکان میں ہے دوسری جہت میں نہیں ہے حق تعالیٰ کی توجہ تو ہر سمت میں برابر ہے حق تعالیٰ جہت و مکان سے منزہ ہیں کسی جہت و مکان کے ساتھ مقید و محدود نہیں ہیں لہذا تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے ( روح المعانی و بیان القرآن )

۵ آیت نمبر ۱ منسوخ ہے آیت نمبر ۱ سے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے ، ابتدا میں اختیار تھا جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لی جائے پھر اسکو منسوخ کر دیا گیا اور بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا گیا و لا تعارض بعد النسخ ( اتقان )





## حق تعالیٰ کو مخلوق کیساتھ مشابہت سے بیان

پارا نمبر ۱، ۶، ۸، ۱۱، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۰، ۳۱

- آیات ۱) فَايِنَّمَا تُولُوْا فَوَجْهَ اللّٰهِ پاره ۱ رکوع ۱۲ سورہ البقرہ جلايين ۱۸
- ۲) ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَّرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ پاره ۲۱ رکوع ۷ سورہ الروم جلايين ۳۲۳
- ۳) تَرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ پاره ۲۱ رکوع ۷ سورہ الروم جلايين ۳۲۴
- ۴) وَيَتَّقِيْ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَلِ وَالْاِكْرَامِ پاره ۲۴ رکوع ۱۲ سورہ الرحمن جلايين ۲۲۷
- ۵) اِلَّا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّيْ الْاَعْلٰى پاره ۲۴ رکوع ۱۴ سورہ ائيل جلايين ۵۱
- ۶) بَلْ يَدَاہُ مَبْسُوْطَتِيْنَ پاره ۶ رکوع ۱۳ سورہ المائدہ جلايين ۱۰۳
- ۷) فَسَبْحَانَ الَّذِيْ بِيْدِيْهِ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ پاره ۲۳ رکوع ۲ سورہ يس جلايين ۳۷۳
- ۸) يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ پاره ۲۴ رکوع ۹ سورہ الفتح جلايين ۲۲۳
- ۹) وَالسَّمَوٰتُ مَطْوِيٰتٌ بِيْمِيْنِهِ پاره ۲۴ رکوع ۲ سورہ زمر جلايين ۳۹
- ۱۱) وَاِنَّ الْفَضْلَ بِيْدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ پاره ۲۴ رکوع ۲ سورہ الحديد جلايين ۲۵۲
- ۱۱) تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيْدِيْهِ الْمَلٰٓئِكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پاره ۲۹ رکوع ۷ سورہ الملک جلايين ۲۶۶
- ۱۳) اَوْ يٰٓاَتِيْ رَبِّكَ اَوْ يٰٓاَتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ پاره ۷ رکوع ۷ سورہ الانعام جلايين ۱۲۸
- ۱۳) اَفَلَا يَرُوْنَ اَنَّا نٰتٰى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا پاره ۱۷ رکوع ۲ سورہ الانبياء جلايين ۲۴۳
- ۱۴) وَقَدْ مَنَّا اِىْ مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ نٰهٰبًا مِّنْثُوْرًا پاره ۱۹ رکوع ۷ سورہ الفرقان جلايين ۳۰۴
- ۱۵) وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلٰٓئِكُ صَفًا صَفًا پاره ۳۲ رکوع ۱۲ سورہ الفجر جلايين ۲۹۹
- ۱۶) ثُمَّ اسْتَوٰى عَلٰى الْعَرْشِ پاره ۷ رکوع ۱۲ سورہ الاعراف جلايين ۱۳۴
- ۱۷) ثُمَّ اسْتَوٰى عَلٰى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ پاره ۱۱ رکوع ۶ سورہ يونس جلايين ۱۷
- ۱۸) الرَّحْمٰنُ عَلٰى الْعَرْشِ اسْتَوٰى پاره ۱۶ رکوع ۷ سورہ طہ جلايين ۲۶
- ۱۹) ثُمَّ اسْتَوٰى عَلٰى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَاَسْئَلُ بِهٖ خَيْرًا پاره ۱۹ رکوع ۳ سورہ الفرقان جلايين ۳۰۷
- ۲۰) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ پاره ۲۵ رکوع ۳ سورہ الشورى جلايين ۲۰



## تشریح تعارض

اس کے بعد آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵ میں یہ اور یکن، یعنی ہاتھ کا ثبوت ہے اس کے بعد آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵ میں حق تعالیٰ کیلئے قدم و اتیان کو ثابت کیا گیا ہے اس کے بعد آیت نمبر ۱۶ تا ۱۹ میں استوار علی العرش یعنی عرش پر بیٹھنا ثابت کیا گیا ہے استوار کے معنی جلوس کے آتے ہیں، ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کیلئے بھی مخلوق کی طرح اعضاء و جوارح میں چہرہ بھی ہے ہاتھ پاؤں بھی ہیں جن سے پکڑتے ہیں اور چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں اور حق تعالیٰ تخت پر بھی بیٹھتے ہیں ان آیات سے حق تعالیٰ کا مخلوق کے مشابہ و مماثل ہونا لازم آتا ہے اور اخیر کی آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا کہ اللہ کے مثل کوئی شے نہیں ہے حق تعالیٰ جسمیت اور اعضاء و جوارح اور مماثلت مخلوق سے بالکل منزہ و مقدس ہے پس اخیر کی یہ آیت پہلی آیات کے بظاہر معارض ہے،

## دفع تعارض

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات جن سے تشبیہ و تجسیم کا شبہ ہوتا ہے آیات متشابہات کہلاتی ہیں جن میں علماء کے دو مسلک ہیں ۱۔ مسلک تفویض ۲۔ مسلک تاویل مسلک تفویض کا مطلب یہ ہے کہ ان کے معانی و مفہوم کو حق تعالیٰ کے علم پر محمول کر دیا جائے، یعنی یوں کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہی ان کے مفہوم و مراد سے واقف ہیں ہم اپنی طرف سے ان کی کوئی تاویل و تفسیر نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے اذہان و عقول ناقص ہیں اگر ہم اپنی عقل و رائے سے کوئی تاویل و تفسیر کرتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ وہ مراد حق کے خلاف ہو اس لئے سکوت و تسلیم ہی احوط ہے یہ طریق طریق اسلم کہلاتا ہے، حضرات سلف صالحین نے اسی مسلک تفویض کو اختیار کیا ہے جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، امام شافعی، محمد بن حسن، سعد بن معاذ مروزی، عبداللہ بن مبارک، ابو معاذ خالد بن سلیمان صاحب سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، محمد بن اسمعیل بخاری، ابو یسٰیٰ ترمذی، ابو داؤد سجستانی، قاضی ابوالعلاء، صاعد بن محمد نے کتاب الاعتقاد میں امام ابویوسف سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا لا ینبغی لاحد ان ینطق فی اللہ تعالیٰ بشئ من ذاته و لکن یصف بما وصف سبحانہ بہ نفسہ و لا یقول فیہ براہہ شیئا تبارک اللہ رب العلمین



حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اہل قرونِ ثلثہ کا اس پر اتفاق ہے جن کے خیر القرون ہونے کی صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، امام الحرمین شیخ ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی نے اپنے رسالہ نظامیہ میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے

امام ابو الحسن اشعری نے بھی اپنی کتاب میں جو اختلاف المصلین و مقالات الاسلامیین کے موضوع پر تصنیف کی ہے اسی کو اختیار کیا ہے اور اپنی کتاب الابانہ فی اصول الدیانہ میں اسی کو اختیار کرتے ہیں، قاضی بیضاویؒ بھی طوابع میں فرماتے ہیں کہ آیاتِ مشابہات میں اول و بہتر سلف صالحین کی اتباع کرنا ہے اور اللہ کو تشبیہ و تجسیم سے منزہ مانتے ہوئے ان آیات کا علم حق تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے، محققین صوفیاء کرام بھی مسلکِ تفویض ہی کے قائل ہیں،

دوسرا مسلک مسلکِ تاویل ہے تاویل کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظِ مشابہات کے ایسے معانی و مفہیم بیان کئے جائیں جو حق تعالیٰ کی شان کے مناسب ہوں جن سے تشبیہ و تجسیم لازم نہ آئے یہ مسلک حضراتِ متاخرین نے اختیار کیا ہے امام الحرمینؒ اپنی کتاب الارشاد میں مسلکِ تاویل ہی کی طرف مائل ہیں، حق تعالیٰ نے ان حضرات کے قلوب پر الفاظِ مشابہات کے ایسے معانی و مفہیم منکشف فرمائے ہیں جو حق تعالیٰ کی شانِ جلالت کے مناسب اور تشبیہ و تجسیم سے بالکل منزہ و مقدس ہیں یہ طریق طریقِ احکم کہلاتا ہے، چنانچہ یہ حضرات ان مذکورہ آیاتِ مشابہات میں مندرجہ ذیل تاویلات کرتے ہیں پہلی پانچ آیات میں وجہ سے مراد ذات ہے چنانچہ محاورہ میں وجہ بول کر ذات کو مراد لیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی پر عرصہ ہوتے ہوئے کہتا ہے تو آج سے مجھ کو اپنا چہرہ مت دکھانا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ سے دور اور پوشیدہ ہو جا، میرے قریب بالکل نہ آنا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چہرہ پر نقاب ڈال کر میرے پاس آجایا کرنا یا چہرے کے علاوہ باقی اعضاء مجھ کو دکھا دینا صرف چہرہ مت دکھانا بلکہ چہرہ اور صورت بول کر پوری ذات مراد ہوا کرتی ہے پس آیات میں بھی وجہ سے مراد ذات ہے فتم وجہ اللہ ای ذات اللہ یریدون وجہ اللہ ای ذات اللہ ویسبوا وجہ ربک ای ذات ربک وغیرہ،

اور آیت نبر علیٰ تاء اللہ میں ید اور کلین سے مراد قوت و نفرت ہے ید اللہ فوق یدہم ای قوت اللہ



وَلَفْرَةُ السَّمَوَاتِ قُوَّتُهُمْ وَفَرْتُهُمْ اور مَطْوِيَّاتٍ بِيَمِينِهِ مِثْلُ عِلْمٍ سے مراد قدرت ہے کہ آسمان حق تعالیٰ کی قدرت سے لپٹے ہوئے ہوں گے اور یُدَاہُ بِسُوطَانٍ مِثْلُ لِسَانٍ سے مراد سخاوت ہے سخی آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یا ید سے مراد نعمت ہے کہ اللہ کی دونوں نعمتیں نعم دنیویہ و نعم اخرویہ یا نعم ظاہرہ و باطنہ وسیع اور پھیلی ہوئی ہیں،

اور آیت نمبر ۱۲ تا ۱۵ میں یاتی رُكْبٍ اور جَارِ رُكْبٍ میں مضاف محذوف ہے یاتی اُمْرٍ رُكْبٍ اور جَارِ اُمْرٍ رُكْبٍ، اور قَدِّمْنَا اِلٰی مَا عَمَلُوا میں مقدم سے مراد قصد و ارادہ ہے ای عمدنا و قصدنا الی ما عملوا، من عَمَلٍ حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہی معنی نقل کئے ہیں،

اور آیت نمبر ۱۶ تا ۱۹ میں اِسْتَوَارَ سے مراد استیلا اور غلبہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ عرش پر غالب و مستولی ہیں یا استوار کنایہ ہے ملک سے جیسا کہ علامہ زنجشیری نے یہی معنی کئے ہیں کہ حق تعالیٰ عرش کے مالک ہیں ملکیت کو جلوس و استوار سے تعبیر کر دیا جاتا ہے کہا جاتا ہے فلائ استوی علی العرش کہ فلائ شخص شاہی تخت پر بیٹھا ہے، آج کل وزارت کی کرسی پر فلائ شخص بیٹھا ہے، ان جلوں سے مراد یہ ہوتی ہے کہ شاہی تخت کا مالک اور کرسی وزارت کا مالک آج کل فلائ شخص ہے حقیقتہً جلوس و استوار مراد نہیں ہوتا کیونکہ یہ جملہ "کہ وزارت کی کرسی پر فلائ شخص بیٹھا ہے" اس وقت بھی کہا جاتا ہے جبکہ وزیر کرسی پر نہ بیٹھا ہو بلکہ کسی ضرورت سے باہر سفر پر گیا ہو، معلوم ہوا کہ جلوس و استوار سے مراد بیٹھا نہیں بلکہ مالک ہونا ہے کہ حق تعالیٰ عرش کے مالک ہیں، یا استوی کے معنی علا علی العرش لئے جائیں کہ حق تعالیٰ عرش پر بلند ہیں،

بہر حال ان تاویلات و معانی کے بعد حق تعالیٰ کے لئے جسمیت و اعضاء و جوارح اور مشابہت و مماثلت

بالمخلوق کا ہونا لازم نہیں آئے گا اور ان آیات اور اخیر کی آیت لیس کثرتی میں کوئی تعارض نہیں رہے گا،  
(روح المعانی وغیرہ)

**مُرْتَكِبٌ كَبِيرٌ مُؤْمِنٌ هُوَ يَأْكُلُ كَافِرٌ؟**



پارا ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸

**آیات** ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ پارہ ۲ رکوع ۲  
 سورہ البقرہ جلاہین ص ۱۵ ② وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا  
 پارہ ۲ رکوع ۲ سورہ الحجرات جلاہین ص ۲۲ ③ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً  
 نَصُوحًا پارہ ۲ رکوع ۲ سورہ التحريم جلاہین ص ۲۶ ④ وَصَنَ لَكُمْ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ  
 اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ پارہ ۲ رکوع ۲ سورہ المائدہ جلاہین ص ۱۱ ⑤ وَصَنَ كَفَرَ  
 بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۳ سورہ النور جلاہین ص ۳ ⑥ أَفَنُنَّ  
 كَانَ مُؤْمِنًا كُنَّ كَانًا فَاسِقًا پارہ ۲ رکوع ۱۵ سورہ السجدہ جلاہین ص ۳۵

**تشریح و تعارض** پہلی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن رہتا ہے ایمان سے  
 خارج نہیں ہوتا کیونکہ آیت نمبر ۱ میں حق تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو تم پر مقتولین کے بارے  
 میں قصاص فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کسی کو قتل کر دے تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے  
 اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اس کے باوجود حق تعالیٰ نے یٰایہا الذین آمنوا کے ساتھ خطاب کیا ہے  
 معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے آدمی ایمان کے ساتھ متصف رہتا ہے کافر نہیں ہوتا اسی طرح آیت  
 نمبر ۲ میں آپس میں قتل و قتال کرنے والی جماعتوں کو مؤمنین سے تعبیر کیا ہے اور آیت نمبر ۳ میں  
 توبہ کا حکم دیا ہے اور توبہ کا مخاطب مرتکب کبیرہ ہے اس کے باوجود یٰایہا الذین آمنوا کے ساتھ  
 خطاب کیا گیا ہے ان تمام آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا  
 اور اخیر کی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ آیت ۴ میں ارشاد  
 ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ کافر ہیں اور خلاف شریعت  
 فیصلہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اس کے مرتکب کو حق تعالیٰ نے کافر بتایا ہے، اسی طرح آیت نمبر ۵ میں  
 فرمایا کہ "جو اس کے بعد کفر کریں وہی لوگ فاسق ہیں، کفر کرنے والے کو فاسق بتایا گیا ہے جس سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ فاسق اور کافر دونوں ایک ہیں، بلکہ مبتداء و خبر کے درمیان ضمیر فصل لاکر محصر  
 کیا گیا ہے کہ کافر ہی فاسق ہے کافر کے علاوہ کوئی فاسق نہیں معلوم ہوا کہ ہر فاسق کافر ہے



اور فاسق مرتکب کبیرہ ہوتا ہے پس لازم آیا کہ ہر مرتکب کبیرہ کافر ہے ایسے ہی آیت نمبر ۶ میں فرمایا  
 کیا وہ شخص جو مؤمن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے یہ استفہام انکاری ہے یعنی مؤمن و فاسق  
 دونوں برابر نہیں ہے بلکہ دونوں میں مغایرت ہے جو مؤمن ہے وہ فاسق نہیں جو فاسق ہے وہ  
 مؤمن نہیں اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاسق مؤمن نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے خلاصہ یہ ہوا  
 کہ پہلی تین آیتوں سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ہے کافر نہیں اور اخیر کی تین آیات سے ثابت  
 ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے مؤمن نہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے ،  
دفع تعارض | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اصل بات تو وہی ہے جو پہلی تین آیتوں میں مذکور  
 ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن رہتا ہے اور اخیر کی تین آیات جو مرتکب کبیرہ کے کافر ہونے پر دال ہیں  
 یہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان میں تاویل کی جائے گی جس سے ان آیات میں تطبیق پیدا  
 ہو جائے اور تعارض ختم ہو جائے چنانچہ آیت نمبر ۶ **وَمَنْ لَّمْ يَجِدْهَا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْكَافِرُونَ** میں چند تاویلات کی گئی ہیں ،

① حکم کا اطلاق اگرچہ عمل قلبی اور عمل جوارح دونوں پر ہوتا ہے مگر یہاں عمل قلبی مراد ہے جس کو  
 تصدیق کہا جاتا ہے اور **وَمَنْ لَّمْ يَجِدْهَا** کے معنی **وَمَنْ لَّمْ يُصَدِّقْ** بما انزل اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص  
 اللہ کی طرف سے نازل شدہ امور کی تصدیق نہ کرے وہ کافر ہے ، (روح المعانی)

② **وَمَنْ لَّمْ يَجِدْهَا** بما انزل اللہ علی سبیل الاستہانہ مراد ہے کہ جو شخص ما انزل اللہ کی توہین و تحقیر کرتے  
 ہوئے اس کے مطابق حکم نہ لگائے وہ کافر ہے اور ظاہر ہے کہ احکام منزلہ من اللہ کی توہین و تحقیر کرنا  
 کفر ہے (النبی اس و تفسیر ابوالسعود)

③ **وَمَنْ لَّمْ يَجِدْهَا** بما انزل اللہ میں کلمہ **مَا نَكَرَ** ہے جو تحت النفی واقع ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ  
 دیتا ہے مطلب یہ ہوگا **وَمَنْ لَّمْ يَجِدْهَا** بشی ما انزل اللہ فالنک ہم الکفرون کہ جو شخص اللہ کی طرف نازل شدہ  
 امور میں سے کسی شے کا بھی حکم نہ لگائے وہ کافر ہے اور ما انزل اللہ میں ایمان و توحید بھی ہے اور ظاہر  
 ہے کہ جو ایمان و توحید کا بھی حکم نہ لگائے اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے (روح المعانی و النبیر اس)



(۲) یہ آیت خاص کر یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اللہ کی نازل شدہ آیات میں تحریف کرتے تھے اور تورات کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تھے ان کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہیں حضرت ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے (خازن و روح المعانی)

اسی طرح آیت نمبر ۵ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ میں بھی تین تاویلات کی گئی ہیں

① حضرت ابو العالیہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں کفر سے مراد کفر ان نعمت یعنی ناشکری ہے وہ کفر مراد نہیں جو ایمان کا مقابل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی جانب سے عطا ہونے والے اس قدر انعامات کے بعد اس کی ناشکری کریں گے وہ لوگ فاسق ہیں آیت کے سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں مومنین صالحین سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم تم کو زمین میں حکومت عطا فرما دیں گے جس طرح قبطیوں کو ہلاک کرے بنی اسرائیل کو مصر و شام پر حکومت عطا فرمائی تھی اور دین اسلام میں قوت عطا فرمائی گے اور دشمنوں کی طرف سے ہونے والے خوف کو امن و سکون سے بدل دیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں جن پر اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے جو ان نعمتوں کی ناشکری کرے وہ فاسق ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ان نعمتوں کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا، (روح المعانی، مدارک، خازن، الزبراس وغیرہ)

② فسق سے مراد فسق کامل ہے اور فسق کامل کفر کہلاتا ہے، مطلب آیت کا یہ ہے کہ مومنین میں سے جو شخص ان نعمتوں کے وعدوں کے حصول کے بعد مرتد ہو جائے وہ بہت بڑا فاسق ہے کامل فی الفسق ہے اور کامل فی الفسق اور مرتد کافر ہوتا ہے (روح المعانی)

③ آیت شریفہ میں کافر کا فسق پر جو حصر کیا گیا ہے کہ کافر ہی فاسق ہے کافر کے علاوہ کوئی فاسق نہیں ہے یہ حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ حصر ادعائی ہے یعنی مبالغہ مقصود ہے ورنہ تو کافر کے علاوہ بھی فاسق ہوتے ہیں جیسے مرتکب کبیرہ کہ یہ فاسق ہے کافر نہیں ہے کیونکہ اگر آیت میں حصر حقیقی مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو آدمی ایمان کے بعد کفر کرے وہی فاسق ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو ایمان سے پہلے کفر کرے وہ فاسق نہیں ہے حالانکہ یہ غلط ہے معلوم ہوا کہ یہ حصر حقیقی نہیں ہے لہذا اس سے ہر فاسق کا



کافر ہونا لازم نہیں آئے گا،

ان تاویلات سے بھی واضح ہو گیا کہ آیت شریفہ سے مرتکب کبیرہ کا کافر ہونا لازم نہیں آتا،  
چھٹی آیت اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانُ فَاسِقًا کی تاویل یہ ہے کہ فاسق سے مراد مرتکب کبیرہ نہیں بلکہ کافر  
ہے یعنی اَمِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانُ كَافِرًا۔ فاسق سے مراد کافر لینے کا قرینہ ایک تو یہ ہے کہ فاسق مطلق  
بولایا ہے اور المطلق اذا اطلق يراد به الفرد الكامل اور کامل فی الفسق کافر ہوتا ہے لان الکفر اعظم  
الفسق، دوسرا قرینہ آیت کا سیاق ہے چنانچہ آگے ارشاد ہے وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَا لَهُمْ  
النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ  
الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ اور تکذیب کفر ہے پس معلوم ہوا کہ فسق سے مراد کفر ہے تیسرا قرینہ یہ  
ہے کہ آیت ولید بن عقبہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے دونوں میں کسی بات پر مباحثہ  
ہو گیا ولید بن عقبہ نے حضرت علیؑ سے کہا أَسْأَلُكَ فَا نَكُ صَبِيٌّ وَأَنَا شَيْخٌ، خاموش ہو جاؤ تم ابھی  
بچے ہو میں بڑا آدمی ہوں حضرت علیؑ نے فرمایا أَسْأَلُكَ فَا نَكُ فَا سِقٌ، خاموش ہو جا اس لئے  
کہ تو فاسق ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اَمِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانُ فَاسِقًا لا یستون  
اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاسق سے مراد کافر ہے پس اس آیت سے بھی مرتکب کبیرہ کا کافر ہونا ثابت  
نہیں ہوتا ہے لہذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے، (خازن، مدارک، النبراس)

## رمضان کی راتوں میں اکل و شرب جماع بعد النوم حلال ہے یا نہیں؟

پارا نمبر ۲

آیات ۱) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ پارہ ۲ رکوع ۷

سورہ البقرہ جلا میں ۲۶ ﴿۲﴾ أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ — الی

قوله — وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ البقرہ جلا میں ۲۶

تشریح تعارض | آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور جس کیفیت کے ساتھ ائمہ سابقہ پر



روزے فرض تھے اسی کیفیت کے ساتھ امت محمدیہ پر روزے فرض کئے گئے اور اہم سابقہ پر روزوں کی کیفیت یہ تھی کہ رات میں سونے سے قبل تو کھانا پینا اور جماع کرنا حلال تھا مگر سونے کے بعد اکل و شرب اور جماع حرام ہو جاتا تھا اگر طلوع فجر سے قبل رات میں آدمی کسی وقت بیدار ہوتا تو اس کیلئے کھانا پینا جماع کرنا جائز نہیں تھا، لکن کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی کیفیت امت محمدیہ کے روزوں کی ہے کہ رات میں سونے کے بعد اکل و شرب اور جماع حرام ہے اور آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے پہلے اکل و شرب اور جماع حلال ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① ابن عربی فرماتے ہیں کہ آیت اولیٰ آیت ثانیہ سے منسوخ ہے یعنی ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا کہ نفل کی راتوں میں سونے کے بعد اکل و شرب اور جماع کی اجازت نہیں تھی پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور احل لکھنے الصیام الوقت الی نسا ئکم اور کلووا و اشربوا حتی یتبین الخ کہہر طلوع فجر سے پہلے پہلے تک اکل و شرب و جماع کی اجازت دیدی گئی جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے  
**لا تعارض بعد المنسخ (الروض النضیر)**

② لکن کتب سے صرف نفس و جوب میں تشبیہ مقصود ہے طریق ادا اور تحدید اوقات وغیرہ تمام امور میں تشبیہ مقصود نہیں ہے آیت اولیٰ کا مطلب صرف یہ ہے کہ اہم سابقہ پر بھی روزے فرض کئے گئے تم پر بھی فرض کر دئے گئے اگرچہ دونوں کے طریق ادا اور کیفیت میں اختلاف ہے کہ ان پر رات میں اکل و شرب اور جماع بعد النوم حرام تھا اور تمہارے لئے حلال ہے، اس سے مسلمانوں کی دلجوئی مقصود ہے کہ روزہ کی فرضیت تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے اہم سابقہ پر بھی روزے فرض تھے روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے مگر یہ مشقت تم سے پہلے لوگ بھی برداشت کرتے تھے اور یہ طبعی بات ہے کہ جب مشقت میں آیت سے لوگ مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہوتی ہے بلکہ تمہارے لئے تو آسانی کر دی گئی کہ اکل و شرب و جماع بعد النوم رات میں حلال کر دیا گیا اہم سابقہ کیلئے حرام تھا، اس تفسیر کے بعد دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے (الفوز الکبیر و روح المعانی وغیرہ)



## رمضان کی روزہ ہی رکھنا ضروری ہے یا فدیہ بھی دیا جاسکتا ہے؟

یا اے ۲

**آیات ۱** وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ البقرہ جلاہین ص ۲۶ ۲۷ ﴿۲﴾ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ البقرہ جلاہین ص ۲۶ ۲۷

**تشریح تعارض** پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر روزہ رکھنا نہ چاہیں تو ان کو اجازت ہے کہ وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا کر فدیہ ادا کریں یعنی جس کا دل چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دے اور آیت ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی رمضان کے مہینہ میں موجود ہو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے فدیہ دینے کا اختیار نہیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،

**دفع تعارض** اس تعارض کے چھ جواب ہیں ،

① آیت اولیٰ آیت ثانیہ سے منسوخ ہے ابتداء میں چونکہ لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہیں تھے روزہ رکھنے میں دشواری ہوتی تھی تو حق تعالیٰ نے آسانی فرمادی تھی اور صوم و فدیہ میں اختیار دیدیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے جو چاہے فدیہ ادا کر دے جب رفتہ رفتہ لوگ عادی ہو گئے تو روزہ رکھنا لازم کر دیا گیا اور فدیہ کا اختیار منسوخ فرمادیا روایت صحیحہ میں اسکی تصریح موجود ہے ،

حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ جب آیت  
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ نَزَلَتْ ہوتی تو ہم میں سے جو  
چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا افطار کرنا اور  
فدیہ ادا کرنا وہ فدیہ ادا کر دیتا یہاں تک، اس کے  
بعد والی آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی  
اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ،

عن سلمة بن الأكوع رضي قال لما نزلت  
هذه الآية وعلى الذين يطيقونه كان من  
شاء مناصم ومن شاء افطر ويفتدي  
فعل ذلك حتى نزل الآية التي بعدها  
فمنحتها فمن شهد منكم الشهر فليصمه  
رواه البخاري ومسلم والبوداورد والترنمى والنسائي  
والطبراني وغيرهم ( روح المعاني ص ۵۸ )

اور ظاہر ہے کہ نسخ کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا ،



۲) حضرت حسنؑ فرماتے ہیں کہ آیت نمبر ۱ ایسے مریض کے بارے میں ہے جو بیمار تو ہے مگر اس کی بیماری اس درجہ کی نہیں ہے کہ روزہ کی طاقت نہ ہو بلکہ وہ روزہ رکھ سکتا ہے مگر ضعف و مرض کی وجہ سے روزہ رکھنا ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے اس کو حق تعالیٰ نے ابتداء میں اختیار دیدیا تھا کہ جی چاہے روزہ رکھ لے جی چاہے روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دے پھر یہ حکم منسوخ فرمادیا کہ رمضان کے مہینہ میں ہر شخص کو روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ مریض کیلئے اتنی سہولت ہے کہ وہ ماہ رمضان میں انظار کر لے جب تندرست ہو جائے تو روزہ کی قضا کرے روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینا جائز نہیں ولا تعارض بعد النسخ (تفسیر خازن)

۳) وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ اَنْزِمِ لَآ حَرْفٍ لَفِي مُقَدَّرٍ هِيَ اى وَعَلَى الَّذِينَ لَا يُطِيقُونَهُ حضرت حفصہؓ سے ایک قرأت وَعَلَى الَّذِينَ لَا يُطِيقُونَهُ مروی ہے جیسا کہ روح المعانی میں مذکور ہے اور یہ آیت شیخ فانی کے بارے میں ہے کہ جو بوڑھے لوگ انتہائی عمر رسیدہ ہونگی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ ہر روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دیں، اور آیت نمبر ۲ جو انوں اور طاقتور بوڑھوں کے متعلق ہے لہذا کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب دو متعارض چیزوں کا مصداق جدا جدا ہو تو تعارض نہیں رہتا، ۴) يُطِيقُونَهُ بَابِ اَفْعَالٍ سَے ہے اور بَابِ اَفْعَالٍ کی ہمزہ کبھی سلب ماخذ کیلئے ہوتی ہے جیسے اَفْلَسَ الرَّجُلُ یعنی اس کے پاس فلوس (پیسے) ختم ہو گئے وہ شخص مُفْلَسٌ ہو گیا، اَشْكِيْتُہُ میں نے اسکی شکایت کو دوں کیا، ختم کیا، اکی طرح یہاں پُرِطِيقُونَهُ کے معنی یہ ہونگے کہ جن لوگوں میں روزہ کی طاقت نہیں رہی وہ فدیہ ادا کر سکتے ہیں لہذا لَآ لَفِي مُقَدَّرٍ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے رفح تعارض کی توجیہ اس صورت میں بھی وہی رہے گی جو اوپر گزری کہ یہ آیت شیخ فانی کے بارے میں ہے اور آیت نمبر ۲ غیر شیخ فانی کے بارے میں فلا تعارض، ۵) ایک توجیہ ایسی کی گئی ہے جس میں نہ حرف لَفِي مُقَدَّرٍ ماننے کی ضرورت ہے اور نہ ہمزہ اَفْعَالٍ کو سلب کیلئے ماننے کی ضرورت، اس کے باوجود یہ آیت شیخ فانی کے بارے میں رہتی ہے وہ توجیہ یہ ہے کہ لغت عرب اور ان کے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں شے پر قادر ہونگی مختلف تعبیرات ہوتی ہیں اور عسر و دشواری کی کمی بیشی کے لحاظ سے قدرت کے مختلف درجات ہوتے ہیں



جس کا ادنیٰ درجہ استطاعت اور آخری درجہ طاقت ہے لفظِ اطاعت اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کام کے کرنے میں انتہائی مشقت ہو چنانچہ یہ نہیں کہا جاتا، انی اُطیق ان ارفع اللقمة الیٰ فنی کہ میں اپنے منہ تک لقمہ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں اس لئے کہ لقمہ اٹھانا ایک آسان چیز ہے اس میں کوئی مشقت نہیں البتہ یہ کہا جاتا ہے انی اُطیق ان اُحمل ہذا الحجر الثقیل کہ میں یہ بھاری پتھر اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں پس آیت شریفہ میں بھی اطاعت کا لفظ آیا ہے اس لئے آیت کے معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ جو لوگ آسانی سے روزہ نہ رکھ پاتے ہوں بلکہ انتہائی شدت و تعب اور مشقتِ عظیمہ ہی کیساتھ رکھ پاتے ہوں جیسے شیخ فانی اور بہت ہی بوڑھی عورت، ان کے لئے جائز ہے کہ وہ ہر روزہ کا فدیہ ادا کریں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت میں متعدد قراءتیں منقول ہیں (۱) یَطْوِقُونَهُ بضم الیاء وفتح الطاء وفتح الواو المشددة حفر عائشہؓ کی یہی قرات ہے (۲) یَطِيقُونَهُ بضم الیاء والاولیٰ وتشدید الیاء الثانیہ حضرت سعید بن المسیبؓ کی یہی قرات ہے (۳) یَطِيقُونَهُ بتشدید الطاء والیاء الثانیہ حضرت مجاہد اور عکرمہؓ کی یہی قرات ہے (۴) یَطْوِقُونَهُ۔ ان کے معانی کسی کام کو مشقت اور تکلف کے ساتھ کر پانا ان قراءات کے پیش نظر بھی آیت کے معنی یہی ہونگے کہ جو لوگ روزہ انتہائی مشقت اور شدت کے ساتھ ہی رکھ پاتے ہوں وہ فدیہ ادا کر سکتے ہیں جیسے شیخ فانی اور عجوز کبیرہ، حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد یہی ہے کہ انّ الایۃ نزلت فی الشیخ الکبیر الہرم والعجوز الکبیرۃ الہرمۃ۔

⑥ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ میں روزہ کی طاقت اور عدمِ طاقت سے بحث ہی نہیں ہے اور فدیۃ طعام مسکین سے مراد روزوں کا فدیہ نہیں ہے بلکہ فدیہ سے مراد صدقہ نظر ہے اور یطیقونہ کی ضمیر فدیہ کی طرف راجع ہے ترجمہ یہ ہوگا اور جو لوگ صاحبِ نصاب ہو سکیں وہ سے صدقہ فطر دینے پر قادر ہیں ان پر صدقہ فطر واجب ہے جو ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اس پر دو اشکال ہوتے ہیں ایک یہ کہ انصار قبل الذکر لازم آ رہا ہے اس کا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ فدیہ اگرچہ لفظاً مؤخر ہے مگر ترکیب میں رتبہ مقدم ہے کیونکہ علی الذین یطیقونہ خبر مقدم ہے اور فدیۃ طعام مسکین مبتدأ مؤخر ہے اور مبتدأ کا رتبہ مقدم ہونے کا ہے اور جب



مرج رتبه مؤتم ہو تو اضماع قبل الذکر صرف لفظاً ہوتا ہے جو کہ جائز ہے دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ فدیہ مؤنت ہے اور یطیقونہ میں ضمیر مذکر ہے ضمیر اور مرجع میں تذکر و تانیث میں مطابقت نہیں رہی اس کا جواب شاہ صاحب دیتے ہیں کہ فدیہ سے مراد طعام ہے اور طعام مذکر ہے تو فدیہ کو طعام کی تاویل میں بیکر ضمیر مذکر اس کی طرف لوٹا دی گئی فلا اشکال (الفوز الکبیر)

بہر حال شاہ صاحب کے نزدیک اس آیت شریفہ میں روزہ کی طاقت اور عدم طاقت اور فدیہ ادا کرنے سے کوئی گفتگو نہیں ہے بلکہ اس میں ایک دوسرا حکم یعنی وجوب صدقہ فطر کو بیان کیا گیا ہے لہذا یہ آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصہ کے معارض نہیں ہے فافہم،

### قرآن پاک لیلۃ القدر میں نازل ہوا یا لیلۃ البراءۃ میں؟

پارا ۲، ۲۵، ۲۶

آیات ۱ | شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن پارہ ۲ رکوع ۱ سورۃ البقرۃ

جلالین ص ۲ | ۲ | انا انزلناک فی لیلۃ مبارکۃ اناکتا منذرین پارہ ۲۵ رکوع ۱۲

سورۃ الدخان جلالین ص ۲۱ | ۳ | انا انزلناک فی لیلۃ القدر پارہ ۳ رکوع ۲۲ سورۃ

القدر جلالین ص ۵۰۳

### تشریح تعارض

آیت ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مقدس ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے اور

دوسری آیت میں ہے کہ لیلۃ مبارکۃ میں نازل ہوا اور لیلۃ مبارکۃ کی تفسیر حضرت عکرمہ اور ایک جماعت سے

لیلۃ البراءۃ یعنی لیلۃ نصف شعبان کے ساتھ منقول ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک شعبان کی پندرہویں

رات میں نازل ہوا اور تیسری آیت میں ہے کہ شب قدر میں نازل ہوا ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض

وضع تعارض | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیت ثانیہ میں لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ البراءۃ

نہیں ہے بلکہ لیلۃ القدر ہی مراد ہے اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں، روح المعانی میں ہے ہی

لیلۃ القدر علی ماروی عن ابن عباس وقتادۃ وابن جبیر ومجاہد وابن زید و

الحسن وعلیہ اکثر المفسرین، تفسیر مدارک میں ہے (فی لیلۃ مبارکۃ) ای لیلۃ القدر



اولیۃ النصف من شعبان وقیل بینہا و بین لیلة القدر اربعون لیلة والجمہور علی  
الاول تفسیر کبیر میں ہے اختلافاً فی ہذہ اللیلة المبارکة فقال الاکثرون انہا لیلة  
القدر بیان القرآن میں ہے کہ لیلة المبارکة کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر سے کی ہے معارف القرآن  
میں ہے کہ لیلة مبارکہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے،  
لیلة مبارکہ سے مراد لیلة القدر ہونے کے متعدد دلائل ہیں جن کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں مفصل

ذکر کیا ہے

① سورہ دخان کی آیت میں انزال قرآن کی رات کو لیلة مبارکہ کہا گیا ہے کوئی تصریح نہیں کی گئی  
کہ یہ لیلة القدر ہے یا لیلة البراءة اور سورہ القدر کی آیت میں تصریح ہے کہ انا انزلناہ فی لیلة القدر  
والقرآن یفسر بعضہ بعضاً پس معلوم ہوا کہ لیلة البراءة سے مراد لیلة القدر ہے،

② سورہ دخان میں تو فرمایا کہ ہم نے قرآن لیلة مبارکہ میں نازل کیا اور سورہ بقرہ میں ہے  
کہ شہر رمضان میں نازل کیا اس سے معلوم ہوا کہ لیلة مبارکہ ماہ رمضان میں واقع ہوتی ہے اور  
رمضان میں واقع ہونے والی لیلة القدر ہے نہ کہ لیلة البراءة کیونکہ وہ تو شعبان میں ہوتی ہے  
پس معلوم ہوا کہ لیلة مبارکہ شب قدر ہے،

③ سورہ القدر میں لیلة القدر کی جو صفات مذکور ہیں وہ موافق و متقارب ہیں ان صفات  
کے جو لیلة مبارکہ کی سورہ دخان میں ذکر کی گئی ہیں چنانچہ سورہ قدر میں ہے تَنْزِيلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ  
فِيهَا يٰۤاٰذِنُ رَبِّهِمْ کہ اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لیکر  
اترتے ہیں اور سورہ دخان میں ہے فَيَقٰیفُوۡنَ كُلُّ۟ اٰمِرٍ حٰكِمٍ اس رات میں ہر معاملے کو طے  
کر دیا جاتا ہے ان دونوں باتوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے سورہ قدر میں ہے یٰۤاٰذِنُ رَبِّهِمْ  
سورہ دخان میں ہے اٰمِرًا مِّنْ عِنْدِنَا ان دونوں کا مفہوم متحد، سورہ قدر میں ہے سَلَامٌ هٰی  
سورہ دخان میں ہے رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّكَ ان دونوں (سلامتی و رحمت) کا مفہوم قریب قریب ہے  
جب دونوں مقام پر بیان کردہ صفات متقارب ہیں تو لازمی طور پر اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ لیلة مبارکہ



اور لیلۃ القدر دونوں ایک ہیں،

④ محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے،

حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے اور تورات رمضان کی چھٹی شب میں زبور بارہویں شب میں اور انجیل اٹھارویں شب میں اور قرآن پاک رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل ہوا اور لیلہ مبارکہ لیلۃ القدر ہی ہے،

نزلت صحف ابراہیم فی اول لیلۃ من رمضان والتوراة لیسۃ لیاہ منہ والنزبوا لاثنتی عشر لیلۃ مضت منہ والا انجیل لثمان عشر لیلۃ مضت منہ والقرآن لاربع وعشرین لیلۃ مضت من رمضان واللیلۃ المبارکۃ ہی لیلۃ القدر (تفسیر کبیر)

تفسیر قرطبی میں یہ روایت حضرت واثلہؓ سے مرفوعاً مروی ہے

⑤ سورہ دخان میں ہے فیہا یفرق کل امر حکیم اس رات میں ہر معاملہ کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے

اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ لیلۃ مبارکہ لیلۃ القدر ہے

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس بارے میں فرمایا کہ شب قدر میں لوح محفوظ سے نقل کر کے وہ تمام امور نکھدے جانتے ہیں جو پورے سال میں پیش آنیوالے ہیں یعنی رزق، موت، حیات، بارش، یہاں تک کہ یہ بھی نکھدیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں اس سال حج کرے گا،

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال فی ذلک یکتب من امر الکتب فی لیلۃ القدر ما یکون فی السنۃ من رزق او موت او حیاة او مطر حتی یکتب الجاج یحج فلان ویحج فلان (الخریجہ محمد بن نصر بن المنذر وابن ابی حاتم) (روح المعانی)

حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی مروی ہے،

ربیعہ بن کلثوم کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن کے پاس تھا ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابو سعید! لیلۃ القدر پر رمضان میں ہوتی ہے؟ فرمایا خدا کی قسم

عن ربیعۃ بن کلثوم قال کنت عند الحسن فقال لہ رجل یا ابوسعید لیلۃ القدر فی کل رمضان ہی قال ای واللہ انہا لفی کل



وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے اور یہی وہ رات ہے جس میں  
ہر معاملہ طے کر دیا جاتا ہے اس رات میں حق تعالیٰ اس  
جیسی آئندہ رات تک ہونی والے تمام امور (موت،  
عمل، رزق) کے فیصلے فرمادیتے ہیں،

رمضان وانها لليلة يفرق فيها كل امر  
حكيم فيها يقضى الله تعالى كل اجل وعمل  
ورزق الى مثلها (اخرج عبد بن حميد وابن جرير)  
(روح المعاني)

ان دلائل خمسہ مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے،  
رہا حضرت عکرمہ وغیرہ کا قول کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ البراءة ہے سو اس کو علماء نے غیر معتبر قرار دیا  
امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں،

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ لیلۃ مبارکہ مذکورہ فی  
الآیۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے میں نے اس بارے  
میں ان حضرات کی کوئی معتبر دلیل نہیں دیکھی،

واما القائلون بان المراد من الليلة المباركة  
المذكورة في هذه الآية هي ليلة النصف  
من شعبان فما رأيت لهم فيه دليلا يعول  
عليه

تفسیر منظر ہی میں ہے وما قبل انها لليلة النصف من شعبان فليس بشئ جاشیہ رجل علی تفسیر الجلالین  
میں ہے قوله اوليلة النصف من شعبان قال النووي في باب صوم التطوع من شرح مسلم  
انه اخطاء والصواب وبه قال العلماء انها ليلة القدر بيان القرآن میں ہے کہ یہ تفسیر  
صحیح نہیں معلوم ہوتی،

دراصل ان حضرات نے لیلۃ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ القدر کے ساتھ اُس روایت کے پیش نظر کر دی ہے  
جس میں معاملات کا فیصلہ ہونا لیلۃ البراءة میں مذکور ہے تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی میں عثمان بن محمد  
بن الاخشش کی روایت ہے،

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شعبان  
سے دوسرے شعبان تک تمام آجال کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے  
یہاں تک کہ یہ بھی کہ فلاں شخص نکاح کرے گا اس کے بچہ پیدا  
ہوگا حالانکہ اسکا نام مردوں میں نکھدیا گیا،

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال تقطع  
الاجال من شعبان الى شعبان حتى انت  
الرجل لينكم ويولد له وقد اخرج اسمه  
في الموتى،



مگر اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مُرْسَل ہے جو نصوص کے مقابلہ میں قابلِ اعتماد نہیں ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے فَهوَ حَدِيثٌ مُرْسَلٌ وَمِثْلُهُ لَا يَعَارِضُ بِهِ النَّصُوحَ مَعَارِفَ الْقُرْآنِ مِثْلَ مَا فِيهِ كَقَاضِي ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابلِ اعتماد روایت ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت و حیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں،

پھر اس حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ البراءۃ میں فیصلے ہوتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن میں جو لیلۃ المبارکہ فرمایا گیا ہے اس سے مراد لیلۃ البراءۃ ہی ہے کسی آیت و روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ نزول قرآن لیلۃ البراءۃ میں ہوا ہے جبکہ لیلۃ القدر اور ماہ رمضان میں نازل ہونا قرآن پاک میں مفسر ہے البتہ سالانہ معاملات کے فیصلوں کے متعلق روایات میں تعارض ہے کہ لیلۃ القدر میں ہوتے ہیں یا لیلۃ البراءۃ میں، جیسا کہ اوپر دونوں قسم کی روایات مذکور ہوئی ہیں ان میں تطبیق یہ ہے کہ سالانہ واقعات کے کاغذات لیلۃ البراءۃ میں لوح محفوظ سے نقل کر کے لکھنے شروع کر دئے جاتے ہیں اور لیلۃ القدر میں فراغت ہو جاتی ہے اس رات میں وہ کاغذات ملائکہ کے سپرد کر دئے جاتے ہیں، ارزاق کا رقعہ حضرت میکائیل کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور لڑائیوں زلزلوں اور بجلیوں وغیرہ کا رقعہ حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور اعمال کا پرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام (جو کہ آسمان دینا پر ایک بڑے فرشتے ہیں) کے سپرد کر دیا جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ تطبیق مروی ہے،

قال تقضى الاقضية كلها ليلة النصف من شهر شعبان وتسلم الى ارباب ليلة السابع والعشرين من شهر رمضان (روح المعاني)	فرمایا کہ تمام فیصلے نصف شعبان کی شب میں کر دئے جاتے ہیں اور ان امور کو رمضان کی ستائیسویں شب میں ان کے ذمہ دار فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے،
---	---

حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر سے کی ہے اور بعض نے اس کی تفسیر لیلۃ البراءۃ سے اس بنا پر کی ہے کہ روایات میں اس کی نسبت بھی واقعات سالانہ کا فیصلہ ہونا آیا ہے لیکن چونکہ کسی روایت میں اس میں قرآن کا نزول وارد نہیں ہے اور شب قدر میں نزول خود قرآن میں مذکور ہے انا انزلنا فی لیلۃ القدر اس لئے یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی،



اور واقعات کا فیصل ہونا اس شب میں اس کو مستلزم نہیں ہے کہ قرآن میں جو لیلۃ مبارکہ آیا ہے اس سے مراد یہی ہو غایت مافی الباب اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ دونوں شب میں واقعات فیصل ہوتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں بلکہ ممکن ہے کہ واقعات لکھ تولے جاتے ہوں شبِ برات میں اور سپرد کئے جاتے ہوں شبِ قدر میں، (بیان القرآن)

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے پس آیت ثانیہ اور ثالثہ میں تعارض ختم ہو گیا رہی آیتِ اولیٰ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن سو یہ بھی ان آیتوں کے معارض نہیں ہے اس لئے کہ روایتِ مرفوعہ صحیحہ سے بات ثابت ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب قدر کو ماہ رمضان کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعدوا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من شهر رمضان رواہ البخاری ومسلم و احمد والترمذی (روح المعانی)

اور بھی بہت سی روایات صحیحہ اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں اسی کو صحیح کہا گیا ہے صرف حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ لیلۃ القدر نصف شعبان کی شب ہے مگر اس قول کے متعلق روح المعانی میں ہے وہ قول شاذ غریب کما فی تحفۃ المحتاج، بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہوتی ہے اس لئے آیتِ اولیٰ بھی دوسری دونوں آیتوں کے معارض نہیں رہی فحصل التطبيق بین الایات وارتفع التعارض فللہ الحمد، فانہم واحفظ

**ابتداءً بالقتال مع الکفار جائز ہے یا نہیں؟**

پارا نمبر ۲، ۵، ۷، ۸

**آیات ۱** وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَفْقَهُوا تِلْكَ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَعْتَدُونَ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ



المعتدين پارہ ۲ رکوع ۸ سورہ البقرہ جلا میں ص ۲۸ ② واقتلوهم حيث تقفون  
 الاية پارہ ۲ رکوع ۸ سورہ البقرہ جلا میں ص ۲۸ ③ واقتلوهم حيث وجدتموهم  
 ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا پارہ ۵ رکوع ۹ سورہ النساء جلا میں ص ۸۳ ④ فخذوهم  
 واقتلوهم حيث تقفتموهم واولئکم جعلنا لکم علیہم سلطنا مبینا پارہ ۵ رکوع ۹  
 سورہ النساء جلا میں ص ۸۳ ⑤ فاذا انسخت الاسفار الحرم فاقتلوا المشرکین حيث وجدتم  
 پارہ ۱ رکوع ۷ سورہ التوبة جلا میں ص ۱۵۵ ⑥ وقاتلوا المشرکین كافة پارہ ۱  
 رکوع ۷ سورہ التوبة جلا میں ص ۱۵۸

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے راستہ میں انہیں لوگوں سے قتال  
 کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں ان پر زیادتی نہ کرو یعنی قتال کرنے میں ابتداء اور پہل نہ کرو اس سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ مشرکین جہاں بھی ملیں ایکدم ان سے قتال کی ابتداء نہ کرنی چاہئے ہاں اگر وہ قتال کریں تو جواباً  
 ان سے قتال کیا جائے گا اور اخیر کی پانچوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو  
 خواہ وہ قتال کریں یا نہ کریں یعنی ابتداء بالقتال کا حکم دیا گیا ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① آیت اولیٰ بعد کی پانچوں آیات سے منسوخ ہے یعنی ابتداء اسلام میں ابتداء بالقتال سے منع کیا گیا  
 کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی اسلام کا ابھی غلبہ نہیں ہوا تھا اس لئے نرمی اختیار کرنے کا حکم  
 دیا گیا جب اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہو گیا مسلمانوں کی تعداد کثیر ہو گئی اور معجزات ربانیت و قنات  
 فوقتاً بار بار ظاہر ہونے کے باوجود بھی مشرکین اپنے شرک پر جے رہے ان سے اسلام کی تائیدی  
 ہو گئی تو حق تعالیٰ نے علی الاطلاق قتال کا حکم دیدیا فاقتلوا المشرکین حيث وجدتموهم ،  
 اور قاتلوا المشرکین كافة چنانچہ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین  
 یقاتلونکم قتال کے سلسلے میں سب سے پہلے نازل ہوئی والی آیت ہے جس میں قتال کی ابتداء کر نیے منع  
 کیا گیا پھر حق تعالیٰ نے فاقتلوا المشرکین كافة اور واقتلوهم حيث تقفتموهم فرما کر



تمام مشرکین سے مطلق قتال کا حکم فرمادیا خواہ وہ قتال کریں یا نہ کریں (یعنی ابتداء بالقتال کی اجازت دیدی) پس آیت سیف (فاقتلوا المشرکین كافة اور واقتلوه حيث ثقتهم) اس آیت (یعنی) کے لئے ناسخ ہے (جلالین، وخازن، تفسیر کبیر، تفسیر منطہری)

۲ آیت اولیٰ میں ابتداء بالقتال کرنے یا نہ کرنے سے کوئی بحث نہیں ہے بلکہ اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ تم لوگ صرف ان کفار سے قتال کرو جو تمہارے مقابلہ میں قتال کے لئے آسکتے ہیں جن کی طرف سے قتال کی توقع ہے یعنی عورتوں، بچوں اور زیادہ بوڑھوں اور پادریوں و راہبوں کو جو دنیا سے یکسو ہو کر عبادت میں مشغول رہتے ہیں اسی طرح ابا، بچوں، معذوروں اور کفار کے یہاں مزدوری اور نوکری کرنیوالوں کو جو قتال میں شریک نہیں ہوتے ہیں ان کو جہاد میں قتل نہ کرو اس لئے کہ یہ لوگ قتال میں مقابلہ پر آمینوالے نہیں ہیں، اس صورت میں ولا تعتدوا کا مطلب یہ ہوگا ولا تعتدوا بقتل الصبیان والنساء والشيوخ الکبار والرهبان وغیرہم من الذین لم یشارکوا فی القتال اس وقت یہ آیت منسوخ نہیں ہوگی بلکہ محکم رہے گی و ہوقول ابن عباس و مجاہد (منطہری و قرطبی وغیرہ) اور اخیر کی آیات میں جن مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے مراد بھی مشرکین متقابلین ہیں واقتلوه حيث ثقتهم میں ہم ضمیر الذین یقاتلونکم کی طرف راجع ہے اور قاتلوا المشرکین كافة میں الف لام عہدی ہے مراد مشرکین متقابلین ہیں یعنی نوجوان اور طاقتور لڑنے والے کفار کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور تمام مشرکین متقابلین سے قتال کرو پس ان آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس تقریر کے بعد ان تمام آیات کا مضمون و مفہوم متحد ہو چکا ہے،

**اشہر حرم میں قتال کرنا جائز ہے یا نہیں؟**

پارا نمبر ۲، ۶، ۷، ۸

آیات ۱) یَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ پارہ ۲

رکوع ۱۱ سورہ البقرہ جلالین ص ۳۲ ۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ

الْحَرَامَ پارہ ۶ رکوع ۵ سورہ المائدہ جلالین ص ۹۲ ۳) وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً لَمَّا



يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً پاره ۱۱ رکوع ۱۱ سورہ التوبہ جلايين ۱۵۸ ،

**تشریح تعارض** | پہلی دو آیتوں سے اشہر حرم (شوال ذیقعدہ ذی الحجہ رجب) میں قتال

کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد ہے قَاتِلْ فِيهِ كَبِيرٌ اشہر حرم میں قتال کرنا گناہ کبیرہ ہے اور آیت نمبر ۱۲ میں فرمایا کہ اللہ کی نشانیوں اور شہر حرام کی بے حرمتی نہ کرو اور شہر حرام میں جب قتال کرنے سے منع کر دیا گیا تو اس میں قتال کرنا اسکی بے حرمتی کرنے سے پس مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ شہر حرام میں قتال کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرو اور آیت نمبر ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشہر حرم میں قتال کرنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سے قتال کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے ہر زمانہ ہر مہینہ میں قتال کر سکتے ہو جیسا کہ وہ ہر مہینہ میں تم سے قتال کر لیتے ہیں خواہ اشہر حرم ہوں یا غیر اشہر حرم علامہ سیوطی نے جلايين میں اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً اى جميعا في جميع الشهور كما يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً اور یہ تفسیر ایک قاعدہ کے تحت کی گئی ہے قاعدہ یہ ہے کہ عموم اشخاص مستلزم ہوتا ہے عموم احوال عموم ازمان عموم امکانہ کو، تو جب اس آیت میں تمام مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا تو اس کا مطلب قاعدہ مذکورہ کے پیش نظر یہ ہوگا اَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ جَمِيعًا فِي اَيِّ حَالٍ فِي اَيِّ زَمَانٍ فِي اَيِّ مَكَانٍ کہ جس حال میں جس زمانہ میں جس جگہ پاؤ قتال کرو (جمل) بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی دو آیتوں میں اشہر حرم میں قتال کی ممانعت اور تیسری آیت میں اجازت ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے **دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں۔

① پہلی دونوں آیتیں تیسری آیت سے منسوخ ہیں یعنی ابتداءً اشہر حرم میں قتال کرنا ممنوع تھا بعد میں قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً کما یقاتلونکم کافۃً نازل فرما کر ممانعت منسوخ کر دی گئی اور اشہر حرم و غیر حرم تمام مہینوں میں قتال کی اجازت دیدی گئی اب کسی بھی مہینہ میں قتال کرنا حرام نہیں ہے، حضرت عطار خراسانی، قتادہ سفیان ثوری، ابن شہاب زہری کا یہی قول ہے بلکہ جمہور فقہار نسخ ہی کے قائل ہیں صاحب روح المعانی اور قاضی بیضاوی نے اشہر حرم میں قتال کی حرمت کے منسوخ ہونے پر اجماع



نقل کیا ہے البتہ نسخ کی تعیین میں اختلاف ہے بعض نے تو قاتلوا المشرکین کا ذمہ الایۃ کو نسخ مانا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور بعض نے قاتلوہم حیث وجدتموہم کو نسخ مانا ہے بایں طور کہ لفظ حیث کو زمانہ کے معنی میں لیا ہے کہ مشرکین کو جس زمانہ میں پاؤ قتل کرو دو بہر حال نسخ کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا کہا مر غیر مرۃ ( مظہری و خازن و روح المعانی وغیرہ )

② حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ پہلی دو آیتوں سے اشہر حرم میں قتال کی ممانعت پر دلالت ہی نہیں ہے بلکہ یہ آیات تو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ پوری آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے پوری آیت اس طرح ہے یَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ مطلب یہ ہے کہ شہر حرام میں قتال کرنا اگرچہ گناہ کی بات ہے لیکن لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنا اور اسلام سے انکار کرنا اور مسجد حرام کی زیارت سے لوگوں کو روکنا اور اہل مکہ کو مکہ سے نکلنا یہ سب امور شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے رہتے ہیں خلاصہ یہ ہو کہ شہر حرام میں بلا وجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں ان سے لڑنا منع نہیں ہے بلکہ ان کی حرکات کی روک تھام کیلئے مقابلہ جائز ہے کیونکہ اخف کے مقابلہ میں اشد کی مدافعت ضروری ہے

جب پہلی دو آیتوں سے قتال فی الشہر الحرام کی ممانعت ثابت ہی نہیں ہوتی تو تیسری آیت کے ساتھ ان کا کوئی تعارض نہیں رہا ، ( الفوز الکبیر و شرح الروض النضیر )

③ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے حضرت عطار بن ابی رباح قسم کھا کر فرماتے تھے کہ قتال فی الشہر الحرام کی حرمت ہمیشہ کیلئے باقی ہے اور بھی متعدد حضرات تابعین اس حکم کو ثابت اور غیر منسوخ مانتے ہیں البتہ اس آیت میں قتال فی الشہر الحرام کو جو منسوخ قرار دیا گیا ہے اس سے مراد ابتداء قتال ہے کہ اشہر حرم میں ابتداء بالقتال کرنا حرام ہے اور آیت ثالثہ میں قتال فی الا شہر الحرام کی جو اجازت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مشرکین اشہر حرم میں قتال کی ابتداء کریں تو جوابی کارروائی کرتے







### دفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① دوسری آیت پہلی آیت سے منسوخ ہے پہلی آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے مقدم ہے لیکن نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے ابتداءً ترشیح الی المحول کا حکم تھا پھر ترشیح اربعہ اشہر عشر اکا حکم نازل ہو گیا اور پہلا حکم منسوخ ہو گیا جمہور مفسرین نے نسخ ہی کو اختیار کیا ہے ولا تعارض بعد النسخ (جلالین والفوز الکبیر)

② عدت و وفات تو اسلام میں ابتداءً ہی سے چار ماہ دس دن رہی مگر میراث کا حکم نازل نہ ہونے کی وجہ سے عورت کیلئے اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو ایک سال تک رہنے کا حق حاصل ہے اور اس زمانہ میں اس کو شوہر کے ترکہ میں سے نان و نفقہ بھی دیا جائے گا اور شوہروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کیلئے اس طرح کی وصیت کر جایا کریں اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اور صاحب حق کو اپنا حق وصول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اس لئے وارثین کیلئے عورت کو گھر سے نکلنا جائز نہ تھا البتہ اگر عورت چار ماہ دس دن عدت پوری کرنے کے بعد شوہر کے گھر سے نکلنا چاہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے تو اس کیلئے نکلنا بھی درست تھا اور نکاح کرنا بھی ، جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اب اس کو گھر اور مال میں سے حق میراث مل گیا ہے وہ اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ میں سے خرچ اٹھائے ، اس صورت میں یہ آیت نہ منسوخ ہے نہ پہلی آیت کے معارض ہے (بیان القرآن)

**ایک کی تو اب اسی کے مثل ملتا ہے یا قضا کے سوا پھر قضا کی مقدار کیا ہے**

### پارا نمبر ۱، ۲، ۳، ۷، ۸، ۲۷

آیات ① مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً  
 پارہ ۲ رکوع ۱۶ سورہ بقرہ جلالین ص ۳۷ ② مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا  
 فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَجْرًا كَرِيمًا پارہ ۲ رکوع ۱۶ سورہ الحديد جلالین ص ۲۲۹ ③ آت



المُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضْعِفَ لَهُمْ أُولَئِكَ كَرِيمًا  
 پارہ ۲۷ رکوع ۱۸ سورہ الحديد جلاين ۲۵ ﴿۴﴾ اِنْ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لِيُضْعِفَهُ  
 لَكُمْ اَلْحَ پارہ ۲۸ رکوع ۱۶ سورہ التغابن جلاين ۲۴۳ ﴿۵﴾ مَثَلُ الَّذِي يَتَّقُونَ اَمْوَالَهُمْ  
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ لِيُضْعِفَ  
 لَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ پارہ ۳۰ رکوع ۴ سورہ البقرة جلاين ۴۱ ﴿۶﴾ مَنْ  
 جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتِثَالِهَا پارہ ۳۱ رکوع ۷ سورہ الانعام جلاين ۱۲۹ ﴿۷﴾  
 ﴿۸﴾ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعَى پارہ ۳۲ رکوع ۷ سورہ النجم جلاين ۲۳۹

**تشریح تعارض** | ان آیات میں دو طرح سے تعارض ہے ایک تو پہلی چھ آیات کے

درمیان بایں طور کہ پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ کو قرض حسن دیتا ہے یعنی اس  
 کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا ثواب بہت گنا بڑھا کر عطا فرماتے ہیں اس سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب کئی کئی گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے دس گنا یا سات سو گنا کی کوئی  
 تحدید نہیں بلکہ حق تعالیٰ اس سے بھی زائد عطا فرمائیں گے، اور آیت نمبر ۷ میں ارشاد ہے کہ جو لوگ  
 اللہ کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ کسی نے بویا اس سے  
 سات بائیس اگلیں ہر بال میں سو سو دانے ہوئے یعنی ایک دانہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو دانوں کے  
 برابر ملتا ہے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دیا جاتا ہے اور اس آیت کے جملہ اخیرہ  
 وَاللَّهُ لِيُضْعِفَ لَنْ يَشَاءُ کا مطلب اگر لیضعف الی اکثر من سبعماتہ لیا جائے کہ جس کیلئے چاہتے ہیں  
 سات سو سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں تو اس جملہ کا مضمون پہلی چار آیات کے مرادف ہوگا اور اگر لیضعف  
 الی سبعماتہ لَنْ يَشَاءُ مراد ہو تو اس کا مضمون اس آیت کے اول حصہ کے مرادف ہوگا صرف یہ بتلانا  
 مقصود ہے کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا کر دینا حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جس کیلئے  
 چاہتے ہیں سات سو گنا کر دیتے ہیں، بہر حال اس آیت کے اول حصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی  
 کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے اور آیت نمبر ۷ میں ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا دیا جاتا ہے  
 پس ان آیات میں تعارض ہو رہا ہے کہ پہلی چار آیات میں تضاعف حسنہ بلا تحدید اور آیت نمبر ۷



میں تضاعف الی سبباً اور آیت نمبر ۷ میں تضاعف الی عشر امثالہا ہے ،  
 دوسرا تعارض پہلی چھ آیات اور اخیر کی آیت نمبر ۷ کے درمیان ہے یا میں طور کہ پہلی چھ  
 آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب تضاعف کے ساتھ ملتا ہے اور آیت نمبر ۷  
 سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب بغیر تضاعف کے اسی کے برابر ملتا ہے کیونکہ اس میں ارشاد  
 ہے لَيْسَ لِلنَّاسِ إِلَّا مَا سَعَىٰ كَرَّمَ اللَّهُ كَيْدَ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمَ الْعِقَابِ  
 اگر ایک نیکی کی ہے تو ایک ثواب اگر دو کی ہیں تو دو ثواب اگر تین کی ہیں تو تین و علیٰ ہذا القیاس ،  
 ایک نیکی کا ثواب دس گنا یا سات سو گنا نہیں دیا جاتا پس یہ آیت نمبر ۷ پہلی چھ آیات کے بظاہر معارضی  
 وضع تعارض | پہلے تعارض کے دو جواب ہیں ،

① دس گنا اور سات سو گنا اور اس سے زیادہ تضاعف کا تفاوت اخلاص و مشقت میں تفاوت  
 کے اعتبار سے ہے جس شخص کی نیکی میں ادنیٰ درجہ کا اخلاص یا مشقت ہوتی ہے اس کو دس گنا ثواب  
 ملتا ہے ، اوسط درجہ کے اخلاص و مشقت میں سات سو گنا اور اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور مشقت شدیدہ  
 کی صورت میں اس سے زیادہ مثلاً سات لاکھ بلکہ اور زائد تک تضاعف ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک  
 روایت میں بیس لاکھ اور چالیس لاکھ تک کا ذکر ہے ،

عن ابی عثمان النہدی قال بلغنی عن ابی  
 صریرة رضی اللہ عنہ قال ان اللہ یکتب لعبده المؤمن  
 بالمحسنة الواحدة الف حسنة فنجحت  
 ذلك العام ولم یکن اریدا ان اجمع الا  
 للقاء فی هذا الحدیث فلفقت اباه صریرة فقلت  
 له فقال لیس هذا قلت ولم یحفظ الذی  
 حدثك انما قلت ان اللہ یعطى العبد المؤمن  
 بالمحسنة الواحدة الف حسنة ثم قال

حضرت ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت  
 ابو ہریرہؓ نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ  
 کیلئے ایک نیکی کا ثواب دس لاکھ نیکیوں کے برابر کہتے  
 ہیں تو میں نے اسی سال حج کیا اور صرف اس ارادہ سے  
 حج کیا کہ حضرت ابو ہریرہ سے حج میں ملاقات ہو جائیگی  
 ان سے یہ حدیث معلوم کروں گا تو میری ملاقات حضرت  
 ابو ہریرہ سے ہو گئی میں نے ان سے (اس حدیث کے  
 متعلق) عرض کیا تو انھوں نے فرمایا میں نے یہ نہیں



ابو ہریرۃ اولیس تجدون هذا فی کتاب  
 اللہ تعالیٰ من ذالذی یقرض اللہ قرضاً  
 حسناً فیضعہ لہ اصحاباً کثیراً فالکثیرۃ  
 عنده تعالیٰ اکثر من الفی الف والفی الف  
 والذی نفسی بیدہ لقد سمعت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ یضاعف  
 الحسنۃ الفی الف حسنة رواہ احمد  
 وابن المنذر وابن ابی حاتم (روح المعانی ص ۱۶۳)

کہا تھا جس نے آپ سے حدیث بیان کی اس کو  
 یاد نہیں رہی میں نے تو یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومن بندہ  
 کو ایک نیکی کا ثواب میں لاکھ لکھتے ہیں پھر فرمایا کیا  
 تم اس چیز کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے من ذالذی  
 یقرض اللہ قرضاً حسناً الذی جو اللہ کو قرض حسن دیتا  
 ہے (یعنی الفاق فی سبیل اللہ) اس کے ثواب کو  
 حق تعالیٰ بہت زیادہ گنا بڑھادیتے ہیں اور اصحاب  
 کثیرہ اللہ کے نزدیک میں لاکھ اور بیس لاکھ سے  
 زائد ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ ایک حسنة کو چالیس لاکھ حسنات تک بڑھادیتے ہیں،

یا پھر وطن میں رہ کر اور سفر جہاد وغیرہ میں نکل کر نیکی کرنے کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے گھر  
 میں رہ کر سات سو اور فی سبیل اللہ میں نکل کر سات لاکھ کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ حضرت علیؑ ابوالدرداء  
 ابو ہریرہؓ، عمران بن حصینؓ، ابوامامہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اور جابرؓ کی روایت مرفوعہ میں ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس شخص  
 نے اللہ کے راستہ میں خرچ بیعید یا اور خود اپنے گھر  
 مقیم رہا تو اسکو ہر درہم پر سات سو درہم کا ثواب ملتا ہے  
 اور جو آدمی خود اللہ کے راستہ میں غزوہ کیلئے نکل جائے  
 اور وہاں جا کر خرچ کرے تو اس کو قیامت کے دن  
 ہر درہم پر سات لاکھ درہم کا ثواب ملتا ہے پھر  
 آپ نے یہ آیت (مثل الذین ینفقون اموالہم الخ)  
 تلاوت فرمائی۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من  
 ارسل بنفقة فی سبیل اللہ واقام فی بلیتہ  
 فلہ بكل درہم سبع مائۃ درہم ومن  
 فزا بنفسہ فی سبیل اللہ تعالیٰ والفق فی  
 وجہہ ذلک فلہ بكل درہم یوم القیمة  
 سبع مائۃ الف درہم ثم تلا هذه الآیۃ  
 (مثل الذین ینفقون اموالہم الخ) اخر ابن ماجہ  
 وابن ابی حاتم - (روح المعانی)



یا پھر مہاجرین و اعراب کا فرق ہوتا ہے کہ اعراب کیلئے دس گنا اور مہاجرین کیلئے سات سو گنا ثواب ہوتا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ابو اسحاق نے ابن عباسؓ سے اور سید بن حمید وغیرہ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ **فَلَهُ عَشْرًا مِثْلَهَا** والی روایت خاص کر اعراب (اہل دیہات) کے بارے میں نازل ہوئی ہے بہر حال مہاجرین تو ان کی نیکی تو سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ تضاعف سب کے حق میں عام ہے اعراب ہوں یا غیر اعراب (ہاں اخلاص و مشقت کا تفاوت بہر حال معتبر ہے)۔ روح المعانی،

② عشرہ وغیرہ سے مراد تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر مقصود ہے کہ حق تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب بہت زیادہ عطا فرمائیں گے اس توجیہ پر تمام آیات کا مفہوم متحد ہو جاتا ہے اور کوئی تعارض نہیں رہتا، (روح المعانی)

دوسرے تعارض کے چار جواب ہیں،

① لیس لسان الامتعی میں مثلیت کی تصریح نہیں ہے یعنی لیس لسان الامتعی نہیں فرمایا کہ انسان کو اس کی سعی حسن کے مثل ہی ثواب ملے گا تضاعف کے ساتھ نہیں جیسا کہ سیئہ کے بارے میں من جار بالسیئہ فلا یجزی الامثلہا میں مثلیت کی تصریح ہے بلکہ اس آیت میں تو مطلق کہا گیا ہے اور مقصود حصر کا یہ ہے کہ انسان کو صرف خود اسی کی سعی کا ثواب ملتا ہے دوسرے شخص کی سعی کا ثواب نہیں دیا جاتا ہے، البتہ ثواب کتنا دیا جاتا ہے اس کی کوئی تصریح نہیں کی گئی پہلی چھ آیات میں اس کو واضح کر دیا گیا کہ کسی کو دس گنا کسی کو سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زائد ثواب دیا جاتا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (مؤلف)

② اگر مثلیت مراد لی جائے تو جواب یہ ہے کہ یہ آیت عدل پر اور پہلی چھ آیات فضل پر محمول ہیں لہذا کوئی تعارض نہیں یعنی عدل و انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ ایک نیکی کا ثواب اسی کے مثل دیا جائے مگر حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ثواب میں انصاف فرمادیں گے، والی خراسان عبداللہ بن طاہر نے حضرت حسین ابن فضل سے اس آیت اور **وَاللّٰهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ** کے درمیان تعارض کے تعلق سوال کیا تو



حضرت حسین بن فضل نے جواب دیا لیس لہ بالعدل الاما سحی ولہ بالفصل ماشاء اللہ  
 کہ اگر حق تعالیٰ عدل ہے کام لیں تو اس کی سحی کے مثل ہی ثواب دیں گے اور اگر فضل و کرم فرمادیں تو  
 جتنا چاہیں بڑھا کر ڈھا کر ثواب عطا فرمادیں گے، اس جواب کو سن کر والی خراسان نے حضرت حسین  
 ابن فضل کا سر چوم لیا (روح المعانی)

۳) تضاغف ثواب اس صورت میں ہے جبکہ انسان اس نیت و امید پر نیکی کرے کہ حق تعالیٰ اس کا ثواب  
 بڑھا کر عطا فرمائیں گے اُس وقت گویا اس کی سحی تضاغف کیسا تھو ہے تو اس کا ثواب بھی تضاغف کے  
 ساتھ ہوگا پس تضاغف کی صورت میں جزا سحی کے مثل رہی فوق السحی نہیں ہونی لہذا پہلی چھ  
 آیات آیت نمبر ۷ کے معارض نہیں ہیں (تفسیر کبیر)

۴) لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ میں لام علی کے معنی میں ہے یعنی انسان کو اس کی سیئہ پر اسی  
 کے مثل عذاب دیا جائیگا پس پہلی چھ آیات حسنات کے بارے میں ہیں کہ ان کے اجر و ثواب میں  
 تضاغف ہوتا ہے اور اخیر کی آیت نمبر ۷ سیئات سے متعلق ہے کہ سیئہ کا بدلہ اسی کے مثل ملتا ہے  
 کَقَوْلِ تَعَالَىٰ مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا لِهَذَا كَوْنُ تَعَارُضٍ نَهَيْتُ عَنْهُ مَكْرًا تَوْجِيه  
 کو صاحب روح المعانی نے بعید اور خلاف ظاہر کہا ہے (روح المعانی)

**بعث بعد الموت کی کیفیت کیا ہوگی؟**

**پارہ ۳ و ۴**

آیات ۱) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنُ  
 قَالَ بَلَىٰ وَكِنْتُ لَيَطْمِئِنُّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ  
 اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ  
 حَكِيمٌ پارہ ۳ رکوع ۳ سورہ البقرہ جلا لیں ص ۴ ● ۲) كَمَا بَدَأْنَا  
 أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْيِدُهُ وَعَدْنَا عَلَيْكَ النَّارَ فَاعْبُدْنَا پارہ ۴



رکوع ۱۱ سورۃ الانبیاء جلا میں ص ۱۳۱

## تشریح تعارض

پہلی آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعثت بعد الموت کی کیفیت یہ ہوگی کہ اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے ان کے اجساد بنا کر ان میں روح ڈال دی جائے گی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ چار پرندے لیکر حق تعالیٰ سے اجازت موتی کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا تھا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لیکر پہلے ان کو خوب مانوس کر لو پھر ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کا پروں اور ہڈیوں سمیت خوب تیمہ سا بنا کر اس کے کئی حصے کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان سب پرندوں کو بلاؤ تو وہ سب زندہ ہو کر دوڑے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ چار پرندے ( مرغ، مور، گدھ، کوا ) لئے ان کو مانوس کیا پھر ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت، ہڈیوں اور پروں کو خوب باریک کاٹ کر اس کے سات حصے بنائے اور ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ دیا اس کے بعد ان جانوروں کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی پر سے پر اور خون سے خون گوشت سے گوشت بل کر سب اپنی اصلی ہیئت پر زندہ ہو کر ان کے پاس آگئے حق تعالیٰ نے یہ منظر دکھا کر واضح کر دیا کہ ہم قیامت کے دن اس طرح مردوں کو زندہ کریں گے کہ تمام مخلوق کے اجزاء بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو کر جو پورے عالم میں متفرق اور منتشر ہوں گے ان کو ہمارا منادی پکارے گا :

ایتھا العظام البالیۃ والجلود المتمزقة واللحوم المتفرقة هلتموا الی عرض الرحمن  
اے بوسیدہ ہڈیو، متفرق کھالو، اور متفرق گوشت کے ٹکڑے چلو اللہ کے سامنے پیش ہونے کیلئے  
چنانچہ تمام مخلوق کے اجزاء متفرقہ منتشرہ جمع ہو کر اجساد بن جائیں گے ان میں حق تعالیٰ روح ڈال کر زندہ کر دیں گے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت بعد الموت کی کیفیت اعادہ بعد الاعدام ہے یعنی ہر شے کو بالکل معدوم اور فنا کر کے دوبارہ موجود کیا جائیگا اس لئے کہ آیت ثانیہ میں فرمایا  
کما بدأنا اول خلق نعیدہا جس طرح ہم نے ہر چیز کو اول مرتبہ پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کریں گے اور ہر شے کی اول پیدائش عدم سے وجود میں لا کر ہوئی ہے پس اعادہ بھی ایجاد بعد الاعدام کے طور پر ہوگا پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،



## دفع تعارض | اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

① بعث بعد الموت کی کیفیت وہی ہے جو آیت اولیٰ میں بیان کی گئی ہے یعنی جمع بعد التفریق اور آیت ثانیہ کہا بد انا اول خلق لبعثہ میں جو خلق ثانی کو خلق اول کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ سہولت و آسانی میں تشبیہ ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے حاشیہ بیان القرآن میں اس کی تصریح کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے آسانی اور سہولت سے ہر شئی کو اول مرتبہ پیدا کر دیا اسی طرح آسانی اور سہولت سے دوبارہ پیدا کر دیں گے بعث بعد الموت ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے پس آیت ثانیہ میں کیفیت بعث سے کوئی گفتگو ہی نہیں ہے، لہذا یہ آیت اول کے تعارض نہیں ہے،

② آیت ثانیہ میں نفس خلق میں تشبیہ مقصود ہے نہ کہ کیفیت خلق میں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابتداء مخلوق کو پیدا کیا اسی طرح ہم ثانیاً بھی پیدا فرمادیں گے، یہی کیفیت خلق سورہ آیت نور سے معلوم ہو چکی کہ جمع بعد التفریق ہے فلا تعارض بینہما،

③ آیت ثانیہ میں احوال و اوصاف میں تشبیہ مقصود ہے کہ جس حالت اور جس صفت پر ہم نے اول مرتبہ پیدا کیا کہ حفاة، عراة، غزلانگے پاؤں ننگے بدن غیر مخمٹون پیدا ہونے اسی حالت و صفت پر ہم قیامت کے روز زندہ کر کے اٹھائیں گے اس کی تائید ایک صحیح روایت سے ہوتی ہے

حضرت ابن عباسؓ ہے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے کیلئے) کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم اللہ کے طرف ننگے پاؤں پیلے، ننگے بدن، غیر خفہ شدہ اٹھائے جائے جاؤ گے پھر آیت یہ آیت کہا بد انا اول خلق لبعثہ تبارک و تعالیٰ اور (فرمایا) مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال یا ایہا الناس اناکم تمشرون الی اللہ حفاة مشاة عراة غیر لا شرفاً کہا بد انا اول خلق لبعثہ و اول من یکفی من الخلق ابراہیم علیہ السلام (رواہ شیخان والترذی) مظہری

کو کپڑے پہنائے جائیں گے، تفسیر ابن کثیر میں بھی ایک روایت ہے،

عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال قال | حضرت سعید بن جبیر سے روای ہے کہ حضرت ابن عباسؓ



فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بموتنا  
 فقال انکم محشرون الی اللہ عزوجل  
 حُفَاةٌ عُرَاةٌ غُرُلًا کَمَا بَدَا نَا اَوَّلَ خَلْقٍ  
 لَعْنِدَہٗ وَعَدَا عَلَیْنَا اِنَا کْنَا فَاعِلِیْنَ وَذکر  
 تمام الحدیث اخراجہ فی الصحیحین من حدیث شعبہ و  
 ذکرہ البخاری عند ہذہ الایۃ فی کتابہ (ابن کثیر ص ۳۳۲)

نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان  
 وعظا فرمانے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ تم کو اللہ  
 عزوجل کی طرف ننگے پاؤں ننگے بدن غیر محسوس بجایا  
 جائیگا (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) جیسا ہم نے پہلی مرتبہ  
 پیدا کیا ایسے ہی ہم لوٹائیں گے یہ ہمارے اوپر وعدہ ہے  
 ہم اس کو پورا کر نیوے ہیں راوی نے آگے پوری

حدیث ذکر کی اس کی تخریج امام بخاری و امام مسلم نے اپنی صحیحین میں حضرت شعبہ کی حدیث سے کی ہے اور امام بخاری  
 نے اس کو اپنی کتاب میں اس آیت کے قریب ذکر کیا ہے (ابن کثیر)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کما بَدَا نَا اَوَّلَ خَلْقٍ لَعْنِدَہٗ سے مراد ایجاد و بعد الاعدام نہیں ہے بلکہ  
 بعث بعد الموت کی حالت و صفت کو بیان کرنا مقصود ہے کیفیت بعثت کی وہی ہے جو پہلی آیت  
 میں ہے یعنی جمع الاجزاء المتفرقة پس یہ آیت پہلی آیت کے معارض نہیں ہے

④ کَمَا بَدَا نَا اَوَّلَ خَلْقٍ لَعْنِدَہٗ میں بھی جمع من الاجزاء المتفرقة میں تشبیہ مقصود ہے جیسا کہ صاحب  
 روح المعانی نے ص ۱۱۱ پر ایک وجہ تشبیہ جمع من الاجزاء المتفرقة بھی بیان کی ہے یعنی جس طرح ہم  
 اجزاء متفرقة کو جمع کر کے اولاً پیدا کیا اسی طرح دوبارہ بھی اجزاء متفرقة کو جمع کر کے پیدا فرمائیں گے  
 تمام انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا میں کبھرے ہوئے  
 اجزاء و ذرات کو جمع کر کے ان کو پیدا کیا ہے انسان کی آفرینش جن ماں باپ کے ذریعہ ہوتی ہے اور  
 جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے وہ خود دنیا بھر کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات  
 ہوتے ہیں پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا سے نشوونما پاتا ہے جس سے اس کا خون اور گوشت  
 پوست بنتا ہے اس میں غور کیا جائے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو دنیا کے مختلف  
 ذرات سے بنی ہوئی ہے دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں اور ان جانوروں  
 میں یہ اجزاء اس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انھوں نے کھائے ہیں یہ گھاس دانے معلوم نہیں



کس کس خطہ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرات کو ان کی ترتیب میں شامل کر دیا ہے اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذا میں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں وہ کس کس گوشہ عالم سے کس کس طرح حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور نظامِ محکم نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرمادے ہیں اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے بدن ہی کی تحقیق اور ریسرچ کرنے بیٹھے تو اس کو یہ نظر آئیگا کہ اس کا وجود خود ایسے بیشمار اجزاء سے مرکب ہے جو کوئی مشرق کا ہے کوئی مغرب کا کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمالی حصہ کا، حق تعالیٰ نے جس طرح اجزائے منتشرہ کو جمع کر کے انسان بنا دیا اسی طرح مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر منتشر ہو جائیں گے حق تعالیٰ قیامت کے روز ان اجزاء متفرقہ منتشرہ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے جمع کر کے زندہ فرمادیں گے

( معارف القرآن )

قال الشاعر  
زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہور ترتیب  
موت کیا ہے؟ انھیں اجزاء کا پریشاں ہونا

پس دونوں آیتوں میں کیفیتِ بعثت کا بیان متحد ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن یہ توجیہ صرف ان اشیاء میں جاری ہوگی جو عناصر سے مرکب ہیں جیسے انسان، حیوانات، نباتات وغیرہ، بخلاف نفسِ عناصر کے کہ ان میں یہ توجیہ مشکل ہے اس لئے کہ تمام مسلمین کا اس بات کا اتفاق ہے کہ عناصر کی تخلیقِ اولیٰ اجزاء متفرقہ سے نہیں ہوئی بلکہ حق تعالیٰ نے ان کو عدم سے وجود بخشا ہے (روح المعانی)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بعثت بعد الموت کی دونوں کیفیتیں متحقق ہوں گی بعض کے اجزاء تو بالکل معدوم اور فنا ہو جائیں گے ان کو از سر نو پیدا کیا جائیگا جس کو آیتِ ثانیہ میں بیان کر دیا گیا اور بعض کے اجزاء متفرق اور منتشر ہو جائیں گے ان کو جمع کر کے پیدا کر دیا جائے گا جس کو آیتِ اولیٰ میں واضح کیا گیا ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ بعض حضرات کے بارے میں تو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ان کے اجسام بالکل محفوظ رہتے ہیں نہ معدوم ہوتے ہیں نہ منتشر، جیسے



حضرت انبیاء علیہم السلام کے اجسام کہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین پر حرام کر دیا ہے وہ جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، طبرانی شریف میں اخلاص کے ساتھ اذان دینے والوں کے بارے میں اور ابن مندہ کی حدیث حاملین قرآن کے مشفق بھی یہی وارد ہے کہ ان کے اجسام محفوظ رہتے ہیں (روح المعانی ص ۱۰۲)

## وَسَاوِسِ قَلْبِيهِ غَيْرِ اخْتِيَارِيهِ بِرِمْوَاحِذِهِ هُوَ كَايَا نَهِيهِ؟

### پارا نمبر ۳

آیات ۱) وَإِنْ تَبَدُّوْا مَا فِي النُّفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوْهُ يَحْسِبُكُمْ بِهِ اللّٰهُ بِرِمْوَاحِ ۳ رُكُوْعٌ

سورۃ البقرۃ جلايين ۲۵ ۲) لَا يَكْفِيُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا پارہ ۳ رُكُوْعٌ ۵

سورۃ البقرۃ جلايين ۲۵

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے قلوب میں جو خیالات و وساوس پیدا ہوتے ہیں اگر تم ان کو اپنے قول و عمل سے ظاہر کرو گے یا ان کو اپنے قلوب ہی میں چھپائے رکھو گے دونوں صورتوں میں حق تعالیٰ تمہارا حساب لیس کے حساب لینے کے بعد جس کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے بہر حال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قلوب میں آنیوالے برے خیالات و وساوس خواہ اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ، انسان ان کے دفع کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو ہر حال میں ان خیالات کا حساب ہو گا اور ان پر مواخذہ بھی ہو سکتا ہے اور آیت ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان انہیں چیزوں کا مکلف ہے جو اس کی وسعت و طاقت میں ہیں اور جو امور اس کی وسعت سے باہر ہیں ان کا وہ مکلف نہیں ان کے کرنے نہ کرنے پر کوئی مواخذہ و گرفت نہیں ہے معلوم ہوا کہ وساوس غیر اختیاریہ جن کے دفع کرنے پر انسان قادر نہیں ہے ان پر مواخذہ نہیں ہو گا پس دونوں آیتوں میں **تعارض** ہے پہلی آیت میں وساوس قلبیہ غیر اختیاریہ پر مواخذہ کا اثبات اور دوسری آیت میں مواخذہ کی نفی کی گئی ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،



۱ آیت اولیٰ میں وساوس اختیار یہ مراد ہیں یعنی وہ خیالاتِ فاسدہ جن کو انسان اپنے دل میں اختیار سے جگہ دیتا ہے ان پر مواخذہ ہوگا اور آیت ثانیہ میں وساوسِ غیر اختیار یہ مراد ہیں کہ ان پر مواخذہ نہیں ہوگا (بیان القرآن)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان سے معلوم کیا کہ ارادہ اور خیال پر بھی بندہ سے مواخذہ ہوگا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں اگر وہ ارادہ غم کے درجہ میں ہو تو مواخذہ ہوگا (خازن)

۲ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے جب ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی اور معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو صحابہ کرام گھبرائے اور ڈرے کیونکہ ان خیالات سے احتراز ممکن نہیں ہے تو حق تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا کہ اللہ تعالیٰ وسعت و قدرت سے زیادہ کا کسی کو مکلف نہیں بناتے لہذا جو خیالات دل میں آجائیں اور ان پر عمل نہ ہو اس میں کوئی گناہ اور گرفت نہیں ہے اس کی تائید ایک صحیح روایت سے ہوتی ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی وان تبدوا ما فی انفسکم الا یہ چیز دشوار گزری پس صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اب تک تو) ہمیں ان اعمال کا مکلف بنایا گیا تھا جو ہماری طاقت و قدرت میں ہیں یعنی نماز روزہ جہاد صدقہ اور اب اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمادی ہے (وان تبدوا ما فی انفسکم) کہ دل میں آنے والے خیالات پر بھی مواخذہ ہوگا

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه الا یہ فاشتد ذلک علی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم جثوا علی الركب فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفنا من الاعمال ما نطبق الصلوۃ والصوم والجهاد والصدقة وقد انزل اللہ علیک هذه الاية ولا نطبقها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تریدون



ان تقولوا كما قال اهل الكتابين من قبلكم  
 سمعنا ووعينا بل قولوا سمعنا واطعنا  
 عفرانك ربنا واليك المصير فلما اقرت اها  
 القوم وزلت بها السننهم انزل الله في  
 اثرها (امن الرسول) الاية فلما فخلوا  
 ذلك نسخها الله تعالى فانزل سبحانه  
 لا يكلف الله نفسا الا وسعها،  
 رواه احمد و مسلم (روح المعاني ص ۶۱)

ہم تو اس کی طاقت نہیں رکھتے (کہ ایسے خیالات بھی  
 دن میں نہ آنے دیں خیالات تو غیر اختیاری طور پر  
 دلوں میں آہی جاتے ہیں یہ معاملہ تو بہت دشوار ہو کر  
 رہ جائے گا ہم اس بارے میں حق تعالیٰ کی اطاعت  
 کیسے کر پائیں گے) آپ نے فرمایا (کہ حق تعالیٰ کو  
 اختیار ہے جو چاہیں حکم نازل فرمادیں تمہیں حق تعالیٰ  
 کے حکم کی اطاعت ہر حال میں کرنی ہوگی اور خیالات  
 قلبیہ سے احتراز کرنا ہوگا) کیا تمہارا ارادہ یہ ہے کہ تم

بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرح کہو سمعنا ووعینا (کہ ہم نے سن لیا مگر ہم آپ کے حکم کی فرمانبرداری نہیں کرتے  
 بلکہ نافرمانی کرتے ہیں) بلکہ تم لوگ تو یوں کہو سمعنا واطعنا انہ کہ ہم نے سن لیا اور ہم آپ کی اطاعت کریں گے  
 (اور کوشش کریں گے کہ دل میں خیالات نہ آئیں) اے اللہ ہماری مغفرت فرما تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے  
 صحابہ نے یہ پڑھا سمعنا واطعنا انہ مگر (یہ عہد و پیمان کرتے ہوئے) ان کی زبانیں لڑکھڑانے لگیں (کہ ہم وعدہ  
 کرتے ہیں مگر معلوم نہیں پورا کر پائیں گے یا نہیں کیونکہ وسوسے غیر اختیار سے احتراز کرنا ہمارے بس کی  
 بات نہیں ہے) تو حق تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی آمن الرسول انہ (جس میں حق تعالیٰ نے ان عہد و پیمان کرنے  
 والے مومنین کی مدح فرمائی) جب لوگوں نے یہ عہد و پیمان کر لیا (سمعنا واطعنا) تو حق تعالیٰ نے اس آیت کو منسوخ  
 کر دیا اور لا یكلف الله نفسا الا وسعها الاية نازل فرمائی (جس میں بتا دیا کہ تم لوگ وسعت کے  
 بقدر مکلف ہو لہذا غیر اختیاری خیالات و وسوسے پر تمہاری کوئی گرفت نہیں ہوگی)،

مگر اس توجیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ نسخ تو اشارات کے ساتھ مخصوص ہے اخبار میں نسخ جاری نہیں  
 ہوتا اور ان تبدوا ما فی انفسکم الخبر ہے نہ کہ انشار،

اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی کلام اگر لفظاً تو خبر ہو مگر معنی انشار ہو تو اس میں نسخ واقع ہو جاتا ہے  
 ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه بما سبکم بہ اللہ اگرچہ خبر ہے مگر مقصود اس کا یہ ہے کہ "تم لوگ



اپنے دلوں میں بُرے خیالات نہ آنے دو ورنہ گرفت ہوگی اور یہ مفہوم از قبیل نہیں ہے جو کہ انشادات میں سے ہے پس اس میں نسخ کا جاری ہونا قابل اشکال نہیں ہے، (روح المعانی ص ۶۴)

۳ پہلی آیت میں اثبات محاسبہ کا ہے اور دوسری آیت میں نفی مواخذہ کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امور قلبیہ پر محاسبہ تو ہوگا مگر مواخذہ نہیں ہوگا اسی لئے یحاسبکم بہ اللہ فرمایا یواخذکم باللہ نہیں فرمایا محاسبہ اور مواخذہ میں فرق ہے، محاسبہ تو یہ ہے کہ بندہ کو اس کے اعمال کی خبر دیدی جائے اور بتلا دیا جائے کہ تو نے یہ یہ اعمال کئے تھے تیرے دل میں فلاں فلاں معاصی کے خیالات آئے تھے مگر ان پر کوئی گرفت نہ کی جائے بلکہ ان کو معاف کر دیا جائے اور مواخذہ کا مطلب عذاب و سزا دینا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے یہی توجیہ منقول ہے اس کی تائید روایت مرفوعہ صحیح سے ہوتی ہے

صفوان بن محرز المازنی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ طواف کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے سامنے آکر دریا کیا کہ آپ نے خیال قلبی کے بارے میں جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو وہ مجھے بھی بتلائے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مومن اپنے رب کے قریب جائے گا حق تعالیٰ اس پر اپنا پردہ ڈالے گا اس کے بعد اس کے گناہوں کا اس سے اقرار کرائیں گے کہ تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے وہ دو مرتبہ کہے گا اے رب جانتا ہوں (میں نے فلاں فلاں گناہ کیا ہے) حق تعالیٰ فرمائیں گے میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی تھی اور آج تیری مغفرت کرتا ہوں پھر اس کے حساب کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا بہر حال دوسرے

عن صفوان بن محرز المازنی قال بینما ابن عمر یطوف اذ عرض لہما رجل فقال یا ابا عبد الرحمن اخبرنی ما سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی النجوی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یدنی المؤمن من ربہ حتی یضع علیہ کفہ فیقرره بذنوبہ تعرف ذنب کذا وکذا فیقول اعرف ربی اعرف مرتبتی فیقول اللہ سترتها علیک فی الدنیا انا اغفر مالک الیوم ثم تطوی صحیفۃ حسابہ واما الاخرون وصر الکفر والنفاق فینادی بصم علی رؤس الخلائق هؤلاء الذین کذبوا علی ربہم الا لعنة اللہ



علی الظلمین رواہ البخاری وسلم (خازن ص ۲۱۱) | لوگ جو کفار و منافقین ہیں) ان کو تو تمام مخلوق کے سامنے پکارا جائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا ہے یا در کھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے،  
 ۴ پہلی آیت میں جس مواخذہ کا اثبات ہے وہ مواخذہ فی الدنیا ہے اور دوسری آیت میں جس مواخذہ کی نفی ہے وہ مواخذہ فی الآخرة ہے لہذا کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں اور جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں، مطلب یہ ہوا کہ امور قلبیہ پر حق تعالیٰ دنیا میں مواخذہ فرماتے ہیں جن لوگوں کے قلوب میں معاصی کے خیالات و وساوس آتے رہتے ہیں ان پر حق تعالیٰ دنیا ہی میں دنیا میں غموم و ہوم طاری فرمادیتے ہیں آخرت میں ان پر کوئی عقاب نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے ارشاد بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے،

امام ضحاک نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ بندے کے دل میں جو بُرا خیال آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا محاسبہ اس پر یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں کو کسی رنج و غم یا تکلیف میں مبتلا فرمادیتے ہیں آخرت میں نہ اس سے سوال ہوگا نہ عذاب اور حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسی طرح کا جواب دیا تھا،

روی الضحاك عن عائشة رضي الله عنها قالت ما احدث العبد به نفسه من شر كانت محاسبة الله عليه بغير يبتليه به في الدنيا او حزن او اذى فاذا جاءت الآخرة لم يسئل عنه ولم يعاقب عليه وروت انها سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن هذه الآية فاجابها بما هذا معناه (تفسیر کبیر ص ۱۳۲)

۵ پہلی آیت میں جو مواخذہ کا اثبات ہے یہ تو اس شخص کے حق میں ہے جو خیالاتِ فاسدہ کو اچھا سمجھے اور ان پر مہر ہے اور آیت ثانیہ میں جو مواخذہ کی نفی ہے یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو ان خیالاتِ شر کو ناگوار سمجھے ان سے نفرت کرے، اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (تفسیر کبیر ص ۱۳۵)



**بندہ کو مالا لیطاق کا مکلف بنایا جاتا ہے یا نہیں؟**

**پارا نمبر ۳، ۱، ۵**

آیات ۱) لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَهَا پارہ ۳ رکوع ۵ سورہ البقرہ جلدین ۲۵

۲) لَا تُكْفِيكَ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَهَا پارہ ۵ رکوع ۶ سورہ الانعام جلدین ۱۲۸

۳) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ پارہ ۳ رکوع ۵ سورہ البقرہ جلدین ۲۵

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندہ کو ایسے امور

کا مکلف نہیں بناتے جو بندہ کی طاقت سے باہر ہوں اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کو مالا

کا مکلف بنایا جاتا ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے بندہ کو یہ دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے کہ اے

ہمارے رب تو ہمارے اوپر ان امور کا بوجھ مت ڈال جن کی ہم میں طاقت نہیں ہے اور ایسی دعا اسی

وقت کی جا سکتی ہے جبکہ حق تعالیٰ مالا لیطاق کا مکلف بناتے ہوں اگر حق تعالیٰ کسی کو مالا لیطاق کا

مکلف نہ بناتے ہوں تو پھر یہ دعا کرنا بے سود و بے معنی ہوگا کہ ہم کو مالا لیطاق کا مکلف نہ بنا ،

اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ مالا لیطاق کا مکلف بناتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو گیا کیونکہ

پہلی دو آیتوں میں تکلیف مالا لیطاق کی نفی اور تیسری میں اثبات ہے ،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

۱) آیت نمبر ۱ و ۲ میں نفی تکلیف کی ہے اور تیسری آیت میں اثبات تحمیل کا ہے نہ کہ

تکلیف کا اور تکلیف و تحمیل میں فرق ہے تکلیف کے معنی تو الزام مافیہ کلفۃ و مشقت ہے ایسی

چیز کو لازم کر دینا جس میں کلفت و مشقت ہو جیسے بندوں پر فرائض و واجبات کو لازم کر دیا گیا ہے

اور تحمیل کے معنی عوارض و حوادث اور عقوبات کا نازل کرنا ہیں پس پہلی دو آیتوں کا مطلب تو یہ

ہوگا کہ ہم بندوں پر ایسے امور کو واجب و فرض اور لازم نہیں کرتے جن کی بندوں میں طاقت نہ ہو اور

تیسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب آپ عوارض و حوادث اور عقوبات نازل فرمانے والے

ہیں ہر قسم کے عوارض و حوادث کا نازل کرنا آپ کے قبضہ قدرت میں ہے مگر اے ہمارے رب ہم پر



ایسے حوادث و عوارض مصائب و آلام مت ڈالنا جن کو ہم برداشت نہ کر پائیں پس جس شے کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں اور جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں کیونکہ اثبات تحمیل مالا یطاق کا ہے اور نفی تکلیف مالا یطاق کی ہے فلا تعارض بینہما، (روح المعانی بتغیر ص ۶۹ و ۷۰)

۲) تحمیل کو تکلیف ہی کے معنی میں لیکر جواب یہ ہے کہ پہلی دو آیتوں میں تکلیف مالا یطاق کے وقوع کی نفی ہے کہ حق تعالیٰ تکلیف مالا یطاق واقع نہیں فرماتے یعنی کسی کو مالا یطاق کا مکلف نہیں بناتے اور تیسری آیت میں تکلیف مالا یطاق کے امکان کا اثبات ہے مطلب یہ ہے کہ اے رب آپ اگرچہ مالا یطاق کا مکلف بنا سکتے ہیں تکلیف مالا یطاق ممکن ہے مگر ہم کو آپ مالا یطاق کا مکلف نہ بناؤ۔ پس نفی وقوع کی ہے اور اثبات امکان کا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ایسا جائز ہے کہ ایک شے ممکن ہو مگر واقع نہ ہو ہر ممکن کا واقع ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اہل سنت والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے کہ تکلیف مالا یطاق ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے، شرح عقائد اور اس کی شرح انبراس میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے، (مؤلف)

### پورا قرآن متشابہ ہی یا محکم یا بعض متشابہ و بعض محکم ہے؟

پارا نمبر ۳، ۱۱، ۲۲

آیات ۱) هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٍ پارہ ۳ رکوع ۷ سورہ آل عمران جلا میں ص ۱۷۲ ● ۲) الْكُرْكُوبُ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْهِ حَكِيمٌ خَبِيرٌ پارہ ۷ رکوع ۱۷ سورہ ہود جلا میں ص ۱۷۹ ● ۳) اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَابًا الْآيَةَ پارہ ۲۳ رکوع ۱۷ سورہ زمر جلا میں ص ۲۸۷

تشریح تعارض | پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ محکم اور بعض حصہ متشابہ ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تمام آیات یعنی پورا قرآن محکم ہے اور تیسری آیت میں کتاباً متشابہ کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن متشابہ ہے پس ان تینوں میں تعارض ہے







## غزوہ بدر میں کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آ رہی تھی یا کم؟

### پارا نمبر ۳۱۵

آیات ۱) وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَهُمْ رَأَى الْعَيْنِ پارہ ۳۱ رکوع ۱۵ سورہ  
ال عمران جلاین ص ۱۵۰ ۲) وَيَقَلِّدُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضَى اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا

پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورہ الانفال جلاین ص ۱۵۱

تشریح تعارض | پہلی آیت میں غزوہ بدر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتِي الْقَاتِلِينَ الَّتِي قَاتَلْتُمْ بِسَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ

مِثْلَهُمْ رَأَى الْعَيْنِ کہ جب مسلمانوں اور کفار کی دونوں جماعتیں باہم ایک دوسرے کے مقابل ہوگی

تھیں تو کفار مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے حالانکہ کفار کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اور

مسلمان تین سو سے کچھ زائد تھے مگر کفار کو مسلمان دیکھنے میں دوگنے نظر آ رہے تھے یہ مطلب اس احتمال پر

ہے کہ يَرَوْنَهُمْ کی ضمیر فاعل کفار کی طرف اور هم ضمیر مفعول مسلمین کی طرف راجع ہے اور مِثْلَهُمْ

کی ضمیر بھی کفار کی طرف لوٹ رہی ہے حضرت شیخ الحداد نے اسی احتمال کو لیکر ترجمہ کیا ہے "اور

دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دوچند صریح آنکھوں سے" اگرچہ ان ضمائر

کے مراجع میں اور بھی متعدد احتمالات ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم نے ان کو ترک کر دیا ہے،

بہر حال مسلمانوں کی تعداد قلیل ہونے کے باوجود حق تعالیٰ نے کفار کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کو کثیر

دکھلایا اور آیت ثانیہ میں ارشاد ہے وَيَقَلِّدُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ کہ حق تعالیٰ تم لوگوں کو کفار کی

نگاہوں میں قلیل دکھلا رہے تھے کہ کفار تم کو تعداد میں بہت کم دیکھ رہے تھے ویسے تو واقع میں بھی

مسلمانوں کی تعداد کفار سے کم تھی مگر حق تعالیٰ نے اور زیادہ کم کر کے دکھلانی جیسا کہ بعض روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے اصحاب سے کہا کہ ان کی تعداد تو

فقط اتنی معلوم ہوتی ہے جن کی خوراک ایک اونٹ ہو عرب میں ایک اونٹ کو سو آدمیوں کی خوراک

سمجھا جاتا تھا گو یا کفار کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد سو سے زائد نہیں ہے پس ان



دونوں آیتوں میں نظر تعارض ہے کہ پہلی آیت میں تو ہے کہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا یعنی دو ہزار کے قریب دیکھ رہے تھے اور دوسری آیت میں ہے کہ بہت کم دیکھ رہے تھے

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① اختلافِ زمان پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ لڑائی سے قبل تو حق تعالیٰ نے کفار کو مسلمانوں کی تعداد بہت کم دکھلائی حکمت اس میں یہ تھی اگر مسلمانوں کی تعداد شروع ہی میں کفار کو زیادہ دکھلا جاتی تو کفار پر رعب طاری ہو جاتا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے اور لڑائی کی نوبت نہ آتی اور حق تعالیٰ نے جو مشرکین کی ہلاکت کا فیصلہ کر رکھا تھا اس کا ظہور نہ ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے ابتداء لڑائی شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کی تعداد کفار کو بہت کم دکھلائی تاکہ وہ ان کی تعداد کو کم دیکھ کر کوئی خاص تیاری کئے بغیر لڑائی کیلئے میدان میں آجائیں اور جب لڑائی شروع ہوگئی تو کفار مسلمانوں کی تعداد کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے اور کفار پر مسلمانوں کا ایک رعب طاری ہو رہا تھا اور مسلمانوں کو کفار کی تعداد بہت قلیل نظر آرہی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں کفار صرف نوے کی تعداد میں دکھائی دیرہے تھے خلاصہ یہ ہوا کہ آیت اولیٰ لڑائی کے شروع ہونے کے بعد کے زمانہ پر محمول ہے اور آیت ثانیہ لڑائی شروع ہونے سے قبل کے زمانہ پر محمول ہے اور جب دو متعارض چیزوں کا زمانہ مختلف ہو تو تعارض نہیں رہتا،

(جناہین، تفسیر ابوالسعود وغیرہ)

② آیت اولیٰ میں یرؤنہم کی ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول دونوں کفار کی طرف راجح ہیں اور مثلیم کی ضمیر مسلمان کی طرف راجح ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ کفار اپنے آپ کو مسلمانوں سے کسی گنا زیادہ دیکھ رہے تھے حضرت تھا نوٹی نے بیان القرآن میں یہی ترجمہ کیا ہے، مثلین اگرچہ تشبیہ کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے اکثریت کو بیان کرنا ہے تحدید مقصود نہیں ہے کیونکہ کفار تو مسلمانوں سے واقع میں ہی تقریباً تین گنا زائد تھے مسلمانوں کی تعداد ان کو بہت کم نظر آنے کی وجہ سے اپنی تعداد ان کو تین گنے سے بھی زیادہ نظر آرہی تھی اس احتمال پر ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے



کیونکہ دونوں سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ کفار اپنے کو زیادہ اور مسلمانوں کو کم دیکھ رہے تھے،

## ایمان و اسلام میں اتحاد ہے یا مغایرت؟

پارا ۳، ۲۶، ۲۷، ۲۸

آیات ۱) اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ پارہ ۳ رکوع ۷۱ سورہ آل عمران  
جلالین ص ۲۸ ۲) وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ پارہ ۳ رکوع ۷۱

سورہ آل عمران جلالین ص ۵۶ ۳) فَاخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا  
غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمَسْجِدِ پارہ ۳ رکوع ۷۱ سورہ ذاریات جلالین ص ۲۳۳ ۴) قَالَتْ

الْاَعْرَابُ اَمْ نَأْتِلُ لَكُمْ تَوْهِيْنًا وَاَلَكِنِ قَوْلُوْا اَسْلَمْنَا پارہ ۲۶ رکوع ۱۲ سورہ الحجرات جلالین  
ص ۲۲۸

تشریح تعارض | پہلی تین آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں متحد ہیں اور  
چوتھی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں مغایرت ہے اس لئے کہ آیت اولیٰ میں حق تعالیٰ نے فرمایا

کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین فقط اسلام ہے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ کو پسند نہیں ہے  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بھی اسلام ہی ہے کیونکہ اگر ایمان اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین ہو تو اللہ

کے دین ایمان غیر پسندیدہ دین ٹھہرے گا اور ظاہر ہے کہ ایمان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ حق تعالیٰ کو پسند نہیں  
ہے باطل اور غلط ہے پس معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام دونوں متحد ہیں، اور دوسری آیت میں فرمایا جو شخص

اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہو وہ دین اس کا مقبول نہیں ہوگا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے  
کہ وہ دین عین اسلام ہے کیونکہ اگر غیر اسلام ہو تو ایمان مقبول عند اللہ نہیں رہے گا و ہُو باطل، اور

تیسری آیت میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مستعین کو اولاً مؤمنین سے ثانیاً مسلمین سے تعبیر  
کیا ہے لہٰذا فرمایا فَاخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ کہ جب ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب

نازل کرنا چاہا تو اس بستی میں جتنے مؤمنین تھے سب کو باہر کر دیا اس کے بعد فرمایا فَمَا وَجَدْنَا  
فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمَسْجِدِ کہ جب ہم نے مؤمنین کو نکلانے کا ارادہ کیا تو ہم کو اس بستی میں



مسلمانوں کے صرف ایک گھر کے علاوہ اور کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں بلا اور وہ گھر حضرت لوطؑ کا تھا جس میں بقول مجاہد حضرت لوط علیہ السلام اور انکی دو بیٹیاں تھیں اور بقول حضرت سعید بن جبیرؒ کل تیرہ افراد تھے (کمانی روح المعانی) پس حضرت لوط اور ان کے اہل کو اولاً مومنین سے اور ثانیاً مسلمین سے تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان و اسلام متحد ہیں، بہر حال یہ تینوں آیتیں ایمان و اسلام کے اتحاد پر دال ہیں اور چوتھی آیت سے دونوں میں مغایرت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ بنو اسد کے کچھ دیہاتی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا 'اٰمَنَّا' کہ ہم ایمان لائے حق تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ ابھی ایمان نہیں لائے لہذا اٰمَنَّا مت کہو تم لوگ ابھی صرف اسلام لائے ہو اس لئے یوں کہو اٰسَلَمْنَا کہ ہم اسلام لے آئے تو اس آیت میں ان دیہاتیوں کے ایمان کی نفی اور اسلام کا اثبات کیا گیا ہے جس کا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام میں مغایرت ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض کا رفع تعارض اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اسلام لغوی معنی کے اعتبار سے تو ایمان کے مغایر ہے مگر اصطلاح شرع میں دونوں کا مصداق متحد ہے اسلام لغت میں انقیادِ ظاہری کو کہا جاتا ہے یعنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنا اگرچہ تصدیقِ قلبی حاصل نہ ہو اور اصطلاح شرع میں اسلام انقیادِ باطنی کو کہتے ہیں یعنی تلفظ بالشہادتین بشرط التصدیقِ القلبی کا نام شرع میں اسلام ہے اور ایمان شرع میں التصدیقِ القلبی بشرط التلفظ بالشہادتین کو کہتے ہیں پس اصطلاح شرع میں دونوں متحد ہونے پہلی تین آیتوں سے جو ایمان و اسلام کا اتحاد ثابت ہو رہا ہے وہ مصداقِ شرعی کے اعتبار سے ہے اور آیت نمبر ۱۷ میں جو مغایرت ہے وہ مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہے، آیات ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱



**کفار سے دوستی مطلقاً جائز نہیں یا صرف عدم ضرر کی قوت؟**

پارا ۳، ۵، ۶، ۷، ۸، ۲۸

**آیات ۱** لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتًا **پارہ ۳** رُكُوع ۱۱ سورہ آل عمران جلايين ص ۲۹ ● **۲** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ **پارہ ۵** رُكُوع ۱۸ سورہ النساء جلايين ص ۹ **۳** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَّخِذْ مِنْهُمْ مَوْلًا فَانَّهُ مِنَ الْمُنَافِقِينَ **پارہ ۷** رُكُوع ۱۳ سورہ المائدہ جلايين ص ۱۰ **۴** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ هُزُؤًا وَرِعَابًا مِنَ الَّذِينَ آتَوْا الْكِتَابَ وَالْكَافِرَ أَوْلِيَاءَ **پارہ ۶** رُكُوع ۱۳ سورہ المائدہ جلايين ص ۱۰ **۵** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ الْبَغْيَ بِالْمُؤَدَّةِ **پارہ ۲۸** رُكُوع ۱ سورہ المتحنہ جلايين ص ۲۵۶

**تشریح تعارض | آیت نمبر ۱ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کفار کی طرف سے کسی قسم کے ضرر کا**

اندیشہ ہو تو ان سے موالاة اور دوستی رکھنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں کیونکہ اس میں إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتًا مِنْهُمْ تُقَاتًا کا استثناء کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۱ تا ۵ میں چونکہ کوئی استثناء نہیں ہے اس لئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ سے کسی حال میں بھی دوستی جائز نہیں ضرر کا اندیشہ ہو یا نہ ہو پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں،**

**۱** پہلی آیت میں موالاة مجازیہ اور اخیر کی آیتوں میں موالاة حقیقیہ مراد ہے، موالاة حقیقیہ قلبی تعلق اور حقیقی دوستی کو کہا جاتا ہے اور مجازاً اس کا اطلاق مداراة یعنی ظاہری خوش خلقی پر ہوتا ہے، آیت اولیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہیں کفار کی طرف سے کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو تو تو ان کے ساتھ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی کرنا درست ہے گفتگو اور ظاہری معاملات میں ان سے



اچھا برتاؤ کیا جائے تاکہ وہ ضرر رسانی نہ کریں البتہ قلبی تعلق قائم نہ کرے اور اگر کوئی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو مدارا بھی درست نہیں اور سبھی دیگر حالات ایسے ہیں جن میں مدارا کرنا درست ہے جیسے مدارا کرنے سے اگر کافر کے ہدایت پر آنے کی توقع ہو یا کوئی کافر یہاں نہ کرے تو اکرام ضیف کی خاطر مدارا کرنا جائز ہے اور اخیر کی چار آیات میں موالاة حقیقیہ یعنی قلبی دوستی و تعلق مراد ہے جو کفار کے ساتھ کسی بھی حال میں درست نہیں خواہ ضرر کا اندیشہ ہو یا نہ ہو لہذا کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن) پہلی آیت غلبہ اسلام سے قبل پر معمول ہے اور بعد کی آیات غلبہ اسلام کے بعد پر معمول ہیں جب تک اسلام کو قوت حاصل نہیں ہوئی تھی کفار کا غلبہ تھا اس وقت اندیشہ ضرر کی صورت میں موالاة اور دوستی کی اجازت دیدی گئی تھی جب اسلام کو قوت حاصل ہو گئی دین اسلام تمام ادیان پر غالب آ گیا تو موالاة سے مطلقاً منع کر دیا گیا اب بھی جن ممالک اور جن علاقوں میں کفار کا غلبہ ہو ان میں یہی حکم ہے کہ کفار کے ساتھ موالاة کی اجازت ہے ورنہ لوگ ضرر رسانی کے درپے ہوں گے (جلالین)

**حضرت زکریا کیلئے علا، تکلم سے تین دن رکنا تھا یا تین؟**

**پارا نمبر ۳، ۱۶**

**آیات** ۱) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَنْ لَا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا

پارہ ۳ رکوع ۱۲ سورہ آل عمران جلالین صفحہ ۵۰ ۲) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَنْ

لَا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ أَيَّامٍ سِوَايَ سِوَايَ پارہ ۳ رکوع ۲ سورہ ص جلالین صفحہ ۲۵

**تشریح تعارض** | جب حق تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں بڑھاپے اور ضعف کی عمر میں

بڑھاپے کی بشارت دی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ بیوی کے استقرار

حاصل کی کوئی علامت بتلا دیجئے جس سے میں سمجھ جاؤں کہ میری بیوی حاملہ ہو چکی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ

استقرار حاصل کی علامت یہ ہے کہ آپ لوگوں سے تین دن تک بات چیت نہیں کر سکو گے آپ کی زبان

بند ہو جائے گی صرف اشارہ سے بات چیت کر سکو گے جب ایسا ہو جائے تو سمجھ لینا کہ بیوی حاملہ



ہو چکی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے آیتِ اولیٰ میں "ان لا تکلم الناس ثلثۃ ایام فرمایا کہ تین دن بات نہ کرو گے اور آیتِ ثانیہ میں "ثلاث لیلیاں" ہے کہ تین رات بات نہ کر سکو گے یعنی پہلی آیت میں ایام اور دوسری میں لیلیاں کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یوم و لیل میں تعارض ہے پس دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے **دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ دونوں کا مجموعہ مراد ہے یعنی تین دن تین رات تک بات نہ کر سکو گے پہلی آیت میں ثلثۃ ایام بلیا لیلیاں اور دوسری آیت میں ثلاث لیلایاں بایاں مراد ہے البتہ سورہ آل عمران میں ایام اور سورہ مریم میں لیلیاں کہنے کی حکمت یہ ہے کہ رات دن پر مقدم ہوتی ہے اور سورہ مریم مکیہ ہونے کی وجہ سے مقدم اور سورہ آل عمران مدنیہ ہونے کی وجہ سے مؤخر ہے پس سورہ مقدمہ میں مقدم یعنی لیلیاں کو ذکر فرمایا اور سورہ متاخرہ میں مؤخر یعنی ایام کو ذکر کیا (صاوی)

## خالق حق تعالیٰ ہیں یا بندے بھی خالق ہیں؟

### پارا ۳، ۷، ۱۳، ۱۸، ۲۳

**آیات** | ① اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِّنَ الطَّیْرِ کَھِیئَۃَ الطَّیْرِ نَافِثٌ فِیْہِ پارہ ۳ رکوع ۱۳ سورہ  
 آل عمران جلا ۵ ص ۵ ② وَاذْ تَخْلُقُ مِنَ الطَّیْرِ کَھِیئَۃَ الطَّیْرِ الْاٰیۃ پارہ ۷ رکوع ۵  
 سورہ مائدہ جلا ۱۱ ص ۱۱ ③ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورہ  
 المؤمنون جلا ۲۸ ص ۲۸ ④ اِنۡدَعُوْنَ لِعِبَادٍ وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ پارہ ۲۳ رکوع ۸  
 سورہ صفت جلا ۳۷ ص ۳۷ ⑤ یَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنِّیْ یَلُوْنُ لَہٗ وَاَلَدٌ وَّلٰی یُکِنُّ  
 لَہٗا مٰحِیۃً وَّخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ذَلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ  
 فَاعْبُدُوْہُ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ پارہ ۷ رکوع ۱۹ سورہ الانعام جلا ۱۲ ص ۱۲ ⑥ قُلِ  
 اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ پارہ ۱۳ رکوع ۸ سورہ الرعد جلا ۲۰ ص ۲۰  
**تشریح تعارض** | پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بھی بعض اشیاء کا خالق ہے جیسا کہ



معتزلہ کا مسلک ہے کیونکہ پہلی دو آیتوں میں حضرت عیسیٰ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ مٹی سے پرندہ پیدا کرتے تھے خلق کی نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف کی گئی ہے جو اللہ کے بندے ہیں اور تمییری اور چوتھی آیت میں ہے اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ کہ حق تعالیٰ پیدا کرنے والوں میں سے بہترین پیدا کرنے والے ہیں اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدا کرنے والے اللہ کے علاوہ اللہ کے بندے بھی ہیں مگر حق تعالیٰ بہتر پیدا کرنے والے ہیں اور اخیر کی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

**دفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں ،**

① خلق کے معنی ایجاد و تکوین کے بھی آتے ہیں یعنی کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا اور خلق کا اطلاق تقدیر و تصویر اور تسویہ کے معنی پر بھی ہوتا ہے یعنی کسی شے کو ایک اندازے کے ساتھ تیار کرنا، کسی شے کی صورت شکل بنانا اور اس کو برابر و درست کرنا، خلق بمعنی ایجاد و تکوین تو حق تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے اللہ کے علاوہ کوئی مُکَوِّنٌ و مُوَجِّدٌ نہیں ہے اور خلق بمعنی التقدير و التصوير کا اطلاق بندوں پر بھی درست ہے اندازے کیساتھ کسی شے کی صورت شکل بندہ بھی بنا دیتا ہے پتھر لکڑی وغیرہ سے محسمے اور صورتیں تراش دیتا ہے ان کو چھیل کر رگڑ کر درست اور برابر کر دیتا ہے پس پہلی چار آیتوں میں لفظ خلق اسی دوسرے معنی میں مستعمل ہے ایجاد و تکوین مراد نہیں ہے قرینہ اس کا یہ ہے کہ ایجاد و تکوین بغیر مادہ کے ہوتا ہے حق تعالیٰ بغیر مادہ کے ابتداءً اشیاء کو عدم سے وجود بخشدیتے ہیں اور تصویر مادہ سے بنائی جاتی ہے اور اس آیت میں مادہ طین کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ مٹی لیکر اس سے پرندہ کی صورت بناتے تھے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ خلق یہاں پر ایجاد و تکوین کے معنی میں نہیں بلکہ تصویر کے معنی میں ہے حضرت عیسیٰ مٹی سے پرندے کی صرف شکل و صورت بنا دیتے تھے جیسا کہ کھئیۃ الطیر سے صاف ظاہر ہے اس میں روح اور جان پیدا کرنا حقیقی پرندہ بنانا یہ حق تعالیٰ کا کام تھا چنانچہ آگے ارشاد ہے نَبِّیُّنَ طَیْرِ اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِهٰۤیۡسَۃِ اٰیۡتِ نَمْرُوۡتَ وَاٰیۡتِ اِحْسَنِ الْخَالِقِیۡنَ كَۤیۡفَ اَحْسَنُ الْمَصۡوۡرِیۡنَ وَالْمَقۡدِرِیۡنَ ہاں کہ حق تعالیٰ تصویر بنانے والوں میں سے بہترین تصویر بنانے والے ہیں نہایت مستحکم و مستحسن اور مناسب



تصویر بناتے ہیں۔ اور اخیر کی دو آیتوں میں خلق بمعنی ایجاد و تکوین ہے کہ ہر شے کے کوئی و موجد حق تعالیٰ ہیں اس کے علاوہ اور کوئی کوئی و موجد نہیں ہے ناذرغ التعارض بین تکلیک الآیات (روح المعانی، تفسیر خازن، مظہری، ابن کثیر وغیرہ)

② دوسرا جواب صرف آیت نمبر ۳ و ۴ اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ سے متعلق ہے کہ یہ علی سبیل العوض کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ نفس الامر میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا خالق نہیں ہے لیکن اگر فرض کیا جائے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ اور بھی دوسرے خالقین ہیں تو حق تعالیٰ ان سے بہترین خالق ہیں، پس آیت نمبر ۳ و ۴ میں غیر اللہ کو خالق علی سبیل الفرض کہا گیا ہے اور اخیر کی دو آیتوں میں ہر شے کا خالق حق تعالیٰ کو نفس الامر کے اعتبار سے کہا گیا ہے فلا تعارض بینہما (تفسیر مظہری)

## حضرت آدم کی تخلیق کس چیز سے ہوئی؟

پاراہ نمبر ۳، ۵، ۱۲، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۷

- آیات ① اِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْتُهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لِذٰكِرٍ فَيَكُوْنُ پارہ ۳ رکوع ۱۲ سورہ ال عمران جلا لیں ص ۵۲ ② قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ پارہ ۸ رکوع ۹ سورہ الاعراف جلا لیں ص ۱۳ ③ وَبَدَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ پارہ ۲ رکوع ۱۲ سورہ السجدة جلا لیں ص ۳۴۹ ④ وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ پارہ ۲۳ رکوع ۱۲ سورہ ص جلا لیں ص ۳۸۴ ⑤ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلٰةٍ مِّنْ طِيْنٍ پارہ ۱۸ رکوع ۱ سورہ المؤمنون جلا لیں ص ۲۸۷ ⑥ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمٍَٔ مَّسْنُوْنٍ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورہ الحجر جلا لیں ص ۲۱۲ ⑦ وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمٍَٔ مَّسْنُوْنٍ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورہ الحجر جلا لیں ص ۲۱۲ ⑧ قَالَ لَمَّا كُنْ لَّا سَجْدًا لِّبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمٍَٔ مَّسْنُوْنٍ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورہ الحجر جلا لیں ص ۲۱۲ ⑨ اَنَا خَلَقْنَا هُم مِّنْ طِيْنٍ لَّا رِبَ



پارہ ۲۳ رکوع ۵ سورہ الصّٰفّٰت جلاّین ۳۷۳ ۱۰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

كَالْفَخَّارِ پارہ ۲۴ رکوع ۱ سورہ الرحمن جلاّین ۲۲۲

**تشریح تعارض** حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کس چیز سے ہوئی اس بارے میں آیات متعارض

ہیں پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مطلق مٹی سے پیدا کیا اور

آیت نمبر ۵ میں ہے کہ مٹی کے خلاصہ اور جوہر سے پیدا کیا سُلّٰتِ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ لَّدُنْہِ لَمْ یَجْعَلْہِ مِنْ طِیْنٍ

اور خلاصہ سَلَّتْ الشَّيْءُ مِنَ الشَّيْءِ سے ماخوذ ہے بمعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے نکالنا اور کھینچنا

سُلّٰتِ مِّنْ طِیْنٍ کا مطلب یہ ہوگا کہ مٹی میں سے خالص جوہر نکال کر اس سے آدم علیہ السلام کو بنایا

تفسیر ابوالسعود میں ہے خلق من صفوۃ سلت من طین ، صفوۃ کے معنی ہر شے کا خالص

اور عمدہ جزو ، اور آیت نمبر ۶ و ۷ و ۸ میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو بدبودار

گارے کی کھن کھن بننے والی مٹی سے پیدا کیا صَلْصَالٌ مَعْنٰی بَجْنِہِ وَالْمِطِیْہِ عِنْدَہِ جَبَّ اِسْہِ بِرُحْطٰی مَارِی

جائے تو اس سے آواز نکلے حَمًا کے معنی طینِ اسود کالی مٹی یعنی گارا مسنون کے معنی متغیر اور

بدبودار اور آیت نمبر ۹ میں ہے کہ چکنے والی مٹی سے پیدا فرمایا اور آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہے کہ

اِنْسَانَ (آدم) کو ٹھیکے کی طرح بننے والی مٹی سے پیدا کیا فَخَّارٌ مَعْنٰی اَکْمٌ مِّنْہِ اِیْہِ اِسْمٌ

یعنی ٹھیکرا ، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ان آیات سے اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم

علیہ السلام کی تخلیق مختلف اطوار و احوال کے ساتھ ہوئی ہے سب سے پہلے حق تعالیٰ نے زمین سے مٹی

لی اس کے اندر سے اس کا خلاصہ اور جوہر یعنی خالص اور عمدہ جزو نکالا اس کو پانی میں گوندھا جس

سے وہ طینِ لازب چکنے والی مٹی ہو گئی جیسے آٹا گوندھنے کے بعد ہاتھوں پر چکنے لگتا ہے پھر اس کو

کچھ عرصہ تک اسی طرح چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ حامسون بن گئی یعنی اس کے رنگ و بو میں تغیر

پیدا ہو گیا پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا اور مجسمہ تیار کیا جیسے لوٹا پیالہ وغیرہ دیگر برتن

بنائے جاتے ہیں پھر اس کو ہوا میں سکھا دیا جس سے وہ صَلْصَالٌ کالْفَخَّارِ انتہائی سخت ٹھیکے کی



مانند ہو گیا کہ اگر اس پر چکی ماری جائے تو آواز نکلے (یا یوں کہا جائے کہ اس مجسم کو سکھا کر آگ میں پکا دیا جس سے وہ ٹھیکرے کی طرح ہو گیا جیسے مٹی کے برتن سکھانے کے بعد آگ میں پکا کر ان کو بچتہ کر دیا جاتا ہے) اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عناصر رجبہ (مٹی، پانی، ہوا، آگ) سے ہوئی کہ مٹی کو پانی میں ملا کر ہوا میں سکھا کر آگ میں پکا دیا مگر چونکہ جزر غالب مٹی ہے اس لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے جیسے مٹی کا لوٹا پیالہ وغیرہ عناصر رجبہ سے بنایا جاتا ہے کہ مٹی کو پانی میں ملا کر برتن کی صورت بنا کر ہوا میں سکھانے کے بعد آگ میں پکا دیا جاتا ہے مگر جزر غالب مٹی ہونے کی وجہ سے مٹی کا لوٹا مٹی کا پیالہ کہا جاتا ہے یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ آگ پانی مٹی ہوا کا لوٹا ہے،

بہر حال حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مختلف احوال و اطوار کے ساتھ ہوئی ہے پہلی چار آیات میں ابتدائی حالت اور آیت نمبر ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ میں درمیانی حالت اور آیت نمبر ۱۰ میں حالتِ اخیرہ کو بیان کر دیا گیا فلا تعارض بین تلك الآيات (صاوی، جمل وغیرہ)

## کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

### پارہ نمبر ۳ و ۴

آیات ۱) لَا يَخْفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ پارہ ۳ رکوع ۱۷ سورہ آل عمران جلا لیں ص ۵۶

۲) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أزدَادُوا الْكُفْرَانَ نَقَبَلُ تَوْبَتَهُمْ پارہ ۳ رکوع ۱۷ سورہ آل عمران جلا لیں ص ۵۶

۳) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ الْآيَةُ پارہ ۳ رکوع ۱۷ سورہ النساء جلا لیں ص ۴۲

**تشریح تعارض** | پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی توبہ قبول ہو جاتی ہے کیونکہ آیت میں پہلے تو کفار کے لئے عذاب کی وعید سنائی پھر إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا الزَّكِيَّةُ استثناء فرمایا کہ جو کفار توبہ کرتے ہیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیتے ہیں ان کی حق تعالیٰ مغفرت فرمادیتے ہیں اور ان پر رحم فرماتا ہے



ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور آیت نمبر ۲ و ۳ میں لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اور لیست التَّوْبَةِ الْوَالِدِ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی <sup>نظراً</sup> پس ان آیات میں تعارض کا **دفع تعارض** اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① پہلی آیت اس صورت پر محمول ہے جبکہ کافر حضورِ موت اور حالتِ نزع سے پہلے پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور دوسری و تیسری آیت میں مراد یہ ہے کہ جب موت کا وقت آجائے نزع کی حالت طاری ہو جائے عالمِ آخرت کی چیزیں نظر آنے لگیں اس وقت اگر کافر کفر سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی جیسا کہ تیسری آیت میں تصریح ہے **حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي بُدِّلْتُ مِنَ الْإِيمَانِ تَوْبَةً لَّكَ يَا رَبِّ** اور قبولیت کی نفعی عند حضورِ الموت پر محمول ہے **فلا تعارض بینہما (حاشیہ جلا لین ص ۵۶)**

② کافر اگر کفر سے توبہ کرے اور اسلام لے آئے تو قبول ہو جاتی ہے لیکن اگر کافر کفر پر رہتے ہوئے اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو یہ قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ توبہ عن المعاصی کیلئے ایمان شرط ہے جو کافر میں مفقود ہے پس آیت اولیٰ توبہ عن الکفر پر محمول ہے اور آیت نمبر ۲ و ۳ توبہ عن المعاصی پر محمول ہیں **فلا تعارض بینہما (مفہوم من بیان القرآن ص ۵۶)**

## حق تعالیٰ سے کتنا ڈرنا چاہئے؟

### پاراہ نمبر ۲ و ۳

**آیات** ① **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** پارہ ۱ رکوع ۲ سورہ آل عمران جلا لین ص ۵۴ ② **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا** الآیۃ پارہ ۲ رکوع ۱۶ سورہ التغابن جلا لین ص ۲۶۳ ،

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں حکم دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے یعنی اس کی شایانِ شان اس کی عظمت و جلال کے لائق تقویٰ اختیار کرو اور دوسری



آیت میں فرمایا کہ تم حق تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،

① آیت اولیٰ آیت ثانیہ سے منسوخ ہے حق تعالیٰ نے اولاً تو اپنی شایانِ شان ڈرنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ بات لوگوں پر شاق گذری اس لئے کہ حق تعالیٰ کی شانِ عظمت و جلالت کے لائق ڈرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ بندہ ہر لمحہ اللہ کی اطاعت میں لگا رہے ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرے ہر وقت اللہ کا شکر کرتا رہے کبھی ناشکری نہ کرے ہر وقت اللہ کا ذکر کرتا رہے کبھی غافل نہ ہو اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم کا بالکل اندیشہ نہ کرے اور ہر چیز میں انصاف کرے خواہ وہ اپنے یا اپنے باپ اور بیٹے کے خلاف کیوں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اتنا تقویٰ اختیار کرنا بندہ کی طرف سے ناممکن ہے اس کے باوجود صحابہ کرام حق تقویٰ ادا کرنے کی کوشش کرتے اور پوری پوری رات عبادت میں گزارتے یہاں تک کہ ان کے پاؤں پر ورم آنے لگا جب لوگوں پر یہ امر شاق گذرا تو حق تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور آیت ثانیہ **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** نازل فرما کر حکم اول کو منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ جتنی تم میں طاقت ہے اتنا تقویٰ اختیار کرو، سعید بن جبیر کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے،

عن سعید بن جبیر قال لما نزلت اشد  
 على القوم العمل فقاموا حتى ورمت  
 عراقيهم وتقرحت جباههم فانزل الله  
 تعالى تخفيفا على المسلمين فاتقوا الله ما  
 استطعتم فنسخت الآية الاولى

رواه ابن ابی حاتم (روح المعانی)

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر عمل کرنا بھاری ہو گیا لوگ اللہ کی عبادت میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ ان کی رگوں پر ورم آنے لگا ان کی پیشانیوں پر زخم ہو گئے تو اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف فرماتے ہوئے آیت **فاتقوا الله ما استطعتم** نازل فرمائی پس پہلی آیت منسوخ ہو گئی،

بہت سے حضرات نے اس آیت کے متعلق نسخ ہی کا دعویٰ کیا ہے حضرت مقاتل کہتے ہیں کہ اس سورت میں اس آیت کے علاوہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے نسخ کا دعویٰ کیا جائے حضرت عبد اللہ بن مسعود بھی نسخ کے قائل ہیں، حضرت انس، قتادہ، ابن زید اور علامہ سدی سے بھی یہی مروی ہے



یہی حضرت ابن عباس کی ایک روایت ہے ولا تعارض بعد النسخ (روح المعانی، خازن، مظہری)  
 ۲) حَقُّ تَقَاتِهِ فِي "حَقِّ" حَقِّ الشَّيْءِ بِمَعْنَى ثَبَتٍ وَوَجَبٍ مِنْهُ مَا خُوِذَ بِهِ أَوْ حَقِّ كِيَانِهِ  
 تَقَاتِهِ كِيَانِهِ مِنْ أَضَافَةِ الصِّفَةِ إِلَى الْمَوْصُوفِ كَقَبْلِ سَعَى مِنْهُ أَسْلَسَ كِيَانِهِ أَلْفَوْا اللَّهَ تَقَاتِهِ حَقًّا  
 اِي ثَابِتًا وَاجِبًا لِعَنِ اللَّهِ مِنْهُ أَسْنَادٌ وَجَبْنَا دُرْنَا اللَّهُ كِيَانِهِ مِنْهُ بِرِوَاجِبٍ هُوَ أَوْ دُرْنَا كَتْنَا وَاجِبٍ  
 هُوَ اس كُو حَقِّ تَعَالَى نِي دُوسِرِي آيَتِي فِي بِيَانِ كَرِيَا فَا تَقُوا اللَّهَ مَا اسْتِطَعْتُمْ كَمَا تَمَّ بِرِحْبِ اسْتِطَاعَتِ  
 تَقْوَى وَاجِبٍ هُوَ بِسِ بَقْدَرِ طَاقَتِ تَمَّ اللَّهُ مِنْهُ دُرْتِي رِي آيَتِي ثَانِيَةِ آيَتِي أُولَى كَا بِيَانِ هُوَ ،  
 بِسِ كُوْنِي تَعَارُضٍ نِي هُوَ ، (روح المعانی)

۳) فَا تَقُوا اللَّهَ حَقِّ تَقَاتِهِ كَفِرٍ وَشَرِكٍ أَوْ أَمُورٍ عَقْدَادِيَةٍ مِنْهُ مَتَعَلِقٍ هُوَ أَوْ فَا تَقُوا اللَّهَ مَا اسْتِطَعْتُمْ  
 كَا تَعَلِقِ أَعْمَالٍ مِنْهُ هُوَ مَطْلَبٌ يَهُوَ كَمَا كَفِرٍ وَشَرِكٍ أَوْ أَمُورٍ عَقْدَادِيَةٍ فِي تَوْ حَقِّ تَعَالَى مِنْهُ أَسْنَادٌ رُو  
 جَبْنَا حَقِّ هُوَ أَوْ رُو يَهُوَ كَمَا اس كُو وَاحِدًا مَانُو كِي كُو اس كِي سَا مَتَّ شَرِيكٍ نِي بِنَاؤِ اس كُو ذَاتِ وَصِفَاتِ  
 فِي تَمَامِ عِيُوبٍ وَنَقَائِصٍ مِنْهُ أَوْ مَقْدَسٍ مَانُو - أَوْ أَعْمَالٍ فِي حَسْبِ اسْتِطَاعَتِ تَقْوَى اخْتِيَارِ كَرُو  
 اِ كَرُو مَانُو كِي طَاقَتِ نِي تُو تَمِيمٍ كَرِيَا كَرُو اِ كَرُو قِيَامٍ بِرِ قَدْرَتِ نِي هُو تُو بِيْطُ كَرِنَا زِ طُرْه لِيَا كَرُو اس تُو جِيَه كُو  
 عَلَامَةُ زَرَكْشِي نِي اَلْبِرْمَانِ فِي شِيخِ اَبُو اَلْحَسَنِ شَا ذَلِي مِنْهُ نَقْلُ كِيَا هُو حَفْرَتِ شَاهِ وَدِي اَللَّهِ مَحْدَثِ  
 دِهْلَوِي نِي اَلْفُوزِ اَلْكَبِيرِ فِي اسِي كُو اخْتِيَارِ كِيَا هُو (الرُوضِ النُّفِيرِ شَرِي اَلْفُوزِ اَلْكَبِيرِ)

۴) اَلْفُوزِ اَلْحَقِّ تَقَاتِهِ كَا مَطْلَبٌ يَهُوَ كَمَا تَمَامِ مَعَاصِي مِنْهُ اجْتِنَابِ كَرُو اب يَهُوَ آيَتِي نِي تُو دُوسِرِي  
 آيَتِي مِنْهُ مَسُوخِ هُو كِي كِيُونَكِي جَمِيْعِ مَعَاصِي مِنْهُ اجْتِنَابِ كِي حَكْمِ كُو مَسُوخِ كَرِنِي كَا مَطْلَبٌ تُو يَهُوَ نَكَلْتَا هُو كَمَا  
 بَعْضِ مَعَاصِي كِي كَرِنِي كِي اِجَازَتِ دِي جَارِي هُو حَالَا نَكْرِيَه بَا طَلُّ هُو اُو رِنِي هُو يَهُوَ آيَتِي دُوسِرِي آيَتِي كِي  
 مَعَارُضِ هُو كِي اس لِي كَمَا تَمَامِ مَعَاصِي مِنْهُ بِيْنَا اِنْسَانِ كِي طَاقَتِ مِنْهُ بَا هِرِ نِي هُو بِسِ جُو اَدْمِي صِلَاحِ وَ  
 عِفْتِ كِي سَا مَتَّ زَنْدَكِي كَذَارِي مَعَاصِي مِنْهُ اجْتِنَابِ كَرِنَا هُو اس نِي اَلْفُوزِ اَلْحَقِّ تَقَاتِهِ اُو رِنَا فَا تَقُوا  
 اللَّهَ مَا اسْتِطَعْتُمْ دُونِ آيَتِي بِرِ عَمَلِ كَرِيَا اُو رِنِ دُونِ آيَتِي كَا مَفْهُومِ اس صُوْرَتِ فِي مَتَّجِدِ هُو كِيَا  
 فَا تَعَارُضِ بَيْنَهَا ، (تَفْسِيْرُ كَبِيْر)



۵) ابن عطاء فرماتے ہیں کہ پہلی آیت مقربین کے حق میں ہے اور دوسری آیت ابرار کے حق میں ہے حضرت مقربین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ وجود مجازی سے نکل کر وجود حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ کے علاوہ ان کو کسی شے کا وجود نظر نہیں آتا اور وہ لوگ لا موجود الا اللہ کا لہرہ لگاتے ہیں یہی حق تقویٰ ہے جو مقربین حضرات ادا کرتے ہیں پس آیت اولیٰ میں مقربین کو خطاب ہے کہ تم لوگ حق تقویٰ ادا کرو اور آیت ثانیہ میں ابرار عوام الناس کو خطاب ہے کہ تم لوگ بقدر وسعت و طاقت اللہ سے ڈرو حق تقویٰ تم سے ادا نہیں ہو سکتا فانذرع التعارض بینہما (الروض النضیر مع زیادة)

## غزوہ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے کتنے فرشتے بھیجے گئے؟

### پارا ۱۷ و ۹

آیات ۱) اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنَزَّلِيْنَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۷ سورہ آل عمران جلا میں ص ۶۰۹ ۲) يُمِدُّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۷ سورہ آل عمران جلا میں ص ۶۰۹ ۳) فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرَدِّفِيْنَ پارہ ۹ رکوع ۱۵ سورہ الانفال جلا میں ص ۱۳۸

تشریح تعارض | غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم اور مشرکین کی تعداد زیادہ تھی، حق تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی لیکن فرشتوں کی تعداد کے متعلق آیات مختلف ہیں پہلی آیت میں ہے کہ تین ہزار فرشتوں کو بھیج کر مدد فرمائی دوسری آیت میں ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی اور تیسری آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے پس ان میں تعارض ہے **دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو ایک ہزار فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا پھر رفتہ رفتہ فرشتوں کی تعداد میں اضافہ فرمایا حضرت عمر رضی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ مشرکین ایک ہزار کی تعداد میں ہیں اور صحابہ صرف تین سو ہیں



تو آپ نے قبلہ رو ہو کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اے اللہ آپ نے جو مجھ سے نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے وہ پورا فرما دیجئے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر کوئی تیری عبادت کرنیوالا نہیں رہے گا نہایت الحاح و زاری کے ساتھ آپ یہ دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے شانہ مبارک سے نیچے گر گئی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اٹھا کر آپ کے شانہ مبارک پر ڈالی اور پیچھے کی طرف سے آکر آپ سے چمٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ کا حق تعالیٰ سے دعا کر لینا کافی ہے (آپ زیادہ فکر نہ کریں) اب حق تعالیٰ وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے چنانچہ دعا قبول ہوئی اور ایک ہزار فرشتے بھیجے کا وعدہ فرمایا کہ یکے بعد دیگرے ایک ہزار فرشتے آئیں گے اسی کو سورہ انفال کی آیت میں فرمایا گیا فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّي مَنَّادٌ بِكُمْ بِالْفِئَةِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور مسلمانوں کے شکر کے دائیں حصہ میں جس میں حضرت ابو بکرؓ تھے شریک ہو کر قتال کیا اور پانچ سو فرشتے حضرت میکائیل علیہ السلام لیکر نازل ہوئے انھوں نے شکر کے بائیں حصہ میں جس میں حضرت علیؓ تھے شامل ہو کر قتال کیا اس کے بعد مسلمانوں کو خبر ملی کہ مشرکین کی امداد کیلئے اور لوگ آرہے ہیں چنانچہ ابن ابی شیبہ اور ابن منذر وغیرہ نے حضرت امام شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کو غزوہ بدر میں یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مغربی مشرکین کی امداد کا ارادہ رکھتا ہے اس سے مسلمانوں کو بے چینی ہوئی حق تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اِنَّ كَيْفِيَكُمْ اَنْ يُعِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ جس میں تین ہزار فرشتے امداد کیلئے بھیجے کا وعدہ فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر کفار نے ایک دم حملہ کر دیا اور تم لوگ صبر و تقویٰ پر ثابت قدم رہے تو حق تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے خاص نشانی کے ساتھ بھیج کر امداد فرما دیں گے چنانچہ سفید عمامے باندھے ہوئے فرشتے نازل ہوئے اور مسلمانوں کا تعاون کیا اور حق تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں کو نصرت عطا فرمائی،

- خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً ایک ہزار فرشتے نازل ہوئے پھر دو ہزار فرشتے اور آئے کل تین ہزار ہو گئے پھر دو ہزار اور بھیجے گئے کل پانچ ہزار ہو گئے حضرت حسنؓ سے یہی مروی ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ اولاً



ایک ہزار آئے پھر مزید تین ہزار آئے پھر ان کے علاوہ پانچ ہزار آئے کل تعداد نو ہزار ہوگی اور اگر اس امداد کو غزوہ اُحد کے واقعہ پر محمول کیا جائے تو کل تعداد آٹھ ہزار ہوتی ہے کیونکہ غزوہ اُحد میں ایک ہزار والی پہلی امداد کا ذکر نہیں ہے، کمافی الخازن، اور روح المعانی میں جو تعداد کا مجموعہ آٹھ ہزار مذکور ہے وہ غزوہ اُحد پر محمول کرنے کی صورت میں ہے بہر حال اس تفصیل کے بعد ان آیات میں کوئی تعارض نہیں رہا (روح المعانی، خازن، صاوی، تفسیر ابو السعود، بیان القرآن، اجل وغیرہ)

### تمام گناہوں کی مغفرت ہوگی یا بعض کی؟

پارا ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰

**آیات ۱** ۱) وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنۢ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنۢ يَّشَاءُ  
 پارہ ۴ رکوع ۱۱ سورہ آل عمران جلا میں ص ۶ ۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنۡ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ  
 مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنۢ يَّشَاءُ پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ النساء جلا میں ص ۸۷ ۳) يَغْفِرُ لِمَنۢ  
 يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنۢ يَّشَاءُ پارہ ۶ رکوع ۷ سورہ المائدہ جلا میں ص ۹۷ ۴) يُعَذِّبُ مَنۢ  
 يَّشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنۢ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پارہ ۷ رکوع ۱۱ سورہ المائدہ جلا میں ص ۱۰۷  
 ۵) يُعَذِّبُ مَنۢ يَّشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنۢ يَّشَاءُ وَاِلَيْهِ تُقْبَلُوْنَ پارہ ۸ رکوع ۱۲ سورہ عنکبوت  
 جلا میں ص ۳۳۶ ۶) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنۢ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنۢ  
 يَّشَاءُ پارہ ۹ رکوع ۱۱ سورہ الفتح جلا میں ص ۴۲۲ ۷) قُلۡ يُعْبَادُوْنِ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا  
 عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ  
 الرَّحِيْمُ پارہ ۱۰ رکوع ۳ سورہ الزمر جلا میں ص ۳۸۹

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ تا ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شرک کے علاوہ جن گناہوں کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے جن پر چاہیں گے عذاب دیں گے مطلب یہ ہے کہ تمام گناہوں کی مغفرت ضروری نہیں بلکہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ عذاب دینا چاہیں گے تو عذاب بھی دیدیں گے اور



آیت نمبر ۷ میں ارشاد ہے کہ اے حد سے تجاوز کر نیو الو میرے گنہگار بند و اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کی مغفرت فرمادیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں کی مغفرت یقینی ہے کسی گناہ پر عذاب نہیں ہوگا پس یہ آیت پہلی چھ آیتوں کے بظاہر معارض ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① پہلی چھ آیات قبل التوبہ پر محمول ہیں اور ساتویں آیت بعد التوبہ پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر گناہوں سے توبہ کئے بغیر مر گیا اگر وہ مشرک ہے تو اس کی تو مغفرت نہیں ہوگی اور اگر مؤمن عاصی ہے تو اس کے گناہوں کا مسئلہ حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے چاہیں گے تو عذاب دیدیں گے اور اگر کافر اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیتا ہے اور شرفِ اسلام ہو جاتا ہے تو حالت کفر میں کئے ہوئے تمام معاصی معاف ہو جاتے ہیں اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِيْكُمْ اِلَى صِرَاطٍ مُّبِيْنٍ اور اگر مؤمن عاصی ہے اور واپس آئے تمام گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور اس کی توبہ شرائطِ صحت پر پوری اترتی ہے تو حق تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں کسی گناہ پر عذاب نہیں دیں گے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (جمل)

② آیت نمبر ۷ میں ان اللہ یغفر الذنوب جميعاً مَعْتَدٍ ہے لمن نَّشَأَ اِذْ اُكْرِمْتُمْ قُرْبٰنًا مِّنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَبُونَ اس کا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کی قرأت میں اس کی تفسیر وارد ہوئی ہے پس اس آیت میں بھی پہلی چھ آیات کی طرح مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی)

**جنت پیدا شدہ ہے یا قیامت کے بعد پیدا کی جائیگی؟**

**پارا نمبر ۴ و ۵ و ۶**

آیات ① وَسَارِعُوْا اِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ آل عمران جلا میں ص ۶ ② سَابِقُوْا اِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا



بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ پاره ۲۷ رکوع ۱۹ سورۃ الحديد جلايين ۲۵۱ ● (۳) تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ

بِجَعْلِهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا پاره ۲ رکوع ۱۲ سورۃ القصص جلايين ۲۳۲

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ و ۲ میں جنت کے متعلق اُعدَّتْ صیغہ ماضی استعمال

کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے اور آیت نمبر ۳ میں جنت کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آخرت کا گھر ہم اس کو ان لوگوں کیلئے بنائیں گے جو زمین میں تکر اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اس میں بِنَجْعَلُهَا مَضَارِعًا کا صیغہ ہے جو اس بات پر دال ہے کہ جنت ابھی پیدا نہیں کی گئی ہے بلکہ قیامت کے بعد پیدا کی جائے گی جیسا کہ معتزلہ کا مسلک

ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① صیغہ مَضَارِعًا فقط استقبال ہی کیلئے نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ حقیقتہً تو حال کیلئے ہے اور مجازاً اتمراً

کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس میں ماضی حال و استقبال تینوں داخل ہیں جیسے لَسَجُ لِلَّذِينَ الْمَانِي السَّمَوَاتِ

وَالْمَانِي الْأَرْضِ میں لَسَجُ صیغہ مَضَارِعًا اتمراً کے لئے مستعمل ہے ایسے ہی بِنَجْعَلُهَا میں صیغہ مَضَارِعًا اتمراً

کیلئے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے اور اب بھی موجود ہے آئندہ بھی موجود رہے

گی پس یہ آیت اُعدَّتْ والی آیتوں کے معارض نہیں ہے، (النبیر اس)

② بِنَجْعَلُهَا میں جعل خلق کے معنی میں مستعمل نہیں ہے جو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے بلکہ یہ تملیک کے

معنی میں ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے مفعول اول ہا ضمیر ہے اور مفعول ثانی لِلَّذِينَ الْخَيْرُ ہے

معنی یہ ہونگے کہ ہم مالک بنادیں گے جنت کا ان لوگوں کو جو زمین میں تکر و فساد نہیں کرتے اس سے

یہ لازم نہیں آتا کہ جنت اسی وقت پیدا کی جائے گی بلکہ جنت تو پہلے ہی پیدا کی جا چکی ہے البتہ

اب تک اہل جنت کو جنت کا مالک نہیں بنایا گیا ہے قیامت کے بعد مالک بنایا جائے گا پس مَضَارِعًا

استقبال کے معنی میں ہونیکے باوجود یہ آیت پہلی دونوں آیتوں کے معارض نہیں رہی، (النبیر اس)



## مؤمنین کیلئے آخرت میں رسوائی ہوگی یا نہیں؟

پارا ۴ و ۲۸

**آیات ۱** رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ پارہ ۴ رکوع ۱۱ سورہ  
ال عمران جلا میں ص ۶۷ ● (۲) يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ الْآيَةُ  
پارہ ۲۸ رکوع ۲ سورہ التحريم جلا میں ص ۲۶۶

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ جس کو بھی جہنم میں داخل  
فرمائیں گے اس کو رسوا اور ذلیل فرمائیں گے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جن گنہگار مؤمنین کو حق تعالیٰ  
اپنی مشیت کے مطابق جہنم میں داخل کریں گے وہ بھی رسوا اور ذلیل ہوں گے اور دوسری آیت میں ہے  
کہ اللہ نبی کو اور مؤمنین کو رسوا نہیں فرمائیں گے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے چار جواب ہیں

① آیت اولیٰ میں ادخال فی النار سے مراد ہمیشہ کیلئے داخل کرنا ہے یعنی حق تعالیٰ جس کو ہمیشہ کیلئے  
جہنم میں داخل کریں گے اس کو رسوا فرمائیں گے اور ہمیشہ کیلئے داخل ہونے والے کفار ہیں پس یہ آیت  
کفار کے متعلق ہے کہ یہ لوگ جہنم میں رسوا اور ذلیل ہوں گے اور دوسری آیت مؤمنین کیلئے ہے کہ ان کو  
رسوائی و ذلت نہیں ہوگی حضرت انسؓ سعید بن المسیبؓ قتادہ اور ابن جریج سے یہی منقول ہے اور  
اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (صاوی، روح المعانی)

② اختلاف اشخاص ہی پر محمول ہے یا اس طور کہ آیت ثانیہ میں 'امَنُوا مَعَهُ' سے مراد صحابہ ہیں  
کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے ان کو آپ کی معیت اور صحبت نصیب ہوئی ان کو رسوا نہیں  
فرمائیں گے اور آیت اولیٰ میں کفار اور عصاة مؤمنین مراد ہیں لہذا کوئی تعارض نہیں، (روح المعانی)  
③ آیت ثانیہ میں دائمی رسوائی کی نفی مقصود ہے کہ حق تعالیٰ مؤمنین کو ہمیشہ کیلئے رسوا نہیں  
کریں گے اگر بعض عصاة مؤمنین کو جہنم میں داخل کر کے رسوائی ملے گی تو وہ ہمیشہ کیلئے نہیں ہوگی،  
بلکہ ایک عرصہ تک عذاب ہونے کے بعد جہنم سے نکل کر جنت میں بھیجا جائے گا اور رسوائی سے



نجات مل جائے گی پس آیت اولیٰ میں اثباتِ مؤمنین کے حق میں خنزری غیر دائمی کا ہے اور آیت ثانیہ میں نفی خنزری دائمی کی ہے لہذا کوئی تعارض نہیں، (روح المعانی)

۴) لفظ اخزار مشترک ہے دو معنی کے درمیان ایک تخیل (شرمندہ کرنا) دوسرے اہلاک (ہلاک کر دینا)۔ آیت اولیٰ میں اثباتِ اخزار بمعنی تخیل کا ہے اور آیت ثانیہ میں نفی اخزار بمعنی اہلاک کی ہے مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ عصاة مؤمنین کو شرمندہ تو فرمائیں گے مگر ہلاک نہیں کریں گے جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں فلا تعارض بینہما (روح المعانی)

**انسان اپنی ازواجِ متعدد کے مابین عدل و مساوات کر سکتا یا نہیں؟**

**پارا ۴ و ۵**

**آیات ۱** ۱) فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۖ پارہ ۴ رکوع ۱۲ سورۃ النساء  
جلالین ص ۶۹ ۲) وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۗ

پارہ ۵ رکوع ۱۶ سورۃ النساء جلالین ص ۸۸

**تشریح تعارض** | الشہل شانہ نے مرد کو ایک سے بیکر چار عورتوں تک سے شادی کرنے

کی اجازت دی ہے اس کے ساتھ ساتھ بیویوں کے مابین عدل و مساوات قائم کرنا واجب قرار دیا اور یہ بھی فرمایا فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً یعنی اگر تمہیں یقین ہے کہ متعدد بیویوں کے مابین عدل

و مساوات قائم کر سکو گے تو متعدد عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ ان کے

مابین عدل و انصاف نہیں ہو سکے گا تو صرف ایک عورت سے شادی کرو متعدد عورتوں سے نکاح کی اجازت

نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اگر چاہے تو متعدد بیویوں کے مابین عدل و انصاف کر سکتا ہے پس

اگر عدل کر سکے تو متعدد شادیاں کرے ورنہ ایک کی اجازت ہے متعدد کی نہیں، اور آیت ثانیہ میں قطعی

طور پر فرمادیا گیا کہ تم متعدد عورتوں کے درمیان ہرگز عدل و مساوات نہیں کر سکتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا

ہے کہ متعدد شادیاں کرنے کی مطلق اجازت نہیں ہے فقط ایک سے شادی کرے پس ان دونوں



آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیتِ اولیٰ میں اُن امور میں مساوات مراد ہے جو

انسان کے اختیار میں ہیں جیسے نان و نفقہ میں مساوات کرنا، بات گزارنے میں برابری کرنا وغیرہ کہ

ان امور میں عدل و مساوات بین الناس واجب ہے اگر ان چیزوں میں مساوات کرنے کا یقین ہے

تو متعدد شادیاں کر سکتا ہے اور اگر عدم مساوات کا اندیشہ ہے تو تعدد کی اجازت نہیں فقط ایک

شادی کرے اور آیتِ ثانیہ میں جو مساوات پر قدرت کی نفی کی گئی ہے یہ امور غیر اختیار یہ کے

بارے میں ہے جیسے محبت اور قلبی میلان اور جماع کرنا چنانچہ امام بیہقی نے حضرت عبیدہ سے نقل کیا

ہے کہ اس سے مراد لَنْ تَسْتَطِيعُوا ذَٰلِكَ فِي الْحُبِّ وَالْجَمَاعِ ہے ابن منذر نے حضرت عبداللہ

بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت جماع کے بارے میں ہے، ابن ابی شیبہ نے حضرت حسن سے اور

ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ محبت سے متعلق ہے، ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے ابولیکہ

سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت دیگر

ازواجِ مطہرات کے حضرت عائشہ سے زیادہ محبت رکھتے تھے حضرت عائشہ سے روایت ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں کے درمیان

تقسیم کرتے تو عدل فرماتے تھے پھر اڑنا اور فرماتے کہ

اے اللہ یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں مالک

ہوں پس جس چیز کا تو مالک ہے اور میں مالک

نہیں ہوں یعنی قلبی محبت سو اس میں (اگر مجھ سے کچھ

کمی بیشی ہو جائے) تو مجھے ملامت نہ فرمانا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک سے محبت اور

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقسم بین

نساءہ فی عدل ثم یقول اللہم هذا قسمی

فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك

یعنی القلب (ای عنی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم بما تملك المحبة و میل القلب

الغیر الاختیاری) رواہ احمد و البوداؤد و الترمذی

وغیر ہم ، روح المعانی ص ۱۴۳

قلب کا غیر اختیاری میلان مراد لیا ہے

بہر حال محبت جماع اور قلبی میلان میں مساوات کرنا انسان کے اختیار کی بات نہیں اس میں انسان







کی طرف کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے بھی رزق عطا کرتے ہیں اسی طرح آیت نمبر ۳ و ۴ میں حق تعالیٰ کی صفت خیر الرازقین بیان کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ رزق دینے والوں میں سے بہتر رزق عطا کر نیوالے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ بندے بھی رازق ہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ ان پانچوں آیتوں میں صفت رازقیت کو حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان عام کر دیا گیا ہے اور آیت نمبر ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ رازقیت حق تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے کیونکہ ان کے اسم و خبر کے درمیان ہُو ضمیر لائی گئی ہے جو حصر و اختصاص پر دلالت ہوتی ہے پس ان آیات میں تعارض ہو رہا ہے،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① رازقیت کا عموم بین اللہ والعباد ایصال کے اعتبار سے ہے اور اختصاص اللہ خلق کے اعتبار سے ہے یعنی رزق پیدا کرنے والے تو صرف حق تعالیٰ ہیں بندے نہیں اور رزق پہنچا نیوالے اللہ بھی ہیں اور بندے بھی، بندہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی اور عطا کی ہوئی رزق میں سے دوسروں تک رزق پہنچاتا ہے کہا جاتا ہے کہ فلان یرزق عائلته فلان شخص اپنے بال بچوں کو رزق دیتا ہے یعنی ان کیلئے رزق کماتا ہے اور ان کو پہنچاتا ہے ان کو کھلاتا پلاتا ہے، بہر حال جہت خلق و ایصال کا فرق ہونے کے بعد تعارض نہیں رہا (صاوی، جمل وغیرہ)

② عموم رازقیت کا ہے اور اختصاص رازقیت کا ہے یعنی رازق تو حق تعالیٰ بھی ہیں اور بندے بھی، البتہ رزاق صرف حق تعالیٰ ہیں رزاق مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی تمام مخلوق کو رزق عطا کر نیوالا اور بہت زیادہ رزق دینے والا اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حق تعالیٰ کیساتھ ہی مخصوص ہے (صاوی)

**زنا کاری کی سزا کیا ہے؟**

**پارا ۴ و ۱۸**

**آیات ①** وَالَّتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ



فَإِنْ شَهِدُوا فَمَا سَكُوهُنَّ فِي الْبَيْتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا  
 پارہ ۴ رکوع ۱۴ سورہ النساء جلاہین ص ۴۲ ● (۲) وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهُا مِنْكُمْ فَادْرُوهَا

فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا پارہ ۴ رکوع ۱۴ سورہ النساء جلاہین ص ۴۲ ●  
 (۳) الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ پارہ ۱۸ رکوع ۷ سورہ

النور جلاہین ص ۲۹۴

**تشریح تعارض** پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ عورت کا زنا جب چار گواہوں سے ثابت ہو جائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو گھر میں روک لیا جائے باہر نکلنے نہ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے یا اس کیئے اللہ کوئی اور راستہ نکال دے اور آیت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کرنے والے مرد و عورت کی سزا یہ ہے کہ ان کو تکلیف پہنچائی جائے (یعنی ان کو شرمندہ کیا جائے اور پٹائی کی جائے) اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنا عمل درست کر لیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے کوئی سزا نہ دی جائے اور آیت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی اور زانیہ (اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کے سوسو کوڑے مارے جائیں پس ان تینوں آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① دوسری آیت پہلی آیت سے نسخ ہے پھر پہلی آیت تیسری آیت سے نسخ ہو چکی چنانچہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے زنا کی سزا ایذا رسانی نازل ہوئی کہ جو مرد و عورت زنا کر لیں انکو تکلیف پہنچاؤ ایذا کی تفسیر حضرت ابن عباس رض سے تعبیر اور ضرب بالنعال کیساتھ منقول ہے کہ ان کو شرمندہ کرو (مثلاً یوں کہو کہ تمہیں زنا کرتے ہوئے شرم نہیں آئی خدا کا خوف نہیں آیا؟ تم نے بہت بڑی حرکت کی ہے وغیرہ وغیرہ) اور جو توں سے پٹائی کرو حضرت قتادہ مجاہد اور سدی نے ایذا کی تفسیر فقط تعبیر اور توبیح کے ساتھ کی ہے کہ ان کو شرم دلاؤ اور ڈانٹو اس کے بعد یہ آیت نسخ ہو گئی اور آیت اولیٰ واللتی یأتین الفاحشہ ان نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا اساک فی البیوت بیان فرمائی کہ جو عورت زنا کرے اس کو گھر میں قید کر دو باہر نہ نکلنے دو یہاں تک کہ



اس کو موت آجائے یا اللہ کوئی دوسرا حکم نازل فرمادیں، اس لئے عورت عام طور پر زنا میں مبتلا جو ہوتی ہے وہ باہر نکلنے اور مردوں کے سامنے آنے کی وجہ سے ہوتی ہے جب وہ گھر میں مجبوس رہے گی تو زنا کاری سے بچی رہے گی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم نازل ہو گیا چنانچہ سورہ نور کی آیت الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحدٍ منہما مائة جلدۃ نازل ہوئی کہ زانی اور زانیہ کے (جب کہ وہ غیر شاہی شدہ ہوں) تلوٹو کوڑے لگاؤ اور لا تعارض بعد المنسوخ (مدارک، منظری وغیرہ)

② ابوسلمہ اصفہانی فرماتے ہیں کہ پہلی آیت سحاقات کے بارے میں ہے سحاقات وہ عورتیں کہلاتی ہیں جو آپس میں ایک عورت دوسری عورت سے استمتاع کر کے اپنی شہوت پوری کر لیتی ہیں ان عورتوں کی سزایہ بیان فرمائی کہ ان کو گھروں میں روک لو، مراد یہ ہے کہ ایسی عورتوں کا آپس میں اختلاط نہ ہونے دو ان کے درمیان تفریق اور جدائی کر کے ان کو اپنے گھروں میں مجبوس کر دو ایک کو دوسری کے پاس جانے نہ دو اور آیت نمبر ۲ نواطت کرنے والے مردوں کے بارے میں ہے ان کی سزایہ بیان کی کہ ان کو ایذا رسانی کرو ان کم بختوں کو شرم دلاؤ اور ان کی پٹائی کرو اور تیسری آیت زنا کرنے والوں کے بارے میں ہے کہ ان کی سزا سو کوڑے لگانا ہے (اور اگر شادی شدہ ہوں تو رجم کرنا ہے جیسا کہ آیت منسوخۃ التلاوة الشیخ والشیخۃ اذا زنیافا رجموہما البتۃ نکالنا من اللہ سے نیز حدیث سے ثابت ہے) اور جب تینوں آیتوں کا مصداق جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں رہا (تفسیر کبیر روح المعانی)

③ ابوسلمہ خطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں کہ آیت اولیٰ منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کا گھروں میں مقید کرنا اس وقت تک ممتد ہے جب تک کہ اللہ ان کے بارے میں کوئی اور راستہ نکال دے، مطلب یہ ہے کہ ابھی تو ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو ہم ان کے بارے میں عنقریب کوئی سبیل نکالیں گے اب وہ سبیل کیا ہے اس کو مجھل رکھا گیا پھر حق تعالیٰ نے آیت نور "الزانیۃ والزانی الخ" نازل فرما کر اس سبیل کو بیان کر دیا اور



حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خذُوا عَنِّي خُذُوا عَنِّي قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهْمَنَ سَبِيلًا (رواہ مسلم) پس آیت نور اور یہ حدیث آیت اولیٰ کے اجمال کا بیان ہے نہ کہ ناسخ ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی الفوز الکبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے ، اور اجمال کے بعد بیان کر دینے کو تعارض نہیں کہا جاتا ، مگر اس پر سوال یہ ہے کہ پہلی آیت میں اِسْكَافِ فِي الْبَيْوتِ اور دوسری آیت میں اِذَا كَانَ حَكْمٌ فِيهَا ان میں تطبیق کیسے ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اِسْكَافِ فِي الْبَيْوتِ ثَبَتِہِ کے بارے میں ہے اور اِذَا كَانَ حَكْمٌ فِيهَا کے حق میں ہے ، (مظہری ، روح المعانی ، خازن ، الفوز الکبیر)

**وراثت اقربا کیلئے ہے یا مولى الموالا کیلئے؟**

**پارا ۵۷ و ۵۸ و ۵۹**

**آیات ۱** وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اَيْمَانَكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا  
 بِكُلِّ شَيْءٍ شٰهِيْدًا پارہ ۵۷ رکوع ۲ سورہ النساء جلاہین ص ۴۵ ● (۲) وَاُولُو الْاَرْحَامِ  
 بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِى كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ پارہ ۵۸ رکوع ۶ سورہ  
 الانفال جلاہین ص ۱۵۴ (۳) وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِى كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ  
 الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰى اَوْلِيَآءِكُمْ مَّعْرُوْفًا پارہ ۵۹ رکوع ۱۷  
 سورہ الاحزاب جلاہین ص ۳۵۱

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ جن لوگوں سے تمہارے معاہدے ہو چکے ہیں ان کو میراث کا حصہ دو یعنی اجنبی لوگ جو ایک دوسرے کے رشتہ دار نہیں اگر آپس میں یہ معاہدہ کر لیں کہ ہم ایک دوسرے کے مددگار رہیں گے اگر ہم میں سے کسی پر کوئی دیت واجب ہوگی تو دوسرا اسکو ادا کر دے گا اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو دوسرا اس کے مال کا وارث ہو جائے گا ایسے معاہدہ کرنے والے شخص کو مولى الموالاة کہا جاتا ہے ، ایسی صورت میں شرعی حکم آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مابین وراثت جاری ہوگی ان کو میراث کا حصہ دیا جائے گا اور اخیر کی دونوں آیتوں



سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت رشتہ داروں میں جاری ہوتی ہے آدمی کے مرنے کے بعد اس کے مال کی میراث اس کے اقربا میں تقسیم کی جائیگی جس کی تفصیل آیات میراث میں موجود ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں

① آیت نمبر ۱ اخیر کی دونوں آیتوں سے منسوخ ہے زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں اس طرح کا معاہدہ کر لیا کرتے تھے اور ان میں وراثت جاری ہوتی تھی ابتداء اسلام میں جب تک اکثر لوگوں کے رشتہ دار مسلمان نہیں ہوتے تھے یہی حکم رہا کہ مرنے والے کی ساری میراث اس کے معاہدہ کرنے والے حلیف کو دیدی جاتی تھی جب اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تو کچھ ترمیم فرمادی کہ حلیف کو ساری میراث تو نہیں البتہ مال کا چھٹا حصہ دیدیا کروا سی کو آیت نمبر ۱ میں بیان کیا گیا ہے پوری آیت اس طرح ہے  
 وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَاتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ کہ ہم نے ہر شخص کیلئے اس کے والدین اور رشتہ داروں کے ترکہ میں وارثین مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ تمہارے پہلے سے معاہدے ہو چکے ہیں ان کو ان کا حصہ یعنی سدس مال دیدیا کروا نصیب کے مراد سدس (چھٹا حصہ) ہے پھر دوسری اور تیسری آیت نازل فرما کر مولی الموالاة کے حصہ کو بالکل ہی منسوخ کر دیا گیا (من بیان القرآن)  
 ابن جریر نے حضرت قتادہ سے اس کے قریب قریب نقل کیا ہے،

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے شخص سے معاہدہ کر لیتا تھا کہ اگر کسی نے میرا خون کر دیا تو سمجھو تمہارا خون کر دیا اگر میری آبرو ریزی کی تو سمجھو تمہاری عزت پر دھبہ لگایا تم میرے وارث رہو گے میں تمہارا وارث بنوں گا تم میرے خون کا مطالبہ کرنا میں تمہارے خون کا مطالبہ کروں گا اسلام میں ایسے شخص کو میت کے جمع مال

عن قتادة قال كان الرجل يعاقد الرجل في الجاهلية فيقول دمي دمك ودمي وهدمك ترثني وارثك و تطلب بي واطلب بك فجعل له السدس من جميع المال في الاسلام ثم يقسم اهل الميراث ميراثهم فنسخ ذلك بعد في سورة الانفال بقوله سبحانه واولوا



الارحام بعضهم اولى ببعض في كتب  
 الله اخرج ابن جرير وغيره (روح المعاني ص ۲۲)

میں سے چھٹا حصہ دیا جاتا تھا پھر باقی مال میں سے  
 اہل میراث کو ان کی میراث تقسیم کی جاتی تھی اس کے

بعد سورہ انفال کی آیت واولوالارحام لبعضہم اولى ببعض الاية سے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا،

خلاصہ یہ ہوا کہ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اِيْمَانَكُمْ مَنسُوخٌ ہے اور اخیر کی دونوں آیتیں اس کے لئے ناسخ ہیں علامہ  
 قرطبی کی رائے یہ ہے کہ ناسخ اس کیلئے آیت کا جز اول "وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مَا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ"  
 ہے رواہ الطبری کما فی الجمل، بہتر یہ ہے کہ تینوں ہی اس کیلئے ناسخ ہیں اس آیت کا جز اول بھی  
 اور اخیر کی دونوں آیتیں بھی جیسا کہ علامہ صاوی نے اختیار کیا ہے، بہر حال نسخ کے بعد تعارض نہیں  
 رہتا پس آیت نمبر ۷ آیت ۷ کے معارض نہیں ہے (روح المعانی، ج ۱، صاوی)

جواب اول میں تو وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اِيْمَانَكُمْ میں عقد سے مراد عقد مخالفہ اور موالاة ہے جس کا

ذکر کیا گیا دوسرا جواب یہ ہے کہ عقد سے مراد عقد مواخاة فی الدین ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابتداء ہجرت میں ہاجرین و انصار کے درمیان قائم فرمادی تھی اور نصیبم سے مراد حصہ میراث نہیں

بلکہ نصرت و امداد اور خیر خواہی ہے، دراصل ہاجرین نے اپنا وطن اپنے اعزاز و اقارب کو چھوڑ کر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی لوگ تنہا تنہا مسلمان ہوئے تھے ان کے کہنے

قبیلے کے لوگ کافر تھے جو مکہ میں تھے مدینہ میں حضرات ہاجرین کی کسی سے قرابت داری نہیں تھی تو اس

وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاجرین و انصار مدینہ کے مابین مواخاة قائم فرمادی تھی ان میں

سے دو دو آبیوں (ایک ہاجر اور ایک انصاری) کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا، اخوت ایمانی

کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے جب ہاجرین کے دوسرے رشتہ دار بھی

مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو ایمان و ہجرت والی وراثت کو حق تعالیٰ نے منسوخ کر کے وراثت بالقرابۃ

کا حکم نازل فرمادیا اور سورہ نساء کی آیت "وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مَا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ" ان

نازل ہوئی کہ ہم نے ہر ایک کیلئے اس کے والدین اور اقربا کے ترکہ میں وراثت مقرر کر دئے ہیں

ان ہی کو میراث کا مال تقسیم کیا جائے مواخاة فی الدین کی وجہ سے کسی کو وراثت نہیں ملے گی، البتہ



ایمانی اور دینی بھائیوں کے لئے آگے فرمادیا وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اِيْمَانَكُمْ فَاتُوْمُ نَصِيْبُهُمْ  
یعنی جن لوگوں کے ساتھ تمہارے بھائی چارگی کے تعلقات قائم ہو گئے ہیں ان کے ساتھ نصرت و  
امداد اور خیر خواہی کا معاملہ کرتے رہو ان کیلئے کوئی وصیت کر جاؤ یا ان کی بطور تبرع و احسان کے  
کے امداد کرو نصیبہم سے مراد حصہ میراث نہیں بلکہ نصرت و امداد اور خیر خواہی کرنا ہے، آیت  
اولیٰ کی یہ مذکورہ تفسیر بخاری شریف وغیرہ کی روایت میں موجود ہے،

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہاجرین جب  
مدینہ آئے تو ہاجرین اپنے قرابت داروں کے بجائے  
انصاری کا وارث ہوتا تھا اس اخوت کی وجہ سے جو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مابین قائم فرمادی  
تھی پس جب آیت وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ اٰنِ نَازِلٍ ہوتی  
تو یہ وراثت بالاختوة والدين منسوخ ہو گئی پھر حق تعالیٰ  
نے (موالی فی الدین یعنی دینی بھائیوں اور دوستوں  
کے بارے میں) فرمادیا وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اِيْمَانَكُمْ فَاتُوْمُ  
نَصِيْبُهُمْ کہ جن لوگوں کے ساتھ تمہارے دینی تعلقات

عن ابن عباس قال كان المهاجرون  
لما قدموا المدينة يرث المهاجر  
الانصاري دون ذوی رحمہ للاخوة التي  
أخى النبي صلی الله عليه وسلم بينهم  
فلما نزلت ولكل جعلنا موالی اٰن نَسَخَتْ  
ثم قال والذین عقدت ايمانكم فاتوْمُ  
نصیبهم من النصر والرفادة والنصیبة  
وقد ذهب الميراث ویوصی له،

اخریٰ بخاری و ابوداؤد والنسائی و جماعة (روح المعانی)

تائم ہو گئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو یعنی ان کی نصرت و امداد اور خیر خواہی کرو ان کی میراث ختم ہو گئی البتہ  
ان کے لئے وصیت کی جا سکتی ہے،

حضرت مجاہدؒ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے اس تفسیر سے یہ بات سامنے آئی کہ آیت اولیٰ کا مضمون  
دو حکموں پر مشتمل ہے حکم اول یہ کہ وراثت اہل اقارب میں جاری ہوگی یہ تو آیت کے جز اول  
وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ میں مذکور ہے حکم دوم یہ کہ موالی فی الدین  
کے ساتھ نصرت و امداد اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے یہ آیت کے جز ثانی وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اِيْمَانَكُمْ  
فاتوْمُ اٰن میں بیان کیا گیا ہے یہی مضمون اخیر کی دونوں آیتوں کا ہے، آیت ثانیہ میں وَاُولَآءِ



الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ کہہ کر حکم اول کو بیان کیا گیا ہے کہ اہل قرابت آپس میں وارثین بننے میں اجانب سے اولیٰ و اقدم ہیں اجانب کو تو ضرورت کی وجہ سے ان میں مواخاتہ فی الدین قائم کر کے وارث بنا دیا گیا تھا جب ضرورت مرتفع ہو گئی تو وراثت بالاختیار الدنیہ کو منسوخ کر کے وراثت بالفراہ کو جاری کر دیا گیا، اور آیت ثالثہ میں دونوں حکموں کی تصریح ہے **وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ** میں حکم اول اور الآبَانُ تَفَعَّلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَاءَ كَمَا مَعْرُوفًا میں حکم ثانی کا بیان ہے کہ اپنے دینی دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو جب تینوں آیتوں کا مضمون متحد و مساوی ہو گیا تو کوئی تعارض نہیں ہے **۳** تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت نمبر ۱ میں جو مولیٰ الموالاة کو حصہ میراث دینے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس حالت پر محمول ہے جب کہ میت کے اقارب اولوالارحام اور غصبات نہوں ایسی حالت میں میراث مولیٰ الموالاة (یعنی جس سے معاہدہ و مخالفہ ہو گیا ہو جو جو اب اول میں ذکر کیا گیا ہے) کو ملے گی اور آیت نمبر ۲ و ۳ اس حالت پر محمول ہیں جبکہ میت کے اقارب موجود ہوں ایسی صورت میں اقارب مقدم ہوں گے مولیٰ الموالاة پر اس لئے کہ اخیر کی آیتوں میں مولیٰ الموالاة کو میراث دینے کی نفی نہیں ہے بلکہ اولوالارحام کو اقدم و اولیٰ بتایا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اقارب اور مولیٰ الموالاة دونوں ہوں تو اقارب کو مقدم رکھا جائے گا مولیٰ الموالاة کو وراثت نہیں ملے گی اور اگر اقارب موجود نہ ہوں تو مولیٰ الموالاة کو میراث دی جائے گی امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث بننے اور ایک دوسرے کی دیت ادا کرنے کا معاہدہ کر لیں تو یہ دیت ہے ایسی صورت میں اگر میت کا اس حلیف کے علاوہ کوئی اور قرابتی وارث نہ ہو تو وراثت اس حلیف کو ملے گی اس توجیہ پر نہ تو آیت اولیٰ منسوخ ہوئی اور نہ ان آیات میں کوئی تعارض رہا اس لئے کہ یہ علیحدہ علیحدہ حالتوں پر محمول ہیں (روح المعانی وغیرہ)



## مشرکین قیامت کے دن کوئی باپ چھپائیں گے یا نہیں؟

### پارا نمبر ۵ و ۶

آیات ۱) وَلَا يَكْتُمُونَ لِلَّهِ حَدِيثًا پارہ ۵ رکوع ۳ سورہ النساء جلالین ص ۶  
 ۲) ثُمَّ لَمْ يَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ پارہ ۶ رکوع ۹

سورہ الانعام جلالین ص ۱۱۳

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین قیامت کے دن اللہ کے سامنے کوئی بات نہیں چھپائیں گے ہر بات صحیح صحیح بتلا دیں گے اور آیت نمبر ۶ میں ہے کہ جب حق تعالیٰ قیامت کے دن مشرکین سے فرمائیں گے اَيْنَ شُرَكَاءِ كُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ تمہارے وہ شرکار کہاں ہیں جن کے بارے میں تم اللہ کے شرکار ہونے کا گمان کرتے تھے تو مشرکین کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ہمارے خدائے پروردگار کی قسم ہم تو کسی کو بھی آپ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اللہ کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر اپنا شرک چھپائیں گے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ آیت اولیٰ میں کتمان کی نفی اور دوسری میں کتمان کا اثبات ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اختلافِ اوقات پر محمول ہے ایک وقت تو وہ اپنا شرک چھپائیں گے لیکن دوسرے وقت میں چھپا نہیں پائیں گے بلکہ صحیح صحیح بیان کر دیں گے یعنی ابتداءً تو وہ جھوٹی قسم کھا کر اپنا شرک چھپائیں گے مگر جب حق تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا کر ان کے اعضاء و جوارح سے گواہی دلوائیں گے تو اعضاء و جوارح ان کا کفر و شرک صحیح صحیح بیان کر دیں گے اس وقت یہ لوگ کوئی بات چھپا نہیں پائیں گے اعضاء و جوارح کی گواہی کے وقت وہ کسی بات کو چھپانے اور انکار کرنے پر قادر ہی نہیں ہوں گے یہ توجیہ بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہے

۱) فِتْنَتُهُمْ فتنہ سے مراد عذر یعنی جواب، اسکو فتنہ سے اسلئے تعبیر کر دیا کہ ان کا یہ جواب کذب ہے و لکن فتنہ ۳ ج ۱



عن ابن عباس في قوله تعالى وَلَا يَكْتُمُونَ  
 اللَّهُ حَدِيثًا وَقَوْلَهُ تَعَالَى وَاللَّهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا  
 مُشْرِكِينَ إِنَّهُ قَالَ إِنَّ الْمَشْرِكِينَ لَمَارَأُو  
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ لَأَهْلِ الْإِسْلَامِ  
 وَيَغْفِرُ الذُّنُوبَ وَلَا يَغْفِرُ الشُّرْكَ حَجْدُوا  
 رَجَاءً أَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ فَقَالُوا وَاللَّهِ رَبُّنَا  
 مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ فَيُخْتَمُ اللَّهُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ  
 وَتُكَلِّمُتْ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا  
 يَعْمَلُونَ فَعِنْدَ ذَلِكَ يَوْمُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 وَعَصَوْا الرَّسُولَ لَوْ تَسَوَّيْتُ بِهِمُ الْأَرْضَ  
 وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهُ حَدِيثًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ  
 (تفسیر منطہری)

حضرت ابن عباس سے اللہ کے قول وَلَا يَكْتُمُونَ  
 اللہ حدیثاً اور اللہ کے قول وَاللَّهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا  
 کے بارے میں روایت ہے فرمایا کہ مشرکین جب  
 قیامت کے دن دیکھیں گے کہ حق تعالیٰ اہل اسلام  
 کی مغفرت فرما رہے ہیں اور گناہوں کو بخش رہے ہیں  
 مگر شرک کی مغفرت نہیں فرما رہے ہیں تو مشرکین  
 اس امید پر کہ ان کی مغفرت ہو جائے اپنے شرک کا  
 انکار کر دیں گے اور کہیں گے اللہ کی قسم ہمارے رب  
 کی قسم ہم مشرک نہیں تھے پس حق تعالیٰ ان کی زبانوں  
 پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں بولیں گے  
 ان کا کفر و شرک اور ان کے اعمال صحیح صحیح بیان کر دیں  
 گے پس اس وقت کفار اور رسول کے نافرمان تمنا

کریں گے کہ کاش ہم کو زمین کی مٹی میں ملا کر زمین کو بہوار کر دیا جاتا اور اس وقت وہ لوگ اللہ سے کوئی  
 بات چھپا نہیں پائیں گے ،

بخاری شریف کی ایک روایت ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت  
 ابن عباس سے قرآن کی چند آیات کے درمیان تعارض کے متعلق سوال کیا جن میں سے دو آیتیں  
 یہی ہیں تو حضرت ابن عباس نے وہی جواب دیا جو ابھی اوپر گذرا ، (تفسیر منطہری)

نعمت و مصیبت سب اللہ کی طرف سے یہ مصیبت بندہ کی جانب سے

پارا نمبر ۵

آیات ① وَإِنْ تُصِيبَهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبَهُمْ



سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ پاره ۵ رکوع ۷ سورہ النساء  
 جلایں ص ۸۲ و ۸۳ (۲) مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ  
 نَفْسِكَ پاره ۵ رکوع ۷ سورہ النساء جلایں ص ۸۲ (اللہ ص ۶۹)

**تشریح تعارض** | مدینہ میں منافقین کو جب خوشحالی پیش آتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ اللہ کی  
 طرف سے آئی ہے اور جب کوئی مصیبت اور بدحالی پیش آتی تھی تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی طرف منسوب کر کے کہتے تھے کہ یہ مصیبت و بدحالی لغو وبالہ آپ کی نخوت سے آئی ہے  
 حق تعالیٰ نے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ نعمت و مصیبت سب  
 اللہ کی طرف سے آتی ہے میرا اس میں کوئی دخل نہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت و مصیبت  
 راحت و تکلیف سب اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور آیت ثانیہ میں ارشاد ہے کہ راحت و نعمت  
 تو اللہ کی طرف سے ہے اور مصیبت و پریشانی خود بندہ کی طرف سے آتی ہیں پس ان دونوں  
 آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | آیت اولیٰ میں اجمال اور دوسری آیت میں اس کی تفصیل ہے اور تفصیل بعد الاجمال  
 کو تعارض نہیں کہا جاتا ہے، وضاحت اسکا یہ ہے کہ آیت اولیٰ میں یہ بتلایا گیا کہ خوشحالی و بدحالی  
 ہر چیز کا خلق و ایجاد حق تعالیٰ کی ہاں سے ہوتا ہے البتہ خوشحالی تو حق تعالیٰ بلا واسطہ محض اپنے  
 فضل سے عطا فرماتے ہیں اور بدحالی بواسطہ معاصی عباد نازل فرماتے ہیں لیکن بلا واسطہ اور بالواسطہ  
 کی تفصیل اس آیت میں بیان نہیں کی گئی بلکہ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ کہہ کر اس کو مجمل طور پر ذکر کر دیا  
 آیت ثانیہ میں اس کی تفصیل بیان فرمادی مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ کہ جو  
 نعمت و خوشحالی تم کو پہنچتی ہے وہ بلا واسطہ محض اللہ کے فضل و کرم سے پہنچتی ہے اور مَا أَصَابَكَ  
 مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ جو مصیبت و بدحالی آتی ہے یہ تمہارے گناہوں کے واسطہ سے آتی  
 ہے، حقیقت یہی ہے کہ نعمتوں اور راحتوں کے نزول میں بندہ کی عبادات کو کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ  
 حق تعالیٰ کی نعمتیں تو اس قدر ہیں کہ بندہ اپنی تمام عبادات سے ان کا حق شکر ادا نہیں کر سکتا، حق



تعالیٰ نے بندہ کو وجود بخشا اور اسکو عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی یہ وجود اور توفیق عبادت خود اتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں کہ بندہ کی تمام عبادات و طاعات ان ہی کی مکافات نہیں کر سکتی ہیں چہ جائیکہ دیگر نعمتوں کا حق ادا کر سکیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ بندہ کی پوری زندگی کے اعمالِ حسنہ اور عبادتیں خدا کی ایک چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا حق ادا نہیں کر سکتیں پس معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہر لمحہ اور ہر آن جو بندوں پر نعمتوں اور رحمتوں کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں اس کا سبب بندوں کی عبادات نہیں ہیں بلکہ یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کریگا  
عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ بھی (اپنے عمل کے وجہ  
سے داخل) نہیں (ہونگے) آپ نے ارشاد فرمایا  
اور میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنے فضل و رحمت  
میں چھپالیں،

لَنْ يَدْخُلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قِيلَ وَلَا  
أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ  
يَتَّقِدَنِي اللَّهُ تَعَالَى مِنْهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ  
(رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ رض)  
(روح المعانی)

البتہ مصائب و آلام کا آنا بندوں کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسرے مقام پر  
ارشاد فرمایا ہے مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ  
حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے،

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کو جو کوئی ہلکی یا سخت مصیبت  
لاحق ہوتی ہے تو وہ اسکی گناہوں کی وجہ سے ہوتی  
ہے اور جن گناہوں کو اللہ معاف فرمادیتے ہیں زیادہ ہیں

عن ابی موسیٰ بن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم قال لا تصیب عبدًا نکتۃ فما  
نوتھا وما دونھا الا بذنب وما یعفو  
اکثر (رواہ الترمذی) مظہری

قرآن پاک میں تعارض و اختلاف کی باتیں

پارا ۵، ۱۵، ۲۳



آیات ① وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا پارہ ۵ رکوع ۵  
 سورہ النساء جلا میں ص ۸۲ ● ② الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْنَا عِبْدَهُ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ  
 لَهُ عِوَجًا پارہ ۵ رکوع ۱۳ سورہ الکہف جلا میں ص ۲۲۱ ③ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ  
 لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ پارہ ۲۳ رکوع ۱۷ سورہ الزمر جلا میں ص ۳۸۷ .

### تشریح تعارض | آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بنایا

ہوا ہوتا تو اس میں اختلاف کثیر پایا جاتا اس کے مضامین میں الفاظ و معانی میں فصاحت و بلاغت میں  
 بہت اختلاف و تناقض ہوتا لیکن اس میں اختلاف کثیر نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں  
 ہے بلکہ منزل من اللہ ہے اس آیت میں قرآن میں اختلاف کثیر کی نفی کی گئی ہے اور کثیر کی نفی کی  
 قلیل کی نفی نہیں ہوتی بلکہ قلیل کا اثبات رہتا ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن میں اختلاف کثیر  
 تو نہیں البتہ اختلاف قلیل ہے اور آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا بالکل  
 کوئی اختلاف و تناقض نہیں ہے نہ قلیل نہ کثیر، کیونکہ دونوں آیتوں میں عوج نہ کہ تحت النفی استعمال  
 ہوا ہے جو عموم نفی کا فائدہ دیتا ہے کہ کسی بھی قسم کی بالکل کجی اور اختلاف و تعارض نہیں ہے اور  
 واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن پاک ہر قسم کے عوج سے لفظاً ہو یا معنی قلیل ہو یا کثیر منزہ و مقدس ہے  
 پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

### دفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① آیت اولیٰ میں کثیراً کی قید احترازی نہیں ہے کہ کثیر کی نفی سے قلیل کا اثبات مقصود ہو بلکہ یہ  
 قید مبالغہ اور ترقی کیلئے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں صرف اختلاف قلیل  
 ہی نہیں بلکہ اختلاف کثیر ہوتا مگر اس میں تو نہ قلیل اختلاف ہے نہ کثیر معلوم ہوا کہ منزل من اللہ کلام  
 ہے پس اس آیت سے بھی نفی مطلق اختلاف کی ہو رہی ہے لہذا یہ آیت دوسری اور تیسری آیت کے  
 معارض نہیں ہوگی، (جمل و صاوی

② کثرت کی قید احترازی نہیں بلکہ مضامین کی کثرت کی وجہ سے یہ قید لگا دی گئی ہے ورنہ نفی مطلق



اختلاف ہی کی مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس کے مضامین میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہوتا (اور چونکہ اس کے مضامین کثیر ہیں ہر ہر مضمون میں ایک ایک اختلاف پائے جانے کی وجہ سے اختلاف بھی کثیر ہو جاتا) لیکن اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں ہے کسی مضمون میں بھی تعارض و تناقض نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے، اجاب بہ حضرت مولانا اشرف علی التھانویؒ فی بیان القرآن،

اس توجیہ سے واضح ہو گیا کہ مطلق اختلاف کی نفی ہے پس اس آیت کا اخیر کی دونوں آیتوں سے کوئی تعارض نہیں ہے، تینوں آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا کوئی اختلاف و تعارض اور تناقض نہیں اور آیات قرآنیہ میں جو تعارض نظر آتا ہے وہ ظاہر نظر میں ہے ورنہ تدبر و تفکر اور نظر عمیق کے بعد کوئی تعارض نہیں ہے، آپ کے زیر مطالعہ ہمارا یہ رسالہ "النوار الدرر آیات" اس مضمون پر تالیف کیا گیا ہے اس رسالہ میں دبیج تعارض کی جو توجیہات و تحقیقات پیش کی گئی ہیں ان کے سامنے آنے کے بعد بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آیات قرآنیہ تعارض و تناقض سے منزہ و مقدس ہیں،

## قابض روح حق تعالیٰ ہیں یا ملک الموت یا دیگر ملائکہ ہیں؟

پارا ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵

- آیات ۱) اِنَّ الَّذِیْنَ تُوْفِّیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِی الْاَنْفُسِہِمُ الْاٰیۃ پارہ ۵ رکوع ۱۱  
 سورۃ النساء جلا میں ص ۸۵ ۲) حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمُ الْمَوْتُ تُوْفِّیْہُ رُسُلُنَا پارہ ۶  
 رکوع ۱۲ سورۃ الانعام جلا میں ص ۱۱ ۳) حَتّٰی اِذَا جَآءَ تَہُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَہُمْ پارہ ۷  
 رکوع ۱۱ سورۃ الاعراف جلا میں ص ۱۳۲ ۴) وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الْاٰیۃ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الْمَلٰٓئِکَةُ  
 یَغْرِیْبُوْنَ وَّجُوْہُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ وَاَدْبَارُہُمْ  
 جلا میں ص ۱۵۲ ۵) الَّذِیْنَ تَتَوَفَّیْہُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِی الْاَنْفُسِہِمُ پارہ ۱۲ رکوع ۱۱



سورۃ النحل جلا میں ۲۱۸ ﴿۶﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۱  
 سورۃ النحل جلا میں ۲۱۸ ﴿۷﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةُ لِيُصَلِّيُوا وَجُوهَكُمْ  
 ادباً رُحُوداً پارہ ۲۶ رکوع ۱۱ سورۃ محمد (القتال) جلا میں ۲۲۲ ﴿۸﴾ وَاللَّهُ  
 خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ آيَةٍ پارہ ۱۴ رکوع ۱۵ سورۃ النحل جلا میں ۲۲۲  
 ﴿۹﴾ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَإِلَىٰ پارہ ۲۴ رکوع ۲ سورۃ الزمر جلا میں ۲۱۸  
 ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۲  
 سورۃ السجدۃ جلا میں ۲۲۹

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ تا ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی جب موت آتی ہے تو اس کی روح کو فرشتے آکر قبض کرتے ہیں کیونکہ ان آیات میں ملکہ اور رُسُلنا صیغہ جمع کے ساتھ ہے اور آیت نمبر ۱۰ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ خود روح قبض کرتے ہیں اور آیت نمبر ۱۱ اس بات پر دلالت ہے کہ صرف ایک فرشتہ (ملک الموت) روح قبض کرتا ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہوتا ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو حق تعالیٰ ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں ملک الموت کیساتھ چند فرشتے معاونین کی حیثیت سے جاتے ہیں ملائکہ معاونین انسان کے بدن کی رگوں سے روح کو کھینچتے ہیں جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور نکلنے کے قریب ہو جاتی ہے تو پھر ملک الموت اس کو قبض کر کے بالکل باہر نکال دیتا ہے پس حق تعالیٰ قبض روح کے آمر ہونے اور رگوں سے نکال کر حلقوم تک پہنچانے والے اور تعاون کرنے والے ملائکہ ہونے اور حلقوم سے باہر نکلنے والے ملک الموت ہونے پہلی سات آیات میں نسبت معاونین کی طرف کر دی گئی کیونکہ فعل کی نسبت معاون و شریک کی طرف بھی کر دی جاتی ہے جیسے کسی کو قتل کرنا یا شخص واحد ہو اور دوسرے لوگوں نے تعاون کیا ہو تو کہا جاتا ہے قتلوا قتلاً کہ



اس مقتول کو سب نے قتل کیا ہے اور آیت نمبر ۷ و ۹ میں امر یعنی حق تعالیٰ کی طرف نسبت کر دی گئی اس لئے کہ فعل کی نسبت امر کی طرف بھی کر دی جاتی ہے کہا جاتا ہے بنی الایمیر القصر بادشاہ نے محل بنایا یعنی بنانے کا حکم دیا اور آیت نمبر ۷ میں قابض یعنی ملک الموت کی طرف نسبت کر دی گئی پس کوئی تعارض نہیں ہے، (روح المعانی و تفسیر خازن)

② ملک الموت تو ارواح کو قبض کرتا ہے دیگر ملائکہ اس کا تعاون کرتے ہیں ملک الموت کے حکم پر عمل کرتے ہیں پھر حق تعالیٰ روح کو کھینچ کر بدن سے بالکل باہر نکال دیتے ہیں چونکہ قبض روح میں تشرکت سب کی ہوتی ہے اس لئے بعض آیات میں حق تعالیٰ کی طرف بعض میں ملک الموت کی طرف بعض میں ملائکہ و رسل کی طرف نسبت کر دی گئی فلا تعارض (روح البیان بحوالہ حاشیہ جلالین ص ۳۴۹)

③ اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی بعض لوگوں کی روحیں خود حق تعالیٰ قبض کرتے ہیں بعض کی ملک الموت اور بعض کی دیگر ملائکہ قبض کرتے ہیں چنانچہ شہداء بجر کے بارے میں روایت میں آیا ہے کہ ان کی ارواح ان کے اعزاز و اکرام میں حق تعالیٰ خود ہی قبض فرماتے ہیں ملک الموت کے حوالہ نہیں

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو ارواح کے قبض کرنے پر مقرر کیا ہے مگر پانی میں غرق ہو کر شہید ہو جائیو الے لوگوں کی ارواح حق تعالیٰ خود قبض فرماتے ہیں،

فرماتے، عن ابی امامۃؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ وکل ملک الموت یقبض الارواح الا شہداء البحر فانہ سبحانہ یتولی قبض ارواحہم (رواہ ابن ماجہ) روح المعانی

**مؤمن عاصی جہنم میں داخل ہوگا یا نہیں؟**

**پارہ ۵ و ۳**

آیات ① اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۗ ۙ پارہ ۵ رکوع ۱۵ سورہ النساء جلالین ص ۸۷ ● ② لَا یُصَلُّوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا



پارہ ۳ رکوع ۱ سورہ ایل جلالین ص ۵

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ مشرک کی تو مغفرت نہیں ہوگی مشرک کے علاوہ

مؤمن عاصی کے گناہوں پر حق تعالیٰ سزا بھی دے سکتے ہیں معاف بھی کر سکتے ہیں اور آیت نمبر ۱ میں

ارشاد ہے کہ جہنم میں صرف ایمان سے روگردانی کرنے والا اور تکذیب کرنے والا بدنحیت کافر ہی داخل

ہوگا اور کوئی نہیں کیونکہ نفی واستثنا کے ساتھ کلام کرنا حصر کیلئے مفید ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ مؤمن عاصی جہنم میں داخل نہیں ہوگا پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے،

**رفع تعارض** | دوسری آیت میں دخول جہنم سے مراد دخول ابدی ہے کہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں صرف

کافر ہی داخل ہوگا مؤمن عاصی کو اگر حق تعالیٰ عذاب دینا چاہیں گے تو کچھ مدت تک عذاب دینے

کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمادیں گے لہذا کوئی تعارض نہیں، (جلالین)

**تمام عزتیں اللہ کیلئے ہیں یا رسول اور مؤمنین کیلئے کبھی ہیں؟**

**پارا نمبر ۵ و ۱۱ و ۲۲ و ۲۸**

**آیات** | ۱) اَيُّتَعُونَ عِنْدَهُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا پارہ ۵ رکوع ۱

سورہ نساء جلالین ص ۸۹ ۲) إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پارہ ۱۱

رکوع ۱۲ سورہ یونس جلالین ص ۱۴۶ ۳) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ،

پارہ ۲۲ رکوع ۱۲ سورہ فاطر جلالین ص ۳۶۵ ۴) وَاللَّهُ الْعِزَّةُ وَكَرْسِيُّهُ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

پارہ ۲۸ رکوع ۱۳ سورہ المنافقون جلالین ص ۳۶۱

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ و ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عزتیں اللہ کیلئے ہیں اور

آیت نمبر ۴ میں ہے کہ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین سب کیلئے ہے پس ان میں بظاہر تعارض ہے

**رفع تعارض** | اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی تین آیات میں عزت بالذات اور بلا واسطہ مراد

ہے اور آیت نمبر ۴ میں رسول اور مؤمنین کے لئے عزت بالواسطہ مراد ہے فلا تعارض، حاصل



یہ ہے کہ بلا واسطہ اور حقیقتہً تو تمام عزتیں دنیا و آخرت کی حق تعالیٰ کے لئے ہیں پھر تعلق مع اللہ اور قرب الی اللہ کے واسطے سے رسول کو عزت حاصل ہوئی پھر رسول کی اتباع اور اطاعت کے واسطے سے مومنین کو عزت حاصل ہوتی ہے، روح المعانی، پس جو شخص عزت کا طالب ہو وہ اللہ سے تعلق قائم کرے اس کی اطاعت کرے تمام عزتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں وہی تمام عزتوں کا مالک ہے، ان دنیا دار کفار و مشرکین کے پاس رہ کر ہرگز عزت حاصل نہیں ہو سکتی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَيَّبَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ كَمَا يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ لَوْ كَفَرَكَ فَاسْ عِزَّتِ تَلَّاش كَرْتَهٗ هِي فَانَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيْعًا عِزَّتِي تَوْتَمَّام كِي تَمَّام اللّٰه كِهٖ هَاتَهٗ مِي هِي مَن كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا جو شخص عزت کا طالب ہے تو تعلق مع اللہ قائم کرے اس کی اطاعت کرے عزت نصیب ہو جائیگی وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَ لِلّٰهِ مُمِيْنِيْنَ رَسُوْل كُو جو عزت حاصل ہوئی ہے وہ تعلق مع اللہ اور قرب الی اللہ کے واسطے سے ہوئی پھر اتباع رسول اور اطاعت رسول کے واسطے سے مومنین کو عزت ملی پس غیروں کے یہاں عزت تلاش کرنا حماقت اور بوجہ قونی ہے،

## وضو میں پاؤں کا غسل واجب یا مسح؟

### پارا نمبر ۶

آیات ① وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكَعْبَتَيْنِ (لِقُرْآنِ النَّصْبِ)

پارہ ۶ رکوع ۶ سورہ مائدہ جلا لیں ص ۹۵ ② وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ

إِلَى الْكَعْبَتَيْنِ (لِقُرْآنِ الْحَجَرِ) پارہ ۶ رکوع ۶ سورہ مائدہ جلا لیں ص ۹۵

تشریح تعارض قرآن پاک کی متعدد قراءتیں متعدد آیات کے درجہ میں ہوتی ہیں پس

جس طرح ایک آیت دوسری آیت کے بظاہر معارض نظر آتی ہے اسی طرح بسا اوقات قرآن کی

دو مختلف قراءتوں میں بھی بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے آیت مذکورہ میں لفظ ارجلکم میں



دو قراتیں ہیں، نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور حفص کی قرات میں اَرَجَلُکُمْ بِنَصْبِ اللّٰم ہے اور ابن کثیر، ابو عمر، عالم، حمزہ اور ابو بکر کی قرات میں اَرَجَلُکُمْ بِجَرِّ اللّٰم ہے، پہلی صورت میں اَرَجَلُکُمْ کا عطف و جَوَکُمْ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ وَاغْسِلُوا اَرْجَلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا حکم غسل ہے اور خبر والی قرات میں اَرَجَلُکُمْ کا عطف رُوْسِکُمْ پر ہو گا یعنی وَاغْسِلُوا بَرُوْسِکُمْ وَاغْسِلُوا بِاَرْجَلِکُمْ اپنے سروں کا اور اپنے پاؤں کا مسح کرو اس قرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کیا جائے گا پس دونوں قراتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① قراتِ ثانیہ جبرِ جوار پر محمول ہے یعنی برُوْسِکُمْ کے مجاور اور متصل ہونے کی وجہ سے اَرَجَلُکُمْ کو مجرور پڑھ دیا گیا ہے ورنہ درحقیقت یہ منصوب ہے رُوْسِکُمْ کے تناسب کی رعایت کرتے ہوئے نصب ظاہر نہیں کیا گیا اور جب درحقیقت یہ منصوب ہی ہے تو کوئی تعارض نہیں رہا دونوں قراتوں سے غسلِ جلیں ہی کا ثبوت ہو رہا ہے مگر یہ توجیہ بعید ہے اس لئے کہ جبرِ جوار ضرورتِ شعری کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے اور قرآن کریم ضرورتِ شعری کے مستزہ ہے نیز جبرِ جوار صفت میں مستعمل ہے نہ کہ عطف میں اور اَرَجَلُکُمْ معطوف ہے نہ کہ صفت، (جمل، صداوی، روح المعانی)

② اختلافِ احوال پر محمول ہے، نصب والی قرات حالتِ یرخف پر محمول ہے اور خبر والی قرات حالتِ یرخف پر محمول ہے یعنی اگر آدمی مونہے سینے ہوئے ہو تو پاؤں پر یعنی خفین پر مسح کرے ورنہ پاؤں کا غسل واجب ہے ولا تعارض عند اختلاف الاحوال (روح المعانی وغیرہ)

③ قراتِ ثانیہ قراتِ اولیٰ سے منسوخ ہے ابتدا میں مسحِ جلیں کا حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور غسلِ جلیں کا حکم دیدیا گیا ولا تعارض بعد المنسخ، (جمل و روح المعانی)



اہل کتاب کے نزاع کا فیصلہ کرنا واجب یا نہ کرنا بھی اختیار ہے؟

### پارا نمبر ۶

آیات ۱) فَإِنْ جَاءَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمُ أَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ پاره ۶ رکوع ۷۱

سورہ مائدہ جلاہین ص ۱۰۰ ● ۲) فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

پاره ۶ رکوع ۷۱ سورہ مائدہ جلاہین ص ۱۰۰ ۳) وَأِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ پاره ۶ رکوع ۷۱ سورہ مائدہ جلاہین ص ۱۰۰

تشریح تعارض | آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر اہل کتاب آپ کے پاس اپنے نزاعات کا

فیصلہ کرانے کیلئے آئیں تو آپ کو اختیار ہے خواہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں یا ان سے اعراض کریں

کہ وہ اپنے حکام ہی سے فیصلہ کریں اور اخیر کی دو آیتوں میں ارشاد ہے کہ آپ اللہ کے نازل

شدہ قانون کے مطابق فیصلہ کریں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں پہلی آیت سے معلوم ہوا

کہ فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے اور اخیر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فیصلہ کرنا

واجب ہے اعراض کرنے کا اختیار نہیں ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے ،

دفع تعارض | اس تعارض کے تین جواب ہیں ،

۱) آیت اولیٰ اخیر کی دونوں آیتوں سے منسوخ ہے ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اختیار دیا گیا تھا کہ فیصلہ کریں یا نہ کریں بعد میں حکم منسوخ فرما کر فیصلہ کرنا واجب کر دیا

کیا حضرت ابن عباس اور اکثر سلف (عمر بن عبد العزیز، عطار، مجاہد اور سدی وغیرہم) سے

یہی مروی ہے امام ابو جعفر نخاس اور قاضی بیضاوی نے امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے

کہ اہل کتاب اور اہل ذمہ کے نزاعات کا اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے ، اعراض

کرنا اور ان کو خود ان کے حکام کے حوالہ کر دینا جائز نہیں یہی امام شافعی کا قول اصح ہے ،

ولا تعارض بعد النسخ (بیان القرآن، روح المعانی، جلاہین وحاشیہ)

۲) آیت اولیٰ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اب بھی یہ حکم ہے کہ اہل کتاب و اہل ذمہ کا فیصلہ



کرنے اور نہ کرنے کا حاکم کو اختیار ہے امام نخعی، امام شعبی، ابن شہاب زہری، قتادہ، سعید بن جبیر کا یہی مذہب ہے امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں ابن جوزی نے اسی کو صحیح کہا ہے، صاحب تفسیر مظہری نے حضرت عطار کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے، رہی اخیر کی دونوں آیتیں تو وہ اس کے معارض نہیں ہیں اس لئے کہ فاحکم بینہم بما انزل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ **وَإِنْ اَخْرَجْتَ الْحُكْمَ فَاَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ** کہ آپ پر فیصلہ کرنا واجب تو نہیں ہے لیکن اگر فیصلہ کرنا چاہیں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الفوز البکیر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلی آیت میں آگے ارشاد ہے **وَإِنْ حَكَمْتَ فَاَحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ** (کہ اگر چہ آپ کو اعراض کرنے کا بھی اختیار ہے لیکن) اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں پس اخیر کی آیتوں میں بھی فیصلہ کو واجب نہیں کیا گیا بلکہ قانون اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر مظہری وحاشیہ جلالین والفوز البکیر)

③ اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی آیت اولیٰ غیر ذمیوں کے بار میں ہے کہ ان کے فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور اخیر کی دونوں آیتیں ذمیوں سے متعلق ہیں کہ انکا فیصلہ کرنا واجب ہے اہل ذمہ پر بیوع، مواریث اور تمام عقود میں اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں علاوہ خمر و خنزیر کی بیع کے کہ وہ انہیں اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں (روح المعانی)

**امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب یا صرف اپنی اصلاح کر لینا کافی ہے؟**

### پارا ۷ نمبر ۹

**آیات** ① **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَضُرُّوْا مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَىٰ** پارہ ۷ رکوع ۱۲ سورہ المائدہ جلالین ص ۱۰۸ ● ② **وَالْقَوَّافِنَةُ لَا تُضَيِّبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً** پارہ ۹ رکوع ۷ سورہ الانفال جلالین ص ۱۲۹

**شرح تعارض** پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم پر اپنی اصلاح کرنا واجب ہے جب تم راہِ راست پر جاؤ گے تو دوسرے گمراہ لوگوں کی گمراہی اور غلط راہِ روی سے



تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن پر اپنی اصلاح واجب ہے دوسروں کی اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، آدمی اگر خود راہ راست پر ہو تو گمراہوں کی گمراہی اور گنہگاروں کی بے راہ روی سے اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اس عذاب سے ڈرو جو خاص کر ظالموں اور گنہگاروں ہی کو نہیں پہنچے گا بلکہ ان نیک لوگوں کو بھی وہ عذاب گھیر لے گا جو گنہگاروں کو گناہ سے نہیں روکتے ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح کفایت نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی واجب ہے دوسروں کی اصلاح کرنا ان پر روک ٹوک کرنا ضروری ہے ورنہ جو عذاب گنہگاروں پر نازل ہوگا اس کی زد میں وہ نیک لوگ بھی آجائیں گے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے ہیں پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① آیت اولیٰ میں اِذَا اهْتَدَيْتُمْ میں اہتداء سے مراد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے حضرت حذیفہ اور سعید بن المسیب سے اہتداء کی تفسیر یہی منقول ہے اہتداء کی تکمیل ہی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وظیفہ ادا کر دے اس تفسیر پر آیت اولیٰ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک کی اجازت پر دلالت نہیں ہوتی کیونکہ مطلب آیت کا اس وقت یہ ہوگا کہ جب تم لوگ اپنی اصلاح کر لو اور دوسروں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو تو کسی کی گمراہی اور گنہگاری سے تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا معلوم ہوا کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دوسروں کی اصلاح بھی واجب ہے پس یہ آیت دوسری آیت کے معارض نہیں ہے اس کی تائید حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے ہوتی ہے

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ	عن قیس بن ابی حازم قال سعد
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اللہ کی حمد و ثنا	ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحمد الله واشنى عليه ثم قال



ایہا الناس انکم لتتلون آیتہ من  
 کتاب اللہ سبحانہ ولعدو نھا رخصۃ  
 واللہ ما انزل اللہ تعالیٰ فی کتابہ اشد  
 منها یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم  
 الایۃ واللہ لتامرن بالمعروف ولتنہون  
 عن المنکر اولیٰ عنکم اللہ تعالیٰ منہ  
 بعقاب (اخرجہ ابن جریر) روح المعانی ص ۱۵۹  
 اللہ کی طرف سے آیہ والا عذاب تم کو بھی عام ہو جائے گا،

ایک اور روایت میں ہے،

عن قیس بن ابی حازم عن ابی بکر الصدیق  
 انه قال یا ایہا الناس انکم تقرؤن  
 هذه الایۃ ولا تضعونها موضعها ولا  
 تدرون ما فی وانی سمعت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الناس  
 اذا رأوا ظالمًا فلیرأوا علی یدیه  
 او شک ان یرحمہ اللہ بعقاب منہ  
 (اخرجہ الرزندی و ابوداؤد) تفسیر خازن ص ۲۹۹  
 ابوبکر بن محمد سے روایت ہے،

خطب ابوبکر الصدیق الناس فكان  
 فی خطبته قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم یا ایہا الناس لا تتکلوا علی هذه

بیان کی پھر ارشاد فرمایا اے لوگو تم کتاب اللہ  
 کی یہ آیت (یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم الایۃ)  
 تلاوت کرتے ہو اور اس کو ترک امر بالمعروف و نہی  
 عن المنکر کی رخصت و اجازت پر محمول کرتے ہو  
 خدا کی قسم اللہ نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ  
 سخت آیت نازل نہیں فرمائی اللہ کی قسم تم ضرور  
 بالفور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے حضرت ابوبکر  
 صدیقؓ نے ارشاد فرمایا اے لوگو تم اس آیت کو پڑھتے  
 ہو اور اس کو اس کے صحیح محل پر نہیں رکھتے اور اس  
 کا مطلب نہیں جانتے حالانکہ میں نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ لوگ  
 جب کسی ظالم گنہگار کو دیکھیں اور اس کی اسی وقت  
 گرفت نہ کریں تو اندیشہ ہے کہ اللہ اپنا عذاب  
 سب پر عام کر دیں گے،

حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ دیا آپ کے خطبہ میں  
 یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا  
 اے لوگو اس آیت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جانا



قبیلہ میں ایک آدمی اگر شریر و خبیث ہو اور  
لوگ اس کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب  
سب پر عام کر دیتے ہیں،

الایة یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم  
ان الذاعر لیکون فی الحی فلا یسعونہ  
فیعمہم اللہ تعالیٰ بعقاب  
(خرجہ ابن مردویہ) روح المعانی ص ۲۵

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں سے  
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب اور اس کے ترک پر عذاب و ضرر کا لاحق ہونا ثابت ہو رہا ہے  
آیت اولیٰ سے اگرچہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عدم وجوب اور ترک کی اجازت و رخصت  
معلوم ہوتی ہے مگر یہ اس زمانہ میں ہے جبکہ فسق و فجور کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کوئی شخص وعظ و نصیحت  
قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو آدمی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے مگر غلبہ فسق کی وجہ سے کوئی  
باز نہیں آتا اور کسی پر کوئی اثر نہیں ہوتا ایسے حالات میں آدمی فقط اپنی اصلاح کرتا ہے اور راہ  
راست پر قائم رہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دے اس کو کوئی عذاب و ضرر لاحق نہیں  
ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے،

حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود  
سے ایک شخص نے اس آیت کے متعلق سوال کیا  
تو فرمایا اے لوگو یہ حکم اس آیت کے زمانہ (نزول)  
میں نہیں ہے لیکن عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ  
تم لوگ امر بالمعروف (و نہی عن المنکر) کرو گے تو اس  
کے جواب میں تمہارے ساتھ ایسا ویسا معاملہ کیا  
جائے گا (یعنی لوگ تمہارے ساتھ بدتمیزی سے  
پیش آئیں گے) یا یوں فرمایا کہ تمہاری بات کوئی

عن الحسن ان ابن مسعود بن سالہ  
رجل عن هذه الآية فقال ايها الناس  
انه ليس بزمانها ولكنه قد اوشك ان  
يأتي زمان تامرون بالمعروف فيصنع  
بكم كذا وكذا اوقال فلا يقبل منكم  
فحينئذ عليكم انفسكم لا يضركم من  
ضل اذا احتديتم (خرجہ عبدالرزاق والبواری  
والطبرانی وغيرهم) روح المعانی ص ۲۶

قبول نہیں کرے گا اس وقت تم لوگوں پر اپنی اصلاح واجب تم راہ راست پر ہے تو تم کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوگا



حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں آپ بیٹھے رہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کریں تو کیا حرج ہے اللہ نے تو رخصت دی ہے عَلَیْكُمْ الْفُسْکُمْ لَا یُضْرَکُمْ مَنْ ضَلَّ الْوَجْهَ  
تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا،

یہ آیت میرے اور میرے اصحاب کیلئے نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار! اس وقت جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں ہم لوگ حاضر تھے اور تم لوگ غائب تھے لیکن یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو پہلے بعد میں آئیں گے (اس وقت حالات ایسے ہوں

لیست لی ولا صحابی لان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الا قلیل من الشاهد الغائب فکنا نحن المشهود وانتم الغیب ولكن هذه الاية لا قوام یحییون من بعدنا ان قالوا لم یقبل منهم (اخرجه ابن جریر) روح المعانی ص ۲۶

گے) اگر لوگ (کوئی بات کسی کو سمجھانے کی) کہیں گے تو ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی، پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب و عدم وجوب اور ترک پر ضرر و عذاب کا لاحق ہونا اور نہ ہونا دو مختلف زمانوں میں ہے ولا تعارض بعد اختلاف الزمان،

③ تیسرا جواب یہ ہے کہ ترک کی اجازت اس صورت میں ہے جبکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی وجہ سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو ایسی حالت میں آدمی خود نیک عمل کرتا رہے دوسرا پر روک ٹوک نہ کرے فتنہ و فساد نہ پکڑے۔ بہتر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک ہے اور جب یہ اندیشہ نہ ہو تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے پس وجوب و عدم وجوب دو مختلف حالتوں میں ہے ولا تعارض بعد اختلاف الاحوال (روح المعانی)

وصیت کرنے میں گواہوں کا مسلما ہو ضروری ہے یا نہ ہو گواہ بن سکتا ہے؟

پارا نمبر ۲۸

آیات ① يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ حِينَ



الْوَصِيَّةِ اثْنَيْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخِرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ بِأَرْبَعَةِ رُكُوعٍ مِّنَ سُورَةِ مَائِدَةَ  
جلالین ص ۱۰۹ ● (۲) وَأَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ بِأَرْبَعَةِ رُكُوعٍ مِّنَ سُورَةِ الطَّلَاقِ

جلالین ص ۱۲۶۳

**تشریح تعارض** پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو دو عادل شخصوں کو گواہ بنا لینا مناسب اور بہتر ہے مگر ان گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اگر مسلمان نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے تو غیر مسلموں کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخِرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ فرمایا ہے کہ وہ دو عادل آدمی تم میں سے ہوں (یعنی مسلمانوں میں سے) یا تمہارے علاوہ (غیر مسلموں) میں سے ہوں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

**دفع تعارض** اس تعارض کے دو جواب ہیں

۱ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے ابتداء میں جبکہ مسلمانوں کی قلت تھی خصوصاً سفر کی حالت میں غیر مسلموں کو گواہ بنانے کی اجازت دیدی گئی تھی پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا اور گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیدیا گیا (تفسیر ابوالسعود، الفوز البکیر)

۲ پہلی آیت میں مِّنْكُمْ اور مِّنْ غَيْرِكُمْ سے مراد مِّنْ اقَارِبِكُمْ اور مِّنْ غَيْرِ اقَارِبِكُمْ ہے حضرت حسن، حضرت عکرمہ اور امام زہری سے یہ تفسیر منقول ہے حضرت شاہ صاحب نے بھی الفوز البکیر میں ایک توجیہ یہی ذکر فرمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ گواہوں کا مسلمان ہونا تو ضروری ہے البتہ اپنے اقارب اور رشتہ داروں میں سے ہونا ضروری نہیں، اپنے اقارب نہ ملیں تو غیر اقارب کو گواہ بنالیا جائے پس یہ آیت آیت ثانیہ کے معارض نہیں ہوتی (روح المعانی و الفوز البکیر)

حق تعالیٰ کفار کے مولیٰ ہیں یا نہیں؟

پارا نمبر ۱ و ۱۱ و ۲۶



آیات ۱) ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۗ پاره ۷ رکوع ۱۴ سورہ الانعام

جلالین ص ۱۱ ۲) وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ

پاره ۱۱ رکوع ۵ سورہ یونس جلالین ص ۱۴۳ ۳) ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا

وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ پاره ۱۴ رکوع ۵ سورہ محمد (قتال) جلالین ص ۴۲

تشریح تعارض | پہلی آیت میں رُدُّوا کی ضمیر فاعل مطلق مخلوق کی طرف راجع ہے

جس میں مومنین و کفار سب داخل ہیں ترجمہ یہ ہے کہ پھر ہماری مخلوق کو لوٹایا جائے گا اللہ کی طرف

جو ان کا مولائے حق ہے اور دوسری آیت کفار کے متعلق ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و ضل عنہم

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ سے معلوم ہوتا ہے ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ مومنین و کفار سب

کے مولیٰ اور مددگار ہیں اور تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ خداوند قدوس صرف مومنین کے مولیٰ اور

مددگار ہیں کفار کا کوئی مولیٰ اور مددگار نہیں ہے، پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

رفع تعارض | پہلی دو آیتوں میں مولیٰ بمعنی مالک و خالق ہے اور تیسری آیت میں مولیٰ بمعنی

ناصر و مددگار ہے خداوند قدوس مالک و خالق تو مومنین و کفار سب کے ہیں مگر ناصر و مددگار

صرف مومنین کے ہیں کفار کے نہیں، (جمل)

تبلیغ رسالت پر اجرت کے مطاب سے منع کیا گیا ہے یا اجازت دی گئی ہے؟

پارہ نمبر ۷ و ۱۹ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۵ و ۲۶

آیات ۱) قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ پاره ۷

رکوع ۱۶ سورہ الانعام جلالین ص ۱۲ ۲) قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ

شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا پاره ۱۹ رکوع ۳ سورہ الفرقان جلالین ص ۳۰ ۳)

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۗ پاره ۲۲ رکوع ۱۲ سورہ السباء

جلالین ص ۲۶۳ ۴) قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ پاره ۲۲



رکوع ۱۲ سورہ ص جلاہن ص ۳۸۵ (۵) اَمْ تَسْأَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّخْدُومٍ مُّثْقَلُونَ

پارہ ۲۷ رکوع ۱۲ سورہ الطور جلاہن ص ۴۳۶ (۶) قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا

اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى پارہ ۲۵ رکوع ۱۲ سورہ الشوری جلاہن ص ۴۰۳

**تشریح تعارض** پہلی چار آیتوں میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

حکم دیا کہ آپ لوگوں میں اعلان کر دیجئے کہ میں تبلیغ رسالت اور دعوت ایمان پر تم سے کسی

قسم کی اجرت اور معاوضہ کا سوال نہیں کرتا اس کا اجر اور معاوضہ تو مجھے حق تعالیٰ عطا فرمائیں گے

اور آیت نمبر ۵ میں ارشاد ہے کہ کیا آپ ان سے اجرت کا سوال کرتے ہیں جس سے کہ ان لوگوں

پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے کسی قسم کی

اجرت کا سوال نہیں کرتے ہیں، ان پانچوں آیات میں تبلیغ رسالت پر ہر قسم کے اجرت کے مطالبہ

کی نفی کی گئی ہے کیونکہ اَجْرًا نکرہ تحت النفی داخل ہے جو مفید عموم ہوتا ہے یعنی کسی بھی قسم

کی اجرت کا مطالبہ نہیں ہے اور آیت نمبر ۶ میں ہے کہ آپ کہہ دیجئے میں تم سے کسی اجرت کا

سوال نہیں کرتا مگر مودۃ فی القربٰی کا سوال کرتا ہوں کہ میری قرابت داری کا کچھ لحاظ رکھو، اس

میں اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا اَجْرًا سے استثناء کیا گیا ہے اور استثناء میں اصل اتصال ہے

جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کی جنس سے ہوتا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے

کہ مودۃ فی القربٰی بھی اجرت اور معاوضہ میں داخل ہے اور اس کی جنس سے ہے آیت کا مطلب

یہ ہوا کہ میں تم سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا سوائے اس اجرت کے کہ تم میری قرابت داری کا لحاظ

رکھو پس اس آیت میں تبلیغ رسالت پر ایک قسم کی اجرت یعنی مودت فی القربٰی کے مطالبہ اور سوال کا

اثبات ہے لہذا یہ آیت پہلی پانچ آیتوں کے بظاہر معارض ہوئی جن میں ہر قسم کی اجرت کے سوال کی

بالکلیہ نفی کی گئی ہے کوئی استثناء نہیں کیا گیا ہے،

**دفع تعارض** اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى استثناء منقطع ہے جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل اور



اور اس کی جنس سے نہیں ہوتا اور اَلَّا لکن کے معنی میں ہوتا ہے اس صورت میں مَوَدَّةٌ فِي الْقَرْبَىٰ  
 اَجْرًا وَمَعَاوَضَةً میں داخل ہی نہیں ہے قُلْ لَا اسْمُ لَكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا پر کلام تام ہو چکا ہے کہ میں تم سے کسی  
 قسم کی اجرت اور معاوضہ کا سوال نہیں کرتا آگے اَلَّا الْمَوَدَّةُ فِي الْقَرْبَىٰ سے مستقل دوسرا کلام ہے جس کا  
 مطلب یہ ہے کہ اگر تم میری نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی، لیکن میرا ایک انسانی اور  
 خاندانی حق بھی تو ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ تمہارے اکثر قبائل میں میری رشتہ داری اور  
 قرابتیں ہیں قرابت کے حقوق صلہ رحمی وغیرہ کا تو کم از کم خیال رکھو میرے ساتھ ایذا رسانی کا  
 معاملہ نہ کرو بات کا ماننا ماننا تو خیر تمہارے اختیار میں ہے مگر یہ قرابت داری تو کم از کم عداوت  
 و دشمنی سے مانع ہونی چاہئے، بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ مَوَدَّةٌ فِي الْقَرْبَىٰ اجرت نہیں ہے پس اس آیت  
 میں بھی مطلق اجرت کے سوال کی نفی مقصود ہے لہذا یہ آیت پہلی پانچ آیتوں کے معارض نہیں ہے  
 (ساوی، معارف القرآن وغیرہ)

② استنار متصل ہے اور مَوَدَّةٌ فِي الْقَرْبَىٰ اجرت میں داخل ہے مگر مَوَدَّةٌ فِي الْقَرْبَىٰ کو مجازاً  
 اجرت میں داخل مانا گیا ہے ورنہ درحقیقت یہ اجرو معاوضہ نہیں ہے بلکہ قرابت داری کی وجہ سے  
 محبت رکھنا تو اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے میں تبلیغ و تعلیم کروں یا نہ کروں مَوَدَّةٌ فِي الْقَرْبَىٰ کا  
 فریضہ ہر حال میں تم پر عائد ہوتا ہے تم اگر مَوَدَّةٌ فِي الْقَرْبَىٰ کو معاوضہ سمجھتے تو یہ تمہاری غلطی ہے،  
 اس صورت میں یہ کلام تاکید المدح بمائشہ الذم کے قبیل سے ہے یعنی کسی کی مدح اور تعریف کو  
 ایسی شے کے ذریعہ موکد کرنا جو مذمت اور برائی کے مشابہ ہے یعنی بظاہر اس کو مذمت اور عیب  
 سے تعبیر کیا جا رہا ہے ورنہ حقیقتہً مقصود مذمت نہیں بلکہ مدح و تعریف کو موکد اور پختہ کرنا ہے  
 عربی اور عجمی ہر زبان میں اس کا استعمال موجود ہے یقینی شاعر ایک قوم کی شجاعت و بہادری  
 بیان کرتے ہوئے کہتا ہے

لَا غَيْبَ فِيهِمْ غَيْبٌ اِنَّ سَيُفْقَهُمْ  
 بَهَنَ فُلُوْا مِنْ قِرَاعِ الْكِتَابِ

کہ ان لوگوں میں کوئی عیب اور برائی نہیں ہے سوائے اس عیب کے کہ دشمنوں کے لشکر



میں تلواریں زیادہ چلانے کی وجہ سے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں تلواروں کی دھاریں خراب ہو گئی ہیں اور ظاہر ہے کہ کثرتِ حرب و ضرب کی وجہ سے تلواروں کی دھاریں خراب ہو جانا درحقیقت بہادروں کیلئے کوئی عیب نہیں بلکہ ہنر اور کمال کی بات ہے مگر اس کو بظاہر عیب کہہ دیا گیا ہے اس سے مدح و تعریف میں تاکید پیدا ہو گئی ہے، ہماری اردو زبان کے محاورہ میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے جیسے کسی شہریر طالب علم کو استاذ نے بار بار اس کی شرارت پر ٹوکا اس کو وعظ و نصیحت کی، سمجھایا مگر وہ بجائے ماننے کے متغیر ہو کر مدرسہ سے بھاگ گیا، استاذ صاحب سے معلوم کیا گیا کہ آخر آپ نے اس کو کیا کہہ دیا تھا جس سے وہ فرار ہو گیا تو استاذ صاحب نے جواب کہ میں نے اس لڑکے کی شان میں اور کوئی غلطی و گستاخی نہیں کی سوائے اس غلطی کے کہ میں نے اس کی شرارتوں پر اس کو تنبیہ کر دی تھی اس کو سمجھا دیا تھا اب تم اس کو غلطی و گستاخی سمجھو یا محبت و بہدردی، ظاہر ہے کہ طالب علم کو اس کی شرارتوں اور غلط حرکتوں پر روک ٹوک کرنا اس کو سمجھانا یہ کوئی غلطی اور ظلم نہیں ہے بلکہ عین محبت و شفقت ہے مگر اس کو مجازاً غلطی سے تعبیر کر دیا گیا اردو شعر کا ایک مصرعہ ہے

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

اس میں شاعر نے وفاداری کو عیب سے تعبیر کیا ہے ورنہ درحقیقت وفاداری عیب نہیں بلکہ خوبی کی بات ہے،

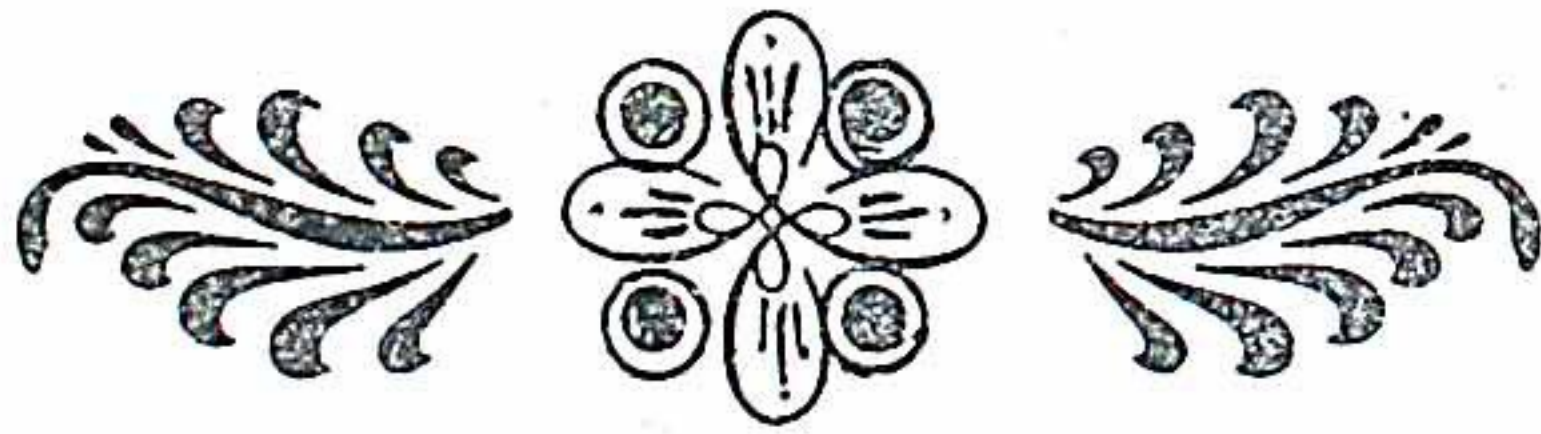
خلاصہ یہ ہوا کہ اس صورت میں مؤدۃ فی القربیٰ حقیقتہً اجرت و معاوضہ نہیں ہے پس اس آیت میں بھی مطلقاً اجر کی نفی ہے لہذا یہ آیت پہلی پانچ آیات کے معارض نہیں ہے (تفسیر خازن، صہادی، معارف القرآن وغیرہ)

۳ حضرت ضحاک اور حسین بن فضل فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے دراصل یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی تھی جب کہ مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے



تو حق تعالیٰ نے یہ آیت قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ کے سلم کے ساتھ محبت اور صلہ رحمی کا حکم دیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور حضرات انصار نے محبت و نصرت کا معاملہ کیا تو حق تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین کے ساتھ لاحق کرنا چاہا کہ جس طرح حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام نے تبلیغ رسالت پر کسی قسم کی اجرت کا مطالبہ نہیں کیا نہ مال کا اور نہ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کا اسی طرح آپ کو حکم دیا گیا اور آیت نازل فرمائی قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

اس آیت نے إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ والی آیت کو منسوخ کر دیا ولا تعارض بعدا نسخ مگر یہ توجیہ غیر پسندیدہ ہے اس لئے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اقارب کے ساتھ محبت و الفت کا معاملہ کرنا اور ایذا رسانی سے باز آنے کا حکم ابتداء میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے اہل بیت سے محبت رکھنا تو فسر الرض دین میں سے ہے ایمان کا جز لازم ہے اس لئے نسخ کی توجیہ کرنا درست نہیں ہے (تفسیر خازن)



حق تعالیٰ کی رویت ہوگی یا نہیں؟

پارا نمبر ۱ و ۲۹ و ۳

آیات ① لَا تَذَرُنَا لِابْصَارٍ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ



پارہ ۱۷ رکوع ۱۹ سورہ الانعام جلا میں ص ۱۲۲ ● (۲) وَجُوَّةٌ يَوْمَئِذٍ مُّاضِرَةٌ آتِي  
رَبَّهَا نَاطِرَةٌ پارہ ۲۹ رکوع ۱۱ سورہ القیامۃ جلا میں ص ۲۸۲ (۳) كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ

يَوْمَئِذٍ لَّمْ حُجُّوا رَبَّهُمْ پارہ ۳۲ رکوع ۵ سورہ التطفیف جلا میں ص ۲۹۳

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ لگا میں اللہ کا ادراک نہیں کرتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رویت نہیں ہوگی اور دوسری و تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت ہوگی چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ بہت سے بار و نق چہرے قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کو قیامت کے روز اللہ کا دیدار نصیب ہوگا اور تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومنین دیدار سے محروم نہیں ہوں گے ان کو حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، امام شافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ دیدار سے محرومی کفر کی وجہ سے ہوگی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی وجہ سے دیدار نصیب ہوگا امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے روز مومنین کو رویت نصیب نہ ہوتی تو کفار کو محرومی کیسا عار نہ دلائی جاتی کفار کو دیدار سے محرومی کی عار دانا اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین کو دیدار نصیب ہوگا کافی تفسیر الخازن، بہر حال ان آیات میں بظاہر تعارض ہے کہ پہلی آیت سے رویت باری تعالیٰ کی نفی ہوتی ہے اور اخیر کی دونوں آیتوں سے اثبات ہوتا ہے،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے چھہ جواب ہیں

① نفی دنیا میں ہے اور اثبات آخرت میں ہے یعنی لا تدرك الا بصار في الدنيا دنیا میں آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کرتی ہیں یعنی دنیا میں حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہوتی ہے البتہ آخرت میں رویت ہوگی اخیر کی دونوں آیتوں میں یومئذ کی قید سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اثبات رویت آخرت سے متعلق ہے یہ توجیہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے فرماتے ہیں لا تدرك الا بصار في الدنيا وهو بصر في الاخرة اثبات نفی کا محل مختلف ہونے کی وجہ سے



کوئی تعارض نہیں رہا (تفسیر خازن)

۲) آیت اولیٰ میں نفی ادراک کی ہے اور اخیر کی دو آیتوں میں اثبات نظر و رویت کا ہے ادراک اور رویت میں فرق ہے ادراک کہتے ہیں کسی شے کو اس طور پر دیکھنا کہ اس کی حدود و جوانب کا احاطہ ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ طول اتنا ہے عرض و عمق کی مقدار اتنی ہے اور یہ اس کی شکل و صورت ہے اور رویت کہتے ہیں کسی شے کا بغیر احاطہ کے معاینہ اور مشاہدہ کر لینے کو، حق تعالیٰ چونکہ حدود و جوانب، صورت و شکل اور جہات وغیرہ سے منزہ و مقدس ہے اس لئے حق تعالیٰ کا ادراک نہیں ہوگا البتہ رویت ہو جائے گی کیونکہ رویت بغیر احاطہ حدود و جوانب کے ہو جاتی ہے جمہور مفسرین نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے، ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک تفسیر یہی نقل کی ہے، قال لا تدركه الابصار لا يحيط بصرا احدًا بالله تعالیٰ پس جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں اور جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر خازن، مدارک، روح المعانی)

۳) قیامت کے دن اللہ کا دیدار اللہ کی اجازت پر موقوف ہوگا جب تک حق تعالیٰ ادراک کی اجازت نہیں دیں گے اس وقت تک نگاہیں ادراک نہیں کریں گی اور جب اجازت مل جائے گی تو ادراک ہوگا پس پہلی آیت میں نفی ادراک قبل الاذن پر محمول ہے اور اخیر کی آیتوں میں اثبات ادراک بعد الاذن پر محمول ہے، فلا تعارض (روح المعانی)

۴) حضرت ضرار بن عمرو الکوفی فرماتے ہیں کہ آیت اولیٰ میں آنکھوں کے ذریعہ ادراک و رویت کی نفی کی گئی ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کریں گی ہو سکتا ہے حق تعالیٰ قیامت کے دن حواسِ خمسہ کے علاوہ کوئی حاسہ سادسہ پیدا فرمادیں جس سے اللہ کا دیدار کیا جائے پس نفی رویت بجاستہ البصر کی ہے اور اثبات رویت بجاستہ غیر البصر کا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر کبیر، روح المعانی)

۵) اختلاف اشخاص پر محمول ہے آیت اولیٰ کفار سے متعلق ہے کہ کفار کی نگاہوں کو اللہ



کی رویت نصیب نہیں ہوگی اور دوسری دونوں آیتیں مومنین کے حق میں ہیں کہ ان کی نگاہیں اللہ کا دیدار کریں گی اس کی تائید تیسری آیت کَلَّا اَنهَم عَنْ رِيحِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ سے ہوتی ہے کہ کفار اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے اور اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا (بہذا التوجیہ استفاد من حاشیۃ جلالین ص ۱۲۲ بقولہ ولانی الاشخاص الخ)

⑥ الابصار جمع کا صیغہ ہے جس پر الف لام داخل ہے اور صیغہ جمع پر الف لام کا دخول مفید استغراق و عموم ہوتا ہے پس لاتدرک الابصار کا مطلب لاتدرک جمع الابصار ہوگا کہ تمام آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کریں گی اور مجموعہ کا سلب بعض کیلئے ثبوت پر دلالت کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ان زیدا ما ضربہ کل اناس ہ زید کو سب لوگوں نے نہیں مارا اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بعض نے مارا ہے پس اسی طرح آیت شریفہ میں جب کہا گیا کہ سب آنکھیں اللہ کا ادراک نہیں کریں گی اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض آنکھیں ادراک کریں گی، پس آیت اولیٰ میں مجموعہ کی نفی ہے اور دوسری دو آیتوں میں بعض کیلئے اثبات ہے جس کا اثبات اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر کبیر)

## گناہ کی سزا اس کے مثل ملے گی یا زیادہ؟

پارا نمبر ۵، ۱۱، ۱۲، ۱۹، ۲۴، ۲۵

- آیات ① وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا پارہ ۵ رکوع ۷ سورہ الانعام جلالین ص ۱۲۹ ② وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا پارہ ۱۱ رکوع ۵ سورہ یونس جلالین ص ۱۴۳ ③ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا پارہ ۲۴ رکوع ۱ سورہ المؤمن (غافر) جلالین ص ۳۹۴ ④ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلَهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ الْآيَةَ پارہ ۲۵ رکوع ۵ سورہ الشوریٰ جلالین ص ۲۶۴ ⑤ يُضَعْفُ لَهُمُ الْعَذَابُ



مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورہ ہود جلا میں ۱۸۱

⑥ يَضَعُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ پارہ ۱۹ رکوع ۴ سورہ الفرقان جلا میں ص ۳۰۸

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی کی سزا اسی کے مثل دی جائیگی

اور آیت نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کا عذاب بڑھا کر دیا جائے گا پس ان آیات میں

تعارض ہو رہا ہے،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① جرم اور سزا میں مماثلت کمیت کے اعتبار سے ہے اور تضاعف و زیادتی کیفیت کے اعتباراً

سے ہے اور جب دو متعارض چیزوں کی جہت بدل جائے تو تعارض نہیں رہتا مطلب یہ ہے

کہ ایک گناہ کی سزا کمیت اور مقدار کے اعتبار سے برابر ملے گی ایسا نہیں ہوگا کہ ایک گناہ کو دو

گناہ لکھ کر دو گنی سزا دیدی جائے البتہ کیفیت کے اعتبار سے وہ ایک ہی سزا بہت شدید ہوگی

(بیان القرآن)

② اختلاف اشخاص پر محمول ہے مماثلت مؤمن کے حق میں ہے اور تضاعف کافر کیلئے مؤمن

کو ایک جرم کی سزا اسی کے برابر ملے گی اور کافر کے گناہوں کی سزا کفر کی وجہ سے بڑھا دی جائے

گی (روح المعانی و خازن)

یہ پہلی تین آیات اور آخر کی دونوں آیتوں کے مابین تعارض کے جواب ہیں رہی چوتھی آیت

وَجَزَاءٌ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ انَّهُ سَوِيءٌ تُو مَعَارِضُ هِيَ نَهِيں هِيَ اس لئ

کہ یہ آخرت کی سزا سے متعلق نہیں بلکہ دنیا میں اگر کوئی کسی کے ساتھ برائی کرے تو اس کو اسی

کے مثل برائی کر کے انتقام لینے کی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے

معلوم ہوتا ہے

**گنہگار قیامت کے روز اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا یا دوسروں کا بھی؟**

**پارہ ۸، ۱۲، ۱۵، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۷**







## قیامت کے دن لوگوں کو سوال کیا جائے گا یا نہیں؟

پارا ۵ و ۱۲، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۲۷

آیات ۱) فَلَسُّنَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَسُّنَنَّ الْمُرْسَلِينَ پارہ ۵

رکوع ۵ سورہ الاعراف جلا میں ۱۲۹ (۲) فَوَرَبِّكَ لَسُّنْتُهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا

يَعْمَلُونَ پارہ ۱۲ رکوع ۷ سورہ الخجر جلا میں ۲۱۵ (۳) تَاللَّهِ لَسُّنْتُمْ عَمَّا كُنْتُمْ

تَفْتَرُونَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۳ سورہ النحل جلا میں ۲ (۴) وَلَسُّنْتُمْ عَمَّا كُنْتُمْ

تَعْمَلُونَ پارہ ۱۳ رکوع ۱۹ سورہ النحل جلا میں ۲۲۵ (۵) وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ

پارہ ۲۲ رکوع ۷ سورہ صافات جلا میں ۳۷۲ (۶) سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ وَيَسْأَلُونَ

پارہ ۲۵ رکوع ۵ سورہ الزخرف جلا میں ۴۰۶ (۷) وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ

الْمُجْرِمُونَ پارہ ۲۲ رکوع ۱۱ سورہ القصص جلا میں ۳۳۲ (۸) فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ

عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ پارہ ۲۷ رکوع ۱۲ سورہ الرحمن جلا میں ۴۲۲

تشریح تعارض | آیت نمبر ۷ تا ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو

ان کے اعمال وغیرہ کے متعلق سوال کیا جائے گا اور آیت نمبر ۷ و ۸ سے معلوم ہوتا ہے

کہ قیامت کے دن کسی انسان یا جن سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا پس ان آیات میں تعارض

تعارض ہے،

دفع تعارض | اس تعارض کے چار جواب ہیں،

① سوال دو قسم کا ہوتا ہے سوال استعلام (یعنی کسی نامعلوم شے کو معلوم کرنے کیلئے

سوال کرنا) دوسرا سوال توییح (ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکانے کے طور پر سوال کرنا) پہلی چھ

آیتوں میں سوال توییح کا اثبات مراد ہے اور اخیر کی دو آیتوں میں سوال استعلام کی نفی ہو

یعنی معلوم کرنے کیلئے کسی سے کوئی سوال نہیں ہوگا اس لئے کہ حق تعالیٰ کو ساری مخلوق کے اعمال

وانفعال کا علم ہے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ زجر و توییح کے طور پر حق تعالیٰ مخلوق



سے سوال کریں گے کہ تم نے فلاں گناہ کیوں کیا فلاں نیکی کیوں نہیں کی وغیرہ وغیرہ (جمل وغیرہ) البتہ پہلی آیت میں جو "وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ" فرمایا گیا ہے کہ ہم رسولوں سے بھی سوال کریں گے وہ سوال یہ ہوگا کہ جب تم نے اپنی قوم کو دعوتِ ایمان دی تو تمہاری قوم نے کیا جواب دیا؟ تمہارا کہنا مانا یا نہیں اور اس سوال سے مقصود رسولوں کو توبیح کرنا نہیں ہوگا بلکہ ان کی اُمتوں کے کفار کو زجر و توبیح کرنا مقصود ہوگا (روح المعانی)

۲) اختلافِ اوقات پر محمول ہے قیامت کا دن بہت طویل ہوگا ایک وقت ایسا ہوگا کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا پھر دوسرے وقت میں سوالات شروع ہو جائیں گے پس کوئی تعارض نہیں ہے (جلالین شریف)

۳) اختلافِ مکان پر محمول ہے یعنی میدانِ حشر میں ایک موقف میں تو کسی سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا جب دوسرے موقف یعنی موقفِ حساب میں پہنچیں گے وہاں سوال کیا جائے گا حضرت عکرمہ اور قتادہ نے یہی توجیہ فرمائی ہے (روح المعانی)

۴) اخیر کی دونوں آیتوں میں سوال عن الاعمال کی نفی مراد ہے اور جن آیات میں سوال کا ذکر ہے وہاں سوال عن الدعائی والموانع مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ دعائی الی الاعمال السیئۃ اور موانع عن الاعمال الحسنۃ کے متعلق سوال ہوگا کہ کونسا داعیہ پیدا ہوا تھا جو تم نے فلاں گناہ کیا اور کونسا مانع پیش آگیا تھا جو تم نے فلاں عمل صالح نہیں کیا پس کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس سوال کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے (تفسیر کبیر)

**کفار کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں؟**

**پارا نمبر ۸ و ۱۳ و ۲۴**

**آیات ۱** قَالَ انظُرْنِي اِنِّي يَوْمَ يُبْعَثُونَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ پارہ ۸



رکوع ۹ سورہ الاعراف جلا میں ۱۳ ● (۲) وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ  
 پارہ ۱۳ رکوع ۸ سورہ الرعد جلا میں ص ۲۰۲ (۳) وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ  
 پارہ ۲۴ رکوع ۱ سورہ المؤمن (غافر) جلا میں ص ۳۹۲ ،

**تشریح تعارض** پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی دعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ  
 حق تعالیٰ نے رئیس الکفار ابلیس لعین کی دعا قبول فرمائی ہے اس نے دعا مانگی رَبِّ انظرني  
 اِطِي يَوْمٍ يُبْعَثُونَ اے رب مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دینا یعنی قیامت تک زندہ  
 رکھنا حق تعالیٰ نے دعا قبول فرماتے ہوئے فرمایا اِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِيْنَ تجھ کو مہلت دیدی  
 گئی ہے تو جب ابلیس کی دعا قبول ہو گئی تو کفار کی دعا بدرجہ اولیٰ قبول ہو سکتی ہے ابونصر  
 ولبوسی اور دیگر فقہاء اسی کے قائل ہیں مگر دوسری دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی دعا  
 قبول نہیں ہوتی اس کی دعا بیکار اور باطل ہے ضلل سے مراد ضیاع و بطلان ہے پس ان آیات میں  
 بظاہر تعارض ہو رہا ہے ،

**رفع تعارض** اس تعارض کے تین جواب ہیں

① اخیر کی دو آیتوں میں دُعا سے مراد آیتوں سے دعا مانگنا ہے کافر اگر اللہ سے دعا کرے تو  
 قبول ہو جاتی ہے اور اگر بتوں سے دعا کرے تو ضائع اور باطل ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

② پہلی آیت میں امور دنیا سے متعلق دعا کرنا اور اخیر کی دو آیتوں میں امور آخرت سے متعلق دعا  
 کرنا مراد ہے یعنی کافر اگر دنیا سے متعلق دعا کرے تو وہ قبول ہو جاتی ہے جیسا کہ ابلیس کی دعا  
 حیاتِ دنیوی سے متعلق تھی اس لئے قبول ہو گئی اور اگر امور آخرت سے متعلق مثلاً مغفرت یا رفع  
 عذاب یا تخفیف عذاب کی دعا کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ آیت ثالثہ کے سابق یُخَفَّفُ  
 عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ سے معلوم ہوتا ہے ، (روح المعانی وغیرہ)

③ اِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِيْنَ کہنا قبولیت دعا نہیں ہے بلکہ یہ تو ابلیس کی تقدیر اور قضا  
 کا بیان ہے یعنی ہم نے تیری تقدیر میں قیامت تک زندگی پہلے ہی سے لکھ دی ہے اگر تو دعا



زہ بھی کرتا تب بھی قیامت تک زندہ رہتا، اِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِيْنَ جملہ اسمیہ لانا پھر اس کو  
 اِنَّ کے ساتھ مقید کرنا اسی پر دال ہے اگر یہ جواب قبولیت و عار کے طور پر دیا جاتا تو قَدْ اَنْظَرْتُكَ  
 جملہ فعلیہ کے ساتھ ہونا چاہئے تھا کہ میں نے تجھ کو نہلت دیدی ہے تیری و عار قبول کر لی گئی ہے  
 بجائے اس کے اِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِيْنَ ارشاد فرمایا مطلب یہ ہے کہ تو تو منظرین میں سے ہے ہی،  
 معلوم ہوا کہ یہ قبولیت دعا نہیں ہے پس یہ آیت اخیر کی دونوں آیتوں کے معارضی نہیں ہے  
 (روح المعانی، النبراس شرح شرح العقائد)

### سماوات وارض کی تخلیق چھ دن میں ہوئی یا آٹھ دن میں؟

پارہ نمبر ۵، ۱۱، ۱۲، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۶، ۲۷

آیات ۱) اِنَّ رَبَّكُمْ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ،  
 پارہ ۵ رکوع ۱۳ سورہ الاعراف جلا میں ۱۳۲) اِنَّ رَبَّكُمْ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ پارہ ۱۱ رکوع ۶ سورہ یونس جلا میں ۱۷) وَهُوَ الَّذِي  
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ پارہ ۱۲ رکوع ۱ سورہ ہود جلا میں ۱۸۰  
 ۲) الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ پارہ ۱۹ رکوع ۳  
 سورہ الفرقان جلا میں ۳۰۷) اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا  
 فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پارہ ۱۲ رکوع ۱ سورہ السجدة جلا میں  
 ۳۲۹) ۶) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا  
 مِنْ اَلْحُوبِ پارہ ۲۶ رکوع ۱۷ سورہ ق جلا میں ۲۳۱) ۷) هُوَ الَّذِي خَلَقَ  
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ پارہ ۲۷ رکوع ۱ سورہ الحديد جلا میں ۲۲۹  
 ۸) قُلْ اَبْنٰكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ — اِلٰى اَنْ قَالَ  
 — وَجَعَلَ فِيْهَا رَاسِيْ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَمْوَالَهَا فِيْ



اَرْبَعَةَ اَيَّامٍ — اِنِّى اَنْ قَال — فَفَقَضْتُهُنَّ سَبْعَ سَمُوَاتٍ فِى يَوْمَيْنِ

پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورہ حم سجدہ (فصلت) جلاسن ۳۹۷

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ تا ۷ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں زمینوں

اور مابینہما کی تخلیق چھ دن میں فرمائی اور آیت نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ دن میں پیدا

کیا چنانچہ آیت نمبر ۸ میں ارشاد ہے کہ دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور چار دن میں پہاڑوں

اور کھانے پینے کی چیزوں کو پیدا کیا اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنائے کل مجموعہ

آٹھ دن ہو جاتا ہے پس یہ آیت پہلی سات آیتوں کا بظاہر معارض ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① آیت نمبر ۸ میں فِى اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ میں تمام مضاف محذوف ہے ای فِى تِمَّةٍ

اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ جیسا کہ علامہ زجاج نے اس کی تشریح کی ہے یعنی زمین اور پہاڑوں وغیرہ کی

پیدائش پورے چار دن میں ہوئی اس طور پر کہ دو دن میں زمین اور دو دن میں پہاڑ وغیرہ

پیدا کئے کل چار دن ہو گئے اس کو حق تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ دو دن میں زمین اور چار

دن میں جبال واقوات کو پیدا کیا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ محاورات میں بولا جاتا ہے سَمَوَاتٍ

مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى بَغْدَادٍ فِى عَشْرَةِ وَاكْوَفَةٍ فِى خَمْسِ عَشْرَةِ كَهْمِى بَصْرَةَ سَمَوَاتٍ

میں بغداد پہنچا اور پندرہ دن میں کوفہ پہنچا اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پندرہ دن میں دن

کے علاوہ ہیں اور کوفہ پہنچنے تک پچیس دن ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پندرہ دن پہلے

دس دن کو ملا کر ہوئے ہیں کہ دس دن بغداد پہنچنے میں صرف ہوئے اور پانچ دن کوفہ پہنچنے

میں کل ملا کر پندرہ دن ہو گئے (مدارک)

یا جیسا کہ یوں کہا جاتا ہے کہ دو سال میں تو اس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چار سال میں

مکتب میں بٹھا دیا ظاہر ہے کہ مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ان دو سال کے علاوہ چار سال مراد ہیں جس

سے کل چھ سال ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ دودھ چھڑانے کے دو سال بعد جب لڑکا



چار سال کا ہو گیا تو مکتب میں بٹھا دیا پس یہ چار سال پہلے دو سال کو ملا کر مراد ہوتے ہیں اسی طرح آیت شریفہ میں اربعۃ ایام تخلیق ارض کے دو دنوں کو ملا کر مراد ہیں (بیان القرآن) ۲ علامہ زنجشیری نے توجیہ یہ کی ہے کہ "فی اربعۃ ایام" جعل مذکور کا ظرف نہیں ہے بلکہ کائنات محذوف سے متعلق ہو کر مبتدأ مقدر کی خبر واقع ہے عبارت اس طرح ہے وکل ذلك من خلق الارض وما بعدہ کائن فی اربعۃ ایام اور یہ دراصل تفصیل کا خلاصہ ہے جیسے حساب کرنے کے بعد اخیر میں کل میزان لگا دی جاتی ہے ایسا ہی یہاں پر ہے کہ دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور دو دن میں جبال و اقوات کو ان سب ایام کی کل میزان اربعۃ ایام ہو گئی لیکن سوال یہ ہے کہ جب چند اعداد کی میزان لگائی جاتی ہے تو ان سب اعداد کی تصریح کرنا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے سرت من البصرۃ الی واسط فی یومین ومن واسط الی الکوۃ فی یومین فذلک اربعۃ ایام میں بصرہ سے واسط تک دو دن میں پہنچا اور واسط سے کوثر تک دو دن میں پس یہ کل ملا کر چار دن ہو گئے اور آیت شریفہ میں صرف ارض کے متعلق یومین کی تصریح ہے جبال و اقوات کے متعلق یومین نہیں فرمایا تو اخیر میں میزان لگانا کیسے درست ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ میزان لگانے میں دونوں عددوں کا علم کافی ہوتا ہے الفاظ میں تصریح ضروری نہیں ہے (روح المعانی)

بہر حال ان دونوں توجیہوں کے سامنے آنے کے بعد واضح ہو گیا کہ اس آیت نمبر ۷ میں بھی ستہ ایام ہی مراد ہیں پس یہ آیت آیات سابقہ کے معارض نہیں رہی،

**حضرت ابوہریرہؓ کی نصیحت پر انکی قوم نے کیا جواب دیا؟**

**پارا نمبر ۷ و ۱۹ و ۲۰**

**آیات ۱** وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ اللَّهُ يَأْتِيهِمْ رُكُوعًا  
سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۳ ۲ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ



پارہ ۱۹ رکوع ۱۹ سورہ النمل جلا میں ص ۳۲۲ ● (۳) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ

قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۱۵ سورہ العنکبوت جلا میں ص ۳۳۷

**تشریح تعارض** پہلی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور لواطت سے منع کیا تو قوم کا جواب صرف یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی آل کو بستی سے نکال دو اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا جواب نہیں دیا تھا کیونکہ نفی واستثنا کیساتھ کلام کرنا مفید حضرت ہے یعنی جواب قوم منحصر ہے آل لوط کو بستی سے نکلنے میں اور آیت نمبر ۱۵ میں فرمایا کہ قوم کا جواب صرف یہ تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب نازل کر دیجئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا جواب نہیں تھا، پس ان دونوں حصروں میں نظائر تعارض ہو رہا ہے، **رفع تعارض** اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① اختلاف زمان پر محمول ہے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار نصیحت و توبیح فرمائی پہلی مرتبہ جب نصیحت فرمائی تو قوم نے صرف یہ جواب دیا ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین جو کہ آیت نمبر ۱۵ میں مذکور ہے اس کے بعد جب دوبارہ نصیحت و توبیح کی تو قوم نے صرف یہ جواب دیا اُخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اور ان کی اتباع میں علامہ ابوالسعود نے یہی توجیہ فرمائی ہے دلیل اس توجیہ کی یہ ہے کہ جب کسی کو وعظ و نصیحت اور زجر و توبیح کی جاتی ہے تو پہلے نمبر پر تو وہ تکذیب واستہزاء کرتا ہے اور ان کا قول ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین تکذیب واستہزاء ہی کے قبیل سے ہے اس کے بعد جب دوبارہ وعظ و توبیح کی جاتی ہے تو آدمی غصہ ہو کر اور تنگ آکر انتقام و تعذیب پر آمادہ ہوتا ہے کہ اس ناصح کو بستی سے نکال دینا چاہئے یا قتل کر دینا چاہئے اور قوم لوط کا یہ قول اُخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ انتقام و تعذیب ہی کے قبیل سے ہے (روح المعانی)

② اختلاف زمان ہی پر محمول ہے مگر صورت یہ ہے کہ جس وقت حضرت لوط علیہ السلام قوم کو نصیحت کرتے تھے اس وقت تو وہ لوگ ان کو صرف یہ جواب دیتے تھے کہ ائتنا بعذاب



اللہ ان کنت من الصادقین اور جب آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرتے تھے اور ایک دوسرے سے معلوم کرتے تھے کہ ان کا کیا کرنا چاہئے تو آپس میں ان کا جواب صرف یہ ہوتا تھا اَخْرَجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ پس پہلی دو آیتیں مشورہ کے وقت پر محمول ہیں اور تیسری آیت حضرت لوط علیہ السلام کے نصیحت کرنے کے وقت پر محمول ہے (روح المعانی) ۲) اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی ان دونوں جوابوں میں سے ایک جواب تو قوم کے اُمراء اور سرداروں کا ہوتا تھا اور دوسرا جواب عوام الناس دیا کرتے تھے یا تو یہ کہا جائے کہ اُمراء اور خواص تو اتنا بعد اب اللہ کہتے تھے اور عوام الناس اخرجوهم من قريتكم کہا کرتے تھے یا اس کے برعکس، (روح المعانی)

### قوم ثمود پر کونسا عذاب آیا؟

پارا نمبر ۵، ۱۲، ۱۴، ۲۲، ۲۶، ۲۹

- آیات ۱) فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيْنٍ پارہ ۷ رکوع ۷ سورہ الاعراف جلا لیں ۱۳۶ ۲) وَآخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَاصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيْنٍ پارہ ۱۲ رکوع ۷ سورہ ہود جلا لیں ۱۸۵ ۳) فَآخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنٍ پارہ ۱۲ رکوع ۷ سورہ الحجر جلا لیں ۲۱۴ ۴) اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيْمِ الْاِحْتَضِرِ پارہ ۱۲ رکوع ۹ سورہ القمر جلا لیں ۲۲۲ ۵) فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاصْلَبُوْا بِالطَّاغِيَةِ پارہ ۲۹ رکوع ۵ سورہ الحاقة جلا لیں ۴۱ ۶) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُوْدٍ پارہ ۲۴ رکوع ۱۶ سورہ حم سجدة جلا لیں ۳۹۷ ۷) فَآخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ عَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ پارہ ۲۲ رکوع ۱۶ سورہ حم سجدة جلا لیں ۳۹۸ ۸) فَآخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ



بارہ ۲۷ رکوع ۱ سورہ الذاریت جلا میں ص ۲۳

**تشریح تعارض** | ان آیات میں قوم ثمود پر آنے والے عذاب کو بیان فرمایا ہے مگر عذاب

کی نوعیت کیا تھی؟ اس بارے میں یہ آیات متعارض ہیں آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ رُجْفہ

سے ہلاک کیا گیا جس کے معنی زلزلہ شدیدہ کے آتے ہیں اور آیت نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۵ سے

معلوم ہوتا ہے کہ صیحہ اور طغیہ سے ہلاک کیا گیا صیحہ اور طغیہ کے معنی صوتِ شدید اور چیخ کے

آتے ہیں طغیہ طغیٰ یطغی سے ماخوذ ہے یعنی سرکشی کرنا حد سے تجاوز کرنا مراد اس سے ایسی آواز

جو شدت میں تمام آوازوں سے تجاوز کر جائیوالی تھی حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ سے طغیہ کی

تفسیر صیحہ سے منقول ہے اور آیت نمبر ۶ و ۷ و ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاعقہ سے ہلاک کیا گیا

صاعقہ کے معنی آسمان سے گرنے والی بجلی کے آتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ قوم ثمود پر جب عذاب آیا تو اولاً حضرت

جبریل علیہ السلام نے آسمان سے ایک چیخ ماری اس چیخ کی وجہ سے زمین میں زلزلہ پیدا ہوا

جس سے یہ لوگ ہلاک ہو گئے پس ہلاکت کا سبب رُجْفہ اور رُجْفہ کا سبب صیحہ ہے پس کہیں تو

سبب قریب یعنی رُجْفہ کو ذکر کر دیا اور کسی جگہ سبب بعید یعنی صیحہ کو ذکر فرما دیا اور صاعقہ کے معنی

لغت میں مطلق عذاب کے بھی آتے ہیں اس لئے بعض آیات میں اس کو صاعقہ سے تعبیر فرما دیا

اور چونکہ یہ عذاب حد سے متجاوز تھا اس لئے آیت نمبر ۵ میں اس کو طغیہ سے تعبیر کر دیا گیا

پس کوئی تعارض نہیں، (روح المعانی و صاوی وغیرہ)

**حضرت شعیبؑ کی قوم کونسے عذاب سے ہلاک ہوئی؟**

پارا نمبر ۹، ۱۲، ۱۹، ۲۰

**آیات** ① فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جثثين

پارہ ۹ رکوع ۱ سورہ الاعراف جلا میں ص ۱۳ ② فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ



پارہ ۲۲ رکوع ۱۶ سورہ العنکبوت جلا میں ۲۲۸ ● (۳) وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا

الصَّيْغَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِيَةً پارہ ۱۲ رکوع ۸ سورہ ہود جلا میں ۱۸۷

● (۴) فَأَخَذَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ الظُّلَّةِ پارہ ۱۹ رکوع ۱۲ سورہ الشعراء جلا میں ۳۱۵

**تشریح تعارض** | ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر آنے والے عذاب کا ذکر

ہے مگر نوعیت عذاب میں یہ آیات متعارض ہیں آیت نمبر ۱ و ۲ میں رُحْبُفَ (زلزلہ شدیدہ) کا

ذکر ہے آیت نمبر ۳ میں ہے کہ صَبْحَهُ (چینج) سے ہلاک کیا گیا اور آیت نمبر ۴ میں ہے کہ یَوْمَ ظُلَّةٍ

کے عذاب نے ان کو پکڑ لیا ظُلَّةٍ کے معنی سائے کے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سائے کے عذاب

سے ہلاک کیا گیا پس ان آیات میں ظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس مقام پر بھی وہی توجیہ جاری ہوگی جو اوپر قوم ثمود کے بارے میں ذکر

کی گئی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چینج سے زلزلہ پیدا ہوا جس سے یہ لوگ ہلاک ہو گئے پہلی

دو آیتوں میں سبب قریب اور آیت نمبر ۳ میں سبب بعید کی طرف نسبت کر دی گئی رہی چونکہ

آیت جس میں عذاب یوم الظلہ کا ذکر ہے تو یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دوسری قوم اصحاب

ایک کے بارے میں ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایک اور

اہل مدین دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اہل مدین تو صبح اور رُحْبُفَ سے ہلاک ہوئے اور

اصحاب ایک کو ظُلَّةٍ کے عذاب سے ہلاک کیا ظُلَّةٍ کے معنی سائے کے ہیں سایہ سے مراد بادل کا

سایہ ہے جو آگ بن کر ان پر برس پڑا تھا حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ اصحاب

ایک پر اللہ نے شدید گرمی نازل فرمائی جس سے ان کا دم گھٹنے لگا تو وہ گھروں میں داخل ہو گئے

گرمی گھروں کے اندر گھس گئی وہ وہاں سے نکلے اور بھاگ کر جنگل میں چلے گئے تو اللہ نے ایک

بادل بھیجا جس نے ان پر سایہ کر لیا ان کو ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوئی تو ایک نے دوسرے کو

پکارا کہ یہاں آ جاؤ یہاں راحت ہے سب لوگ اس بادل کے سائے کے نیچے جمع ہو گئے تو اللہ نے

اس بادل کو آگ بنا کر ان پر نازل کر دیا وہ آگ ان سب کو کھا گئی آخر جب عبد بن جمید و ابن جریر



وابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم ( روح المعانی و منطہری، جمل و صاوی وغیرہ )

## حضرت موسیٰ کا عصا بطور معجزہ باریک اور چھوٹا سانپ بنا تھا یا بڑا اثر دیا

پارا نمبر ۹، ۱۶، ۱۹، ۲۰

- آیات | ۱ | فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ پارہ ۹ رکوع ۲ سورہ الاعراف  
جلالین ص ۱۳۸ | ۲ | فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ پارہ ۱۹ رکوع ۶ سورہ الشعرا  
جلالین ص ۳۱ | ۳ | فَالْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْتَفِي پارہ ۱۶ رکوع ۱ سورہ طہ جلالین  
ص ۲۶۱ | ۴ | فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا پارہ ۱۹ رکوع ۱۶ سورہ النمل  
جلالین ص ۳۱ | ۵ | مَثَلَمَا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا پارہ ۲ رکوع ۵  
سورہ القصص جلالین ص ۳۲۹

**تشریح تعارض** حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا معجزہ کے طور پر جو سانپ بن جاتا تھا اس کو آیت نمبر ۱ و ۲ میں تو ثعبان سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی بڑے سانپ کے آتے ہیں جس کو اڑدھا کہا جاتا ہے اور آیت نمبر ۳ میں حیۃ فرمایا جس کے معنی مطلق سانپ خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، اور آیت نمبر ۴ و ۵ میں جان سے تعبیر فرمایا جس کے معنی پتلے اور چھوٹے سانپ کے آتے ہیں پس ان میں سے تیسری آیت تو معارض نہیں ہے کیونکہ لفظ حیۃ تو ثعبان اور جان دونوں کو شامل ہے البتہ آیت نمبر ۱ و ۲ اور آیت نمبر ۳ میں بظاہر تعارض ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

- ① اختلاف احوال یا ازمان پر محمول ہے یعنی ابتداء میں تو وہ چھوٹا سانپ بنا جو عصا کے بقدر موٹا تھا پھر وہ پھولتا گیا اور بڑا ہوتا گیا یہاں تک کہ بہت بڑا اثر دھا بن گیا، حالت ابتداء کے اعتبار سے جان کہہ دیا گیا اور حالت انتہاء کے اعتبار سے ثعبان سے تعبیر کر دیا گیا، (بیضاوی، خازن، مدارک وغیرہ)



② اختلافِ جہت پر محمول ہے جُثہ اور ہیئت کے اعتبار سے وہ بڑا اژدھا تھا اور سرعتِ مشی (تیز دوڑنے) کے اعتبار سے پتلے سانپ کی طرح تھا پتلا سانپ بہ نسبت موٹے سانپ کے تیز دوڑتا ہے پس وہ سانپ ثعبان تھا من جہۃ الجثۃ والہیئۃ اور جان تھا من جہۃ سرعت المشی و لا تعارض بعد اختلاف الجہات (خازن، مدارک، جلالین وغیرہ)

جادوگر نے ایمان لاتے وقت اَمَّنَا بِرَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ كَمَا تَهَيَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ؟

پارا نمبر ۹ و ۱۶ و ۱۹

آیات ① قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ پارہ ۹ رکوع ۲  
سورۃ الاعراف جلالین ص ۱۳۸ ② قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ  
پارہ ۱۹ رکوع ۷ سورۃ الشعراء جلالین ص ۳۱۱ ③ قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ  
وَمُوسٰى پارہ ۱۶ رکوع ۱۲ سورۃ طہ جلالین ص ۲۶۴

تشریح تعارض | جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی حقانیت کو پہچان لیا تو ایک دم سجدہ میں گر گئے اور مشرف بایمان ہو گئے انھوں نے ایمان کا اظہار کیں الفاظ میں کیا اس بارے میں پہلی دو آیتوں میں تو فرمایا کہ انھوں نے کہا اَمَّنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ یعنی موسیٰ کو ہارون پر مقدم کیا اور تیسری آیت میں ہے کہ انھوں نے کہا اَمَّنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ وَمُوسٰى یعنی ہارون کو موسیٰ پر مقدم کر کے کہا پس ان آیات میں لفظ تعارض ہے،  
دفع تعارض | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① ساحرین کا مقولہ تو "رب موسیٰ و ہارون" ہی ہے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مقدم کیا اس لئے کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام سے اشرف ہیں اور نبوت و رسالت میں اصل ہیں حضرت ہارون علیہ السلام ان کے تابع اور وزیر و معین تھے مگر سورہ طہ میں حق تعالیٰ نے رعایتِ فاصلہ



کی وجہ سے رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ فرمادیا، رعایتِ فاصلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ کے چند جملوں کے آخری حروف میں توافقی پیدا ہو جائے چنانچہ اس آیت سے پہلی اور بعد کی آیات کے اخیر میں اَعْلَىٰ، اَتَىٰ، اَبْتَىٰ کے الفاظ آئے ہیں اس مناسبت سے رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ کہہ دیا گیا تاکہ ان سب آیات کے آخری کلمات میں توافقی پیدا ہو جائے اگر رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ کہا جاتا تو توافقی پیدا نہ ہوتا، (روح المعانی)

② ساحرین کا منقولہ رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ تھا یعنی انہوں نے ہارون کو موسیٰ پر مقدم کر کے کہا تھا یا تو اس وجہ سے کہ ہارون علیہ السلام عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے یا اس وجہ سے کہ اگر رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ کہتے تو رَبِّ مُوسَىٰ کا لفظ سنتے ہی اول و ہلہ میں فرعون یہ سمجھتا کہ یہ جادوگر مجھ پر ایمان لا رہے ہیں اس لئے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا مجازی رَبِّ یعنی پرورش کرنے والا تھا پس و ہارون کہنے سے پہلے پہلے فرعون یہ خیال کرتا کہ رَبِّ مُوسَىٰ سے مراد میری ذات ہے اور یہ لوگ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں اگرچہ و ہارون کہنے کے بعد یہ وہم دور ہو جاتا مگر اول امر میں ایک لمحہ کیلئے تو اس کو یہ وہم باطل ہو ہی جاتا اس لئے جادوگروں نے اول و ہلہ ہی سے اس کے توہم باطل کو ختم کرنے کیلئے ہارون علیہ السلام کو مقدم کیا اور رَبِّ هَارُونَ وَ مُوسَىٰ کہا تاکہ اس لعین و مردود کو ایک لمحہ کیلئے بھی اس توہم باطل کا موقع نہ ملے

بہر حال ساحرین کا منقولہ رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ تھا مگر حق تعالیٰ نے سورہ اعراف اور سورہ شعراء میں ان کے منقولہ کو نقل کرتے وقت موسیٰ کو ان کے اشرف اور اصل ہونے کی وجہ سے یا رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے متذکر کے رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ فرمادیا کیونکہ اعراف اور شعراء میں اس آیت سے پہلی اور بعد کی آیات کا اختتام نون کے ساتھ ہے (روح المعانی)

③ علامہ ابو حیان فرماتے ہیں کہ دونوں مقولوں کے قائلین جدا جدا ہیں جادوگروں کی ایک جماعت نے رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ کہا تھا اور دوسری جماعت نے رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ کہا تھا اور جب دو متعارض مقولوں کے قائلین جدا جدا ہوں تو کوئی تعارض نہیں رہتا، لیکن سوال



یہ ہے کہ جب قائلین جُدا جُدا ہیں تو قال بعضہم قال بعضہم کہنا چاہئے تھا ہر مقولہ کی نسبت سب کی طرف کر کے دونوں جگہ قالوا کیسے کہہ دیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں مقولوں کا مقصد و مفہوم چونکہ متحد تھا کہ موسیٰ و ہارون دونوں کے رب پر ایمان لانا مقصود تھا نہ کہ تقدیم و تاخیر اس لئے ہر مقولہ کی نسبت سب کی طرف کر دی گئی، (روح المعانی)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطانی وسوسہ کا اثر ہوتا تھا یا نہیں؟

### پارا نمبر ۹ و ۱۲

**آیات ۱** وَإِنَّمَا يَنْزِعُ عَنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ پارہ ۹ رکوع ۱۲ سورہ الاعراف جلاہن ۱۲۶ و ۱۲۷ ۲) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَايِبِينَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۲ سورہ الحجر جلاہن ۲۱۳ ۳) إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۹ سورہ النحل جلاہن ۲۲۶

**تشریح تعارض** پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے اس معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے اور آیت نمبر ۲ میں حق تعالیٰ نے شیطان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہے (تو ان کے قلوب میں وساوس نہیں ڈال سکتا ان کو ضلالت و معاصی پر آمادہ

۱) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ میں عباد کی اضافت یا ئے متکلم کی طرف اضافت عہدیہ ہے مراد عباد مخلصین ہیں جن کا ذکر اس سے اوپر کی آیت إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ میں آیا ہے اس لئے ترجمہ "مخلص بندوں" کیا گیا ہے ۱۲ ماخوذ من حاشیہ بیان القرآن



نہیں کر سکتا اسی طرح آیت نمبر ۳ میں ارشاد ہے کہ اہل ایمان اور اہل توکل پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مخلص و متوکل بندوں پر شیطان کا کوئی تسلط و تصرف نہیں چلتا جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اول درجہ میں داخل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین مخلصین اور اہل توکل و ساوس شیطانہ سے محفوظ رہتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض | اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،**

① آیت نمبر ۱ میں "وَإِن تَرَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ" علی سبیل الفرض والتقدير کہا گیا ہے کہ اگر بالفرض آپ کو شیطانی وسوسہ آنے لگے تو استعاذہ کیجئے مگر اس کا کبھی وقوع نہیں ہوا، آپ کا قلب مبارک شیطانی وساوس سے بالکل محفوظ رہا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہے لَنْ اَشْرَكَتَ لِيَحْبَطَ عَنْكَ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر بفرض محال آپ نے شرک کر لیا تو آپ کے سارے اعمال بیکار ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا صدور محال ہے پس یہ آیت وقوع وسوسہ پر دلالت نہیں کرتی لہذا یہ اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہوگی، (تفسیر کبیر، روح المعانی، تفسیر خازن)

② نزاع شیطان سے مراد مجازاً غصہ و غضب کا پیش آجانا ہے شیطانی وسوسہ و تصرف مراد نہیں ہے کہ اگر آپ کو کبھی غصہ لاحق ہو جائے تو آپ اس کے مقتضی پر عمل نہ کیجئے بلکہ استعاذہ کیجئے اس سے غصہ دور ہو جائے گا، غصہ لاحق ہو جانے کو مجازاً نزاع شیطان سے تعبیر کر دیا گیا اس کی تائید اس آیت کے شان نزول سے ہوتی ہے جو تفسیر مظہری میں مذکور ہے حضرت عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں کہ جب خذ العفو و أمر بالعرف انا نازل ہوئی جس میں آپ کو معاف کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا "کیف یارب والغضب" کہ اے رب اگر غصہ آجائے تو کیا کروں تو یہ آیت نازل ہوئی "وَإِن تَرَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ" فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ کہ اگر غصہ آجائے تو استعاذہ کیجئے حق تعالیٰ غصہ دور فرمادیں گے،



معلوم ہوا کہ آیت میں نزرغ شیطان سے مراد غضب ہے پس یہ آیت اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہے، (روح المعانی، مدارک، تفسیر مظہری)

آیت نمبر ۲ و ۳ میں جو شیطان کے تسلط کی نفی کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ مخلصین و متوکلین سے کوئی گناہ کرادے یا گناہ کی رائے دے سکتا ہے مگر حق تعالیٰ نے ان حضرات کو اس کی رائے اور وسوسہ کو قبول کرنے سے محفوظ و معصوم کر دیا ہے پس آیت نمبر ۱ میں وسوسہ شیطان سے مراد گناہ کی رائے دینا ہے نہ کہ گناہ کرانا لہذا اثبات گناہ کی رائے دینے کا ہوا اور نفی تسلط علیٰ اصدار الذنب کی ہے فلا تعارض،

البتہ اس صورت میں شیطان سے مراد وہ شیطانِ قرین نہیں ہے جو ہر شخص کے ساتھ رہ کر اس کو بُری باتوں کا حکم کرتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطانِ قرین آپ کو گناہ کی رائے بھی نہیں دیتا ہے بلکہ نیکی اور خیر کا حکم کرتا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک ساتھی شیاطین میں سے اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے مقرر کیا گیا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی (شیطان) رہتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے اس پر میری مدد

عن ابن مسعود رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احدٍ الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکة قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایاى الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر (رواہ مسلم) خازن ص ۱۶۱

فرمائی ہے پس میرا ساتھی شیطان مسلمان ہو گیا ہے وہ مجھ کو خیر کی بات ہی کا حکم کرتا ہے، (گناہ کا

سہ یہ ترجمہ اس وقت ہو گا جبکہ حدیث میں فاسلم کو میم کے فتح کے ساتھ صیغہ ماضی پڑھا جائے قاضی عیاض نے

اسی کو ترجیح دی ہے اس کی تائید حدیث سے آخری الفاظ فلا یامرنی الا بخیر سے ہوتی ہے کیونکہ خیر اور نیکی کا حکم



حکم نہیں کرتا) لہذا آیت شریفہ میں شیطان سے مراد یہ شیطانِ قرین نہیں ہو سکتا بلکہ شیطانِ معروف مراد ہے اور شیطانِ معروف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اچاننا آجانا کوئی محال نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار شیطان ایک آگ کا شعلہ لیکر آپ کو تکلیف پہنچانے کیلئے آیا تھا پس شیطان آپ کے پاس آکر آپ کو کسی گناہ کی رائے بھی دے سکتا ہے مگر حق تعالیٰ اس کی رائے قبول کرنے سے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں شیطان کو یہ قدرت اور تسلط نہیں ہے کہ آپ سے گناہ کرادے (بیان القرآن و تفسیر خازن)

④ آیت اولیٰ میں اگرچہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد آپ کا غیر ہے مطلب یہ ہے **وَإِنَّمَا يَنْزِعُ عَنْكَ إِلَهِهَا الْإِنْسَانَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ** اور عوام الناس پر خصوصاً گنہگاروں پر شیطانی وساوس کا جاری ہونا اور شیطان کا ان پر تسلط ہونا محال نہیں بلکہ واقع ہے جیسا کہ آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے **إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ** اور دوسری جگہ ارشاد ہے **إِنَّمَا سُلْطَانُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ شَيْطَانٌ** دوستی رکھنے والوں اور گمراہوں پر شیطان کا تسلط چلتا ہے (خازن وغیرہ)

⑤ آیت اولیٰ میں شیطانی وسوسہ کے مؤثر ہونے سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاف اولیٰ و خلاف افضل امر کا صادر ہو جانا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وسوسہ شیطانی کبھی کبھی صرف اتنی حد تک مؤثر ہو سکتا ہے کہ ترک اولیٰ و افضل کا صدور ہو جائے اس کے متعلق فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو استعاذہ کر لیا کیجئے پس آیت نمبر ۱ میں اثبات خلاف اولیٰ و افضل کے صدور سے متعلق وسوسہ کا ہے اور آیت نمبر ۲ و ۳ میں نفی صدور ذنب و خطار سے متعلق تسلط کی ہے لہذا کوئی تعارض نہیں، (تفسیر کبیر)

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) قرین مسلم ہی کر سکتا ہے نہ کہ شیطانِ کافر، اور دوسرا احتمال میم کے صمد کے ساتھ صیغہ مضارع ہونے کا ہے علامہ خطابی نے اسی کو صحیح و مختار کہا ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ میں اس کے شر و فتنہ سے سلامت و محفوظ رہتا ہوں (خازن)







۲) آیت نمبر ۲ میں اطمینان سے مراد قلب کی ٹھنڈک اور توحید و معرفت کے نور سے شرح صدر ہو جانا ہے اور جب یہ شے انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا خوف اس کے قلب پر ہر وقت طاری رہتا ہے پس یہ اطمینان خوف کے منافی نہیں ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (تفسیر خازن و روح المعانی)

۳) اطمینان بذكر الله سے مراد اللہ کی قسم کھانے سے اطمینان قلب حاصل ہو جانا ہے چنانچہ جب آدمی اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات بیان کرتا ہے تو مومن کے قلب کو اطمینان ہو جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اطمینان اللہ کی عظمت و جلالت اور اللہ کے عقاب و وعید کے خوف کے منافی نہیں ہے پس کوئی تعارض نہیں، (تفسیر قرطبی و خازن)

غزوة بدر میں کفار پر کنکر یاں آپ ﷺ نے پھینکی یا اللہ نے؟

### پارہ نمبر ۹

آیت ۱) وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَكَانَ اللَّهُ رَمِيًّا پارہ ۹ رکوع ۱۶ سورہ  
الانفال جلدین ۱۲۹

تشریح تعارض | جب غزوة بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی اور کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے اوپر پھینکی تھی تو وہ تمام کفار کی آنکھوں میں جا کر گری تھی اس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ کہ جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی اس آیت کے جزر اول وَمَا رَمَيْتَ اور جزر ثانی إِذْ رَمَيْتَ میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ جزر اول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمی کی نفی کی گئی ہے اور جزر ثانی میں رمی کا اثبات ہے اور نفی و اثبات میں تعارض و تناقض ہوتا ہے،  
دفع تعارض | اس تعارض کے چار جواب ہیں

① نفی حقیقت کے اعتبار سے ہے اور اثبات صورت اور ظاہر کے اعتبار سے ہے نفی و اثبات







## حکمتِ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کفار پر عذاب آسکتا ہے یا نہیں؟

**آیات ۱** رَمَاكَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ  
وَهُمْ لِيَسْتَغْفِرُونَ پارہ ۹ رکوع ۱۸ سورہ الانفال جلاہن ص ۱۵ ۲) وَمَالَهُمْ  
الَّا يَصُدُّوهُمُ اللَّهُ وَهُمْ لِيَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الْآيَةُ پارہ ۹ رکوع ۱۸  
سورہ الانفال جلاہن ص ۱۵ ،

**تشریح تعارض** پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ جب تک آپ ان میں موجود ہیں آپ کے  
ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو عذاب نہیں دیں گے نیز جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے  
اللہ ان کو عذاب نہیں دیں گے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہیں  
رکھا وجہ ہے کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے (حالانکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں ان  
دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کہ پہلے تو حق تعالیٰ نے عذاب کی نفی فرمائی کہ آپ کے ان میں ہوتے  
ہوئے اور ان کے استغفار کرنے کی حالت میں ان کو عذاب نہیں دیں گے پھر فرمایا کہ ان کو عذاب  
دیا جائے گا اور ان کے استغفار کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی ،  
**دفع تعارض** اس تعارض کے پانچ جواب ہیں ،

**۱** حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ آیت نمبر ۱ منسوخ اور آیت نمبر ۲ اس کیلئے ناسخ ہے ،  
مشرکین مکہ طواف کرتے وقت تلبیہ میں غُفْرَانِكَ غُفْرَانِكَ کہا کرتے تھے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ  
جب تک آپ ان میں موجود ہیں اور یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا  
پھر حق تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرمادیا اور یہ آیت نازل فرمائی وَمَالَهُمْ اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمُ  
اللَّهُ وَهُمْ لِيَصُدُّوْهُ اِنْ كَانُوا يَدْرُسُوْنَ اِنَّ عَذَابَ الْاَشْقَاءِ لَشَدِيدٌ اِنَّ عَذَابَ الْاَشْقَاءِ لَشَدِيدٌ  
گا چنانچہ حق تعالیٰ نے اہل مکہ پر قحط سالی اور بھوک کا عذاب نازل فرمایا (ابن کثیر)  
مگر یہ جواب قابل اشکال ہے اس لئے کہ اخبار میں نسخ جاری نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ خبر کسی حکم شرعی  
پر مشتمل ہو اور بظاہر یہ خبر کسی حکم شرعی کو متضمن نہیں ہے (روح المعانی)



۲) عذاب کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مکہ میں ہونے کی حالت میں اور عذاب کا اثبات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مکہ سے نکل جانے اور ہجرت کر جانے کے بعد پر محمول ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک آپ ان میں موجود رہیں گے اُس وقت تک ان پر عذاب نہیں آئے گا جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لگیے تو کچھ مؤمنین ابھی مکہ میں باقی تھے جو استغفار کرتے تھے تو حق تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كَانِ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ کہ جب تک یہ استغفار کر نیوالے مؤمنین ان میں موجود رہیں گے اُس وقت تک ان پر عذاب نہیں آئے گا جب رفتہ رفتہ تمام مؤمنین ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو حق تعالیٰ نے مکہ فتح کرنے کا حکم دیدیا چنانچہ مسلمانوں نے مکہ فتح کیا اور کفار مغلوب ہوئے یہی وہ عذاب ہے جس کا حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا یہ توجیہ حضرت ضحاک اور ایک جماعت سے منقول ہے بعض کہتے ہیں کہ عذاب سے مراد غزوہ بدر کا عذاب ہے جس میں مشرکین مکہ قتل ہوئے تھے ،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ نے اُمّ سابقہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا کہ اولاً نبی کو اور مؤمنین کو بستی سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اس کے بعد اہل بستی پر عذاب نازل فرمایا (خازن) خلاصہ جواب یہ ہوا کہ نفی عذاب حالت وجود النبی والمؤمنین فی مکہ پر اور اثبات عذاب بعد خروجہم منہا پر محمول ہے ولا تعارض عند اختلاف الاحوال والازمان ،

۳) پہلی آیت میں عذاب استیصال کی نفی ہے یعنی بالکلیہ جڑ سے اکھاڑ دینا اور نیست و نابود کر دینا جیسا کہ پہلی امتوں پر عذاب آتا تھا اور آیت ثانیہ میں اثبات عذاب بالسیف کا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے آپ کی قوم کے کفار پر اس طرح کا عام عذاب تو نہیں آئے گا جیسا کہ اُمّ سابقہ پر آیا البتہ جہاد کے ذریعہ عذاب بالسیف ہم ان پر نازل کرتے رہیں گے (خازن) حضرت تھانوی نے بھی بیان القرآن میں اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے ،

۴) نفی عذاب دنیا کی ہے اور اثبات عذاب آخرت کا ہے یعنی آیت کا مطلب اس طرح ہوگا وَمَا كَانِ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمُ فِي الدُّنْيَا وَانْت فِيهِمْ وَمَا كَانِ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا



وہم یتخفرون وما لہم الا یعذبہم اللہ فی الآخرۃ وہم لصدون عن المسجد  
الحرام دنیا میں تو ان پر عذاب نہیں آئے گا لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ آخرت میں بھی ان کو  
عذاب نہ دیا جائے آخرت میں عذاب ضرور ہوگا یہ توجیہ جباری سے منقول ہے (خازن روح المعانی)  
⑤ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ آیت اولیٰ اپنے ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور یہ کفار کا مقولہ  
ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت اَللّٰہُمَّ اِنِّ کَانَ ہَذَا ہُوَ الْحَقُّ اِنْ اِنِّ کَانَ ہُوَ الْحَقُّ ہے مطلب یہ ہے کہ  
نفرین حارث اور دیگر کفار و مشرکین یوں کہا کرتے تھے اے اللہ اگر یہ قرآن حق ہے اور تیری  
طرف سے نازل شدہ ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں تو اے اللہ تو ہم پر آسمان سے پتھر  
برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے نیز یوں بھی کہا کرتے تھے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُعَذِّبُنَا  
وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُ وَلَا یُعَذِّبُ اُمَّةً وَّ نَبِیْہَا مَعَهَا ہمارے استغفار کرنے کی حالت میں اللہ  
ہم کو عذاب نہیں دیں گے اور کسی امت کو ان کے ساتھ ان کے نبی کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں دیا  
جاتا حق تعالیٰ نے اولاً تو ان کی جہالت کو بیان کیا کہ یہ لوگ اس طرح کا گمان رکھتے ہیں پھر  
آگے ان پر تردید فرمائی وَمَا لَہُمْ اِلَّا یُعَذِّبُہُمُ اللّٰہُ کہ بھلا اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہیں  
دیں گے جب کہ یہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں یعنی ان کا عدم عذاب کا یہ گمان باطل ہے  
ان کو عذاب ضرور دیا جائے گا پس آیت اولیٰ کفار کا مقولہ ہے اور آیت ثانیہ اس کی تردید  
میں حق تعالیٰ کا مقولہ ہے (تفسیر خازن) مگر صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ یہ توجیہ درست  
نہیں کیونکہ اس صورت میں وَمَا کَانَ اللّٰہُ لَیُعَذِّبُنَا وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبُنَا وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُ  
صیغہ تکلم کے ساتھ ہونا چاہئے تھا جیسا کہ اس سے پہلے مقولہ میں اَمْطَرْنَا عَلَیْنَا اور اِنْتِنَا لِعَذَابِ  
الْیَمِّ صیغہ تکلم کے ساتھ ہے۔

### کفار کے اعمال حسرت نافع ہیں یا ضائع و بیکار؟

۱۷ اور جب دو متعارض مقولوں کے تاہین جُدا جُدا ہوں تو تعارض نہیں رہتا ۱۲



### پارہ نمبر ۹، ۱۳، ۱۶، ۱۹، ۲۲، ۲۴

**آیات ۱** وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لِيَتَّعِفُوا يَا ربه ۹ رکوع ۱۸ سورہ الانفال جلايين ۱۵ ۲ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ اِلَّا فِي ضَلَالٍ يَا ربه ۱۳ رکوع ۸ سورہ الرعد جلايين ۲ ۳ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَحْسَنِ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعِيْدُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسِبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اَوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَايَةِ فَحِطَّتْ اَعْمَالُهُمْ الْاٰتِ يَا ربه ۱۶ رکوع ۳ سورہ الکہف جلايين ۲۵۳ ۴ وَقَدْ مَنَّ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَنْثُوْرًا يَا ربه ۱۹ رکوع ۱ سورہ الفرقان جلايين ۳۰۴ ۵ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلَالٍ يَا ربه ۲۲ رکوع ۱ سورہ المؤمن (غافر) جلايين ۳۹۴ ۶ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالُهُمْ يَا ربه ۲۶ رکوع ۵ سورہ محمد (القتال) جلايين ۲۱۹ ۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعَسَّ اَلَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالُهُمْ ذٰلِكَ بِاَنْهُمْ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ يَا ربه ۲۶ رکوع ۵ سورہ محمد (القتال) جلايين ۲۲ ۸ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْْئًا وَّ سَيُحْبِطُ اَعْمَالُهُمْ يَا ربه ۲۶ رکوع ۸ سورہ محمد (القتال) جلايين ۲۲۲

**تشریح تعارض** آیت نمبر ۱ میں کفار کے متعلق ارشاد ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا اور حالیکہ وہ استغفار کرتے ہوں کفار کی گناہوں کے متعلق یہ آیت بھی اس حالت میں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے استغفار سے جو کہ ان کا ایک عمل ہے ان کو نفع پہنچتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کے اس عمل کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہیں فرماتے اور اس کے بعد کی مذکورہ سات آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال بیکار اور باطل ہیں کوئی نفع ان پر مرتب نہیں ہوتا چنانچہ آیت نمبر ۲ و ۵ میں ہے وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلَالٍ کافر جو دعا



مانگتا ہے وہ ضائع اور بیکار ہے اس پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا اگر وہ مغفرت کی دعا بھی کرے تو غیر نافع و ضائع ہے اور آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ کفایا اعمال کے اعتبار سے خسارہ اور نقصان میں ہیں کہ وہ دنیاوی زندگی میں اگر کوئی نیک عمل کرتے ہیں وہ ضائع اور بیکار ہے اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے اعمال کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ حسنہ کو باطل کر دیتے ہیں اور آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ حق تعالیٰ کفار کے اعمالِ حسنہ کو صہارے منتوراً بکھرے ہوئے غبار کی طرح بیکار اور غیر نافع بنا دیتے ہیں اور آیت نمبر ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ میں افضل اعمالہم اور احببنا اعمالہم وغیرہ کہہ کر ان کے عمل کا بطلان اور ضائع ہونا بیان کیا گیا ہے غرض کہ اخیر کی سات آیات سے کفار کے اعمالِ خیر کا غیر نافع ہونا معلوم ہوتا ہے پس آیت نمبر ۱۷ اور ان ساتوں آیات میں ظاہر تعارض ہے

**دفع تعارض** | نافع ہونا دنیا کے اعتبار سے ہے اور غیر نافع اور ضائع ہونا آخرت کے اعتبار سے ہے مطلب یہ ہے کہ کافر اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے جیسا کہ استغفار کرنا یا کسی فقیر و مسکین کو صدقہ و خیرات دیدینا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ تو اس عمل کا بدلہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے کہ حق تعالیٰ دنیاوی عذاب و مصیبت ہٹالیتے ہیں یا مال و اولاد میں وسعت و فراخی عطا فرمادیتے ہیں صحت و عافیت سے نواز دیتے ہیں مگر آخرت میں ان اعمال پر کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا اور یہ اعمالِ اخروی عذاب سے نجات کا باعث نہیں ہوں گے پس نفع اور عدم نفع کا محل مختلف ہو جانے سے کوئی تعارض نہیں رہا، (جلالین شریف و صاوی)

**کفار سے صلح کرنا جائز ہے یا نہیں؟**

**پارا نمبر ۱۰ و ۲۶**

**آیات ۱** | ۱ | وَإِنْ جُنْحُوا لِلْسَّلَامِ فَأَجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پارہ ۱ رکوع ۷ سورہ التوبہ جلالین ص ۱۵۳ ● (۲) فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ الخ پارہ ۲۶ رکوع ۷ سورہ محمد (القتال) جلالین ص ۲۲۲



**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر کفار صلح کرنے کیلئے مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے صلح کرنا جائز ہے اور آیت نمبر ۲ میں صلح کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ تم لوگ بہت مت ہارو اور کفار کو صلح کی طرف مت بلاؤ تم ہی غالب رہو گے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں

۱) حضرت ابن عباسؓ، مجاہد قتادہ فرماتے ہیں کہ صلح والی آیت منسوخ ہے ابتدا میں صلح کی اجازت تھی پھر آیت جہاد و قتال نازل فرما کر صلح سے منع کر دیا گیا ولا تعارض بعد النسخ (روح المعانی)

۲) اختلاف اشخاص پر محمول ہے اہل کتاب سے تو صلح کرنے کی اجازت ہے البتہ مشرکین سے صلح کرنا جائز نہیں ان کیلئے یا تو اسلام کو قبول کرنا ہے یا قتال پس آیت نمبر ۱ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حضرت مجاہد اور امام سدی سے منقول ہے کہ یہ آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی جو یہود کا ایک قبیلہ ہے اور آیت نمبر ۲ مشرکین عرب کے بارے میں ہے فلا تعارض (روح المعانی)

۳) محض ضعف اور کم ہمتی کی وجہ سے صلح کرنا جائز نہیں آیت نمبر ۲ میں اسی قسم کی صلح سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ولا تہتوا سے معلوم ہوتا ہے البتہ کسی مصلحت کی وجہ سے اگر صلح کر لی جائے تو درست ہے خواہ وہ مصلحت ضعف قوت جسمانی ہو یا قوت عدد یا قوت سامان وغیرہ ہو لیکن سب کچھ ہوتے ہوئے سُست اور کم ہمت و بزدل بننا اور ان سے صلح کرنا جائز نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت کے پیش نظر مقام حدیبیہ میں کفار سے صلح کی تھی آیت اولیٰ میں اسی صلح کی اجازت ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (بیان القرآن وغیرہ)

**کفار کی کتنی تعداد سے مقابلہ کرنا ضروری ہے؟**

**پارا نمبر ۱**



آیات ۱) اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ  
يَغْلِبُوا اَلْفًا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَاِنْ تَوَلَّوْا لَا يَفْقَهُوْنَ پاره ۵ رکوع ۵ سورہ الانفال  
جلالین ص ۱۵۳ ۲) فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ  
يَغْلِبُوا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ پاره ۵ رکوع ۵ سورہ الانفال جلالین ص ۱۵۳

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہے کہ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے  
ہوں تو دو سو کفار پر غالب آجائیں گے اور اگر تمہوں تو ایک ہزار پر غالب آجائیں گے یہ اگر  
چہ خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے کہ اگر کفار کی تعداد تم سے دس گنا زیادہ ہو تم بیس ہوں وہ دو سو  
ہوں تم سو ہوں وہ ایک ہزار تو تم کو ان کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور ان سے لڑنا ضروری  
ہے جگانا اور پیچھے ہٹنا حرام ہے دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو گنی تعداد سے مقابلہ کرنا  
تو ضروری ہے اس سے زائد سے ضروری نہیں کہ اگر مسلمان سو ہوں اور کفار دو سو، مسلمان ایک  
ہزار ہوں کفار دو ہزار تو مقابلہ اور جہاد کرنا ضروری ہے اس سے زائد سے نہیں پس بظاہر دونوں  
آیتوں میں تعارض ہے ،

**دفع تعارض** | آیت اولیٰ آیت ثانیہ سے منسوخ ہے ، بخاری شریف کی روایت میں حضرت  
ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب پہلی آیت اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ اِنْ نَازِلٌ هُوَ اَوْ مَسْلَمَانٌ كُو  
کافروں کی دس گنی تعداد سے مقابلہ کرنے پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ بھاری معلوم  
ہوا کہ دس گنی تعداد سے مقابلہ کرنا تو دشوار معلوم ہوتا ہے تو حق تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور یہ  
حکم منسوخ کر کے دوسری آیت نازل فرمادی اَلَّذِيْنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِتْنَكُمْ  
صَحْفًا فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ اِنْ اب اللّٰہ نے تم سے بوجہ ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ تم  
میں ابھی کچھ کمزوری ہے دس گنی تعداد سے مقابلہ کرنا تمہارے لئے دشوار ہے تو اب تم کو یہ حکم دیا  
جاتا ہے کہ کفار کی تعداد اگر تم سے دو گنی ہو تو ان سے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور  
جگانا حرام ہے ولا تعارض بعد المنسخ (تفسیر خازن)



## قتال تمام مشرکین کے ضروری ہے یا صرف مشرکین اقارب؟

### پارا نمبر ۱ اور ۱۱

آیات ۱ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً﴾ پارہ ۱۱ رکوع ۱۱ سورہ التوبہ

جلالین ص ۱۵۸ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا

فِيكُمْ غُلَظَةً﴾ پارہ ۱۱ رکوع ۱۱ سورہ التوبہ — جلالین ص ۱۷۹

تشریح تعارض | پہلی آیت میں حکم ہے کہ تمام مشرکین سے قتال کرو یعنی خواہ اقارب ہوں

یا غیر اقارب اور دوسری آیت میں فرمایا کہ کفار میں سے جو تمہارے رشتہ دار ہیں ان سے قتل

کو اور ان پر سختی کا استعمال کرو پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

دفع تعارض | آیت نمبر ۲ میں غیر اقارب کیساتھ قتال کر بیسے روکا نہیں گیا، بلکہ اس

میں جہاد کے آداب کی تعلیم دی گئی ہے کہ جہاد کا طریقہ اور ادب یہ ہے کہ اولاً رشتہ داروں

سے جہاد کرو پھر غیر اقارب سے کیونکہ تمام مشرکین سے دفعہ واحدہ قتال کرنا تو ناممکن سے رفتہ

رفتہ یکے بعد دیگرے ہی کیا جاسکتا ہے پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قریبی رشتہ داروں سے

جہاد کرو پھر دور کے اقارب سے پھر تمام اجانب مشرکین سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اولاً اپنی قوم سے جہاد کیا پھر باقی اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے اس کے بعد اہل کتاب سے

جہاد کیا پھر اہل روم اور اہل شام کی طرف رخ کیا آپ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ جہاد

کے لئے عراق کی طرف نکلے پھر تمام بلاد و اقصاء کی طرف نکل پڑے، اس تقریر کے بعد معلوم ہو گیا

کہ اس آیت سے بھی یکے بعد دیگرے تمام ہی مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے لہذا

اس آیت کا آیت اولیٰ فاقتلوا المشرکین کافۃ سے کوئی تعارض نہیں (صادق)

## جہاد مستطیع و معذورہ شخص پر فرض ہے یا صرف مستطیع پر؟

### پارا نمبر ۱ اور ۲۶



**آیات** ① انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ

اللہ پارہ ۱۲ رکوع ۱۲ سورہ التوبہ جلا ۱۵۹ ● ② لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ

وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ الْآيَةُ پارہ ۱۸ رکوع ۱۸ سورہ

التوبہ جلا ۱۶۴ ③ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى

حَرْجٌ الْآيَةُ پارہ ۲۶ رکوع ۲۶ سورہ الفتح جلا ۲۲۴

**تشریح تعارض** آیت نمبر ۱ میں ارشاد باری ہے کہ تم ہلکے ہو یا بھاری ہر حال میں جہاد

کیلئے نکل جاؤ اور جان و مال کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو یعنی تمہاری حالت خواہ ایسی

ہو کہ جہاد کرنا تمہارے لئے آسان و خفیف ہو اور خواہ ایسی ہو کہ جس میں جہاد کرنا دشوار و ثقیل ہو

ہر حال میں تمہیں جہاد کرنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی غنی ہو یا فقیر، بیمار ہو یا

تندرست، معذور ہو یا غیر معذور، مجروح ہو یا اہل و عیال والا ہر حال میں جہاد فرض ہے

اور دوسری و تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ کمزور، مریض، فقیر نابینا اور لنگڑے معذور پر جہاد

میں نکلنا فرض نہیں ہے اگر یہ لوگ جہاد میں نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے پس ان آیات میں

بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① آیت نمبر ۱ اخیر کی دونوں آیتوں سے منسوخ ہے ابتداء میں ہر حال میں جہاد کیلئے نکلنا

ضروری تھا کسی قسم کا کوئی عذر مسموع نہیں ہوتا تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا چنانچہ روایت میں ہے

کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے لئے بھی جہاد

میں نکلنا ضروری ہے آپ نے فرمایا ہاں یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آیت لیس علی الاعمى حرج انزل

فرمائی اور معذورین حضرات کیلئے تخفیف فرمادی کہ اگر یہ لوگ جہاد میں نہ جائیں تو کوئی گناہ نہیں

ہے حضرت ابن عباس اور علامہ سدی سے یہی منقول ہے، ولا تعارض بعد النسخ (روح المعانی

تفسیر خازن، وغیرہ)



۲ آیت نمبر ۱ میں امر و جوبی نہیں ہے بلکہ مذنب و استجاب پر محمول ہے ابتداء ہی سے ہر حال میں جہاد کیلئے نکلنا واجب نہیں تھا بلکہ مستحب تھا اور ترک مندوب پر کوئی گناہ نہیں لہذا آیت نمبر ۲ و ۳ میں جو حرج کی نفی کی گئی ہے وہ اس کے معارض نہیں ہے ایسی صورت میں نسخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے (تفسیر خازن) وغیرہ

۳ الْفُرُوقُ اخْفَافًا وَثِقَالًا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معذورین و غیر معذورین سب کو نکلنا ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جہاد پر قدرت رکھتے ہیں ان کو ہر حال میں نکلنا ضروری ہے خواہ ان کے پاس آلات جہاد و ہتھیار سواری خدام وغیرہ زیادہ ہوں یا تھوڑے، آلات جہاد کی قلت کوئی عذر نہیں ہے پس اعمیٰ مریض اور فقیر وغیرہم اس حکم میں داخل ہی نہیں لہذا یہ آیت نہ تو دوسری دو آیتوں کے معارض ہوگی اور نہ منسوخ ماننے کی ضرورت پڑے گی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الفوز البکیر میں اسی کو اختیار کیا ہے، (الفوز البکیر)

## جہاد میں سب کو نکلنا ضروری ہے یا ایک جماعت کو؟

### پارا نمبر ۱۱

آیات ۱ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَخْلِفُوهُنَّ رَسُولَ اللَّهِ يَأْتِيهِمْ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ وَمِنَ الْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ فَأُولَئِكَ لِيُنْفِقُوا مِنْهُمَا مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنِينَ لِيَنْفِقُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفْرَمِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۲﴾ پارہ ۱۱ رکوع ۱۲ سورہ التوبہ جلالین ص ۱۶۸

تشریح تعارض | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ مدینہ اور آس پاس کے دیہات والوں کیلئے جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد میں تشریف لیجائیں تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں بلکہ سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلنا ضروری ہے



اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ تمام مسلمانوں کو جہاد میں نہ جانا چاہئے بلکہ ایک جماعت جہاد میں نکل جائے اور ایک جماعت وطن میں موجود رہنی چاہئے جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتی رہے اور جب مجاہدین حضرات واپس آئیں تو ان کو دین کی باتیں سنا کر اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں تاکہ وہ بُرے کاموں سے بچیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،  
رفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① ابن زید فرماتے ہیں کہ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے جب مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی تو حق تعالیٰ نے سب کیلئے نکلنا ضروری فرمایا تھا جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو یہ حکم منسوخ کر دیا اور دوسری آیت و ماکان المؤمنون ینفروا کافۃ الخ نازل فرمادی جس میں یہ فرمایا کہ سب کو نہیں جانا چاہئے ایک جماعت جہاد میں چلی جائے دوسری وطن میں رہ جائے ولا تعارض بعد النسخ (تفسیر خازن و تفسیر مظہری)

② حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت اولیٰ اس حالت پر مجہول ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جہاد میں تشریف لیجائیں جس کو غزوہ کہتے ہیں اس وقت آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں کو نکلنا ضروری ہے کسی کیلئے پیچھے رہنا جائز نہیں کیونکہ جب صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لینگے ہیں تو وطن میں باقی رہنے والے لوگ کس سے تعلیم حاصل کریں گے اس لئے سب کو آپ کے ساتھ نکل جانا چاہئے اور دوسری آیت اس حالت پر مجہول ہے جبکہ آپ خود تو تشریف نہ لیجائیں البتہ صحابہ کی جماعت کو جہاد کیلئے روانہ کر دیں جس کو سریرہ کہتے ہیں اس وقت سب کو نہیں جانا چاہئے ایک جماعت کو وطن میں موجود رہنا چاہئے

۱۵ سو سے لیکر پانچ سو تک کی جماعت کو سریرہ کہا جاتا ہے پھر اس سے زائد آٹھ سو تک کی جماعت کو منسرا اور اس سے زائد چار ہزار تک کو جیش اور اس سے زائد کو جحفل کہتے ہیں کل سریرہ کی تعداد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لینگے ۴۷ ہے اور غزوات کی تعداد جن میں آپ تشریف لینگے ۲۷ ہے جن میں سے فقط آٹھ میں قتال فرمایا ۱۲ صادی



تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی تعلیم حاصل کرتے رہیں خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی آیت غزوات سے متعلق ہے اور آیت ثانیہ سراپا سے متعلق ہے فلا تعارض بینہما (جلالین شریف و صاوی)

**انسان بوقت مصیبت دعائیں کرتا ہے یا مایوس ناامید ہو جاتا ہے؟**

**پارا ۱ نمبر ۱۱، ۱۵، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۵**

**آیات ۱** ① **وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا بِخَبَرِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۗ** پارہ ۱۱  
 رکوع ۷ سورہ یونس جلالین ص ۱۷ ② **وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبِينَ**  
 ۱۱ پارہ ۲۱ رکوع ۷ سورہ الروم جلالین ص ۳۲۳ ③ **وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا**  
 رَبَّهُ مُنِيبًا ۗ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنَ الْأَيَّةِ ۖ فَصَدَّهَا ۖ ذُرِّيَّتًا ۖ وَإِن مِّنْ لَّا يَلْمِهَا ۖ

④ **فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۖ لَآ يَلْمِهَا ۖ** پارہ ۲۲ رکوع ۷  
 سورہ الزمر جلالین ص ۳۸۹ ⑤ **وَإِذَا النُّعْمَانَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا**  
 مَسَّهُ الشَّرُّ فَزَدَهَا ۚ وَدُعَاءُ عِبَادِنَا وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا ۗ

⑥ **وَإِذَا النُّعْمَانَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُوسًا ۗ** پارہ ۱۵  
 رکوع ۹ سورہ بنی اسرائیل (الاسراء) جلالین ص ۲۳۷ ⑦ **لَا يَسْأَلُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ**  
 الْخَيْرِ وَإِن مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَؤُوسٌ قَنُوطٌ ۗ پارہ ۲۵ رکوع ۷ سورہ ہم سجدة (فضلت) جلالین ص ۲۷

**تشریح تعارض** آیت نمبر ۱ تا ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جب پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ لیٹ کر بیٹھ کر کھڑے ہو کر غرض ہر حال میں اللہ سے خوب لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے اور آیت نمبر ۶ و ۷ میں فرمایا گیا ہے کہ پریشانی میں انسان ناامید اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے (یؤوس کے معنی مایوس اور قنوط کے معنی ناامید) اور دعا چونکہ امید و اُس کی حالت میں کی جاتی ہے اس لئے دعا کرنے اور ناامید و مایوسی میں تعارض و تنافی ہے،

**رفع تعارض** اس تعارض کے پانچ جواب ہیں،



① اختلافِ اشخاص پر محمول ہے پہلی پانچ آیات مؤمن کے حق میں ہیں اور اخیر کی دونوں آیتیں کافر کے بارے میں ہیں کہ مؤمن تو پریشانی کے وقت اللہ سے خوب دعائیں کرتا ہے اور کافر یوس و نا امید ہو کر بیٹھ جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے إِنَّ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ کہ اللہ کی رحمت سے کفار ہی نا امید ہوتے ہیں، اور اختلافِ اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا، (مدارک)

② اختلافِ احوال و ازمان پر محمول ہے کہ جب پریشانی لاحق ہوتی ہے تو ابتداءً تو انسان خوب دعائیں کرتا ہے اور جب قبولیت کے آثار نمایاں نہیں ہوتے تو مایوس اور نا امید ہو کر دعا چھوڑ دیتا ہے، (بیان القرآن)

③ دعا، اور قنوط و یاس کا متعلق مختلف ہے دعا کا تعلق زبان سے ہے اور ناامیدی و مایوسی کا تعلق قلب سے ہے اور دونوں آیتیں کافر ہی کے متعلق ہیں مطلب یہ ہے کہ کافر زبان سے تو خوب دعائیں کرتا ہے مگر قلب اس کا مایوس و نا امید رہتا ہے پس کوئی تعارض نہیں (مدارک و بیان القرآن)

④ اختلافِ مکان پر محمول ہے یعنی سمندر میں تو دعائیں کرتا ہے اور خشکی میں مایوس و نا امید ہو جاتا ہے کفار جب کشتیوں پر سوار ہوتے تھے اور کوئی طوفان آجاتا تھا تو اللہ سے دعائیں کرتے تھے جیسا کہ ارشاد ہے فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَاؤُا اللَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (مدارک)

⑤ اختلافِ مدعو پر محمول ہے کافر مصیبت کے وقت اللہ سے دعا کرتا ہے اور اپنے بتوں سے مایوس و نا امید ہو جاتا ہے، (مدارک)

اولادِ آدمؑ کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟

پارا ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۹، ۳۰

آیات ۱ | هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا پارہ ۱۲، رکوع ۷ سورہ ہود



- جلالین ص ۱۸۲ (۲) مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى پاره ۱۶ رکوع ۱۲ سورہ طہ جلالین ص ۲۶۳ (۳) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تَرَابٍ پاره ۱۴ رکوع ۸ سورہ الحج جلالین ص ۲۴۹ (۴) وَمِنْ آيَاتِهِ أَن نُّخَلِّقَ لَكُمْ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ إِذَا آتَمْتُمْ بَشَرًا تَلَفَتْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ پاره ۲۱ رکوع ۶ سورہ الروم جلالین ص ۳۲۳ (۵) إِنَّا خَلَقْنَا هُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ پاره ۲۳ رکوع ۵ سورہ الصافات جلالین ص ۳۴۳ (۶) هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذ أَنشَأَكُم مِّن الْأَرْضِ پاره ۲۴ رکوع ۶ سورہ النجم جلالین ص ۲۳۹ (۷) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ پاره ۱۴ رکوع ۷ سورہ النحل جلالین ص ۲۱۶ (۸) ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ پاره ۱۸ رکوع ۷ سورہ المؤمنون جلالین ص ۲۸۴ (۹) ثُمَّ جَعَلْنَا نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ پاره ۲۱ رکوع ۱۲ سورہ السجدة جلالین ص ۳۲۹ (۱۰) أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ پاره ۲۳ رکوع ۲ سورہ يس جلالین ص ۳۴۲ (۱۱) وَإِنَّ خَلْقَ الرِّجَالِ وَالذَّكْوَالِ أَنتَى مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى پاره ۲۴ رکوع ۷ سورہ النجم جلالین ص ۲۳۹ (۱۲) أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ پاره ۲۴ رکوع ۱۵ سورہ الواقعة جلالین ص ۲۲۴ (۱۳) أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ نُطْفَةٌ مِّن مَّيِّمِي پاره ۲۹ رکوع ۱۸ سورہ القيمة جلالین ص ۲۸۲ (۱۴) إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ پاره ۲۹ رکوع ۱۹ سورہ الدهر (الانسان) جلالین ص ۲۸۳ (۱۵) أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ پاره ۲۹ رکوع ۲۱ سورہ المرسلات جلالین ص ۲۸۵ (۱۶) مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ پاره ۳ رکوع ۵ سورہ عبس جلالین ص ۲۹۰ (۱۷) فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يُخْرَجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ پاره ۳ رکوع ۱۱ سورہ الطارق جلالین ص ۲۹۶ (۱۸) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ پاره ۳ رکوع ۲۱ سورہ العلق جلالین ص ۵۰۳

**تشریح تعارض** | ان تمام آیات میں اولاد آدم کی تخلیق کا بیان ہے کیونکہ ان آیات



میں سے بعض میں تو جمع کا صیغہ ہے بعض میں نسل کی تصریح ہے اور جن آیات میں صرف انسان کا ذکر ہے ان میں انسان سے جنس انسان یعنی اولادِ آدم مراد ہے جیسا کہ آیات کے سیاق و سباق اور مفسرین حضرات کی تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے اس طرح یہ تمام آیات اولادِ آدم کی تخلیق کو بیان کر رہی ہیں مگر اولادِ آدم کو کس چیز سے پیدا کیا گیا اس بارے میں یہ آیات متعارض ہیں آیت نمبر ۶ تا ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولادِ آدم کو مٹی سے بنایا اور آیت نمبر ۸ تا ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ منی سے پیدا کیا اور اخیر کی آیت نمبر ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ علقہ (دمِ جامد) سے پیدا کیا گیا اس طرح یہ آیات متعارض ہیں،  
**رفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① آیت نمبر ۶ تا ۷ میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مراد ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ضمیر جمع سے قبل ایک مضاف محذوف ہے یعنی **هو انشأ اباکم من الارض امنها خلقنا اباکم، انا خلقنا اباکم، هو اعدکم بکم اذ انشأ اباکم وغیرہ ان کے بعد آیت نمبر ۸ تا ۱۷ میں اولادِ آدم کی تخلیق مراد ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نطفہ منی سے بنایا اور سب سے آخری آیت نمبر ۱۸ میں جو علق کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کو ابتداء ہی دمِ جامد سے پیدا کر دیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے نطفہ بنایا پھر اس نطفہ کو علقہ بنا دیا پس اس آیت میں حالتِ ثانیہ کا بیان ہے انسان کی تخلیق مختلف اطوار و احوال کیساتھ ہوئی ہے اولاً نطفہ بنایا پھر علقہ پھر اس کو مضغ بنا دیا پھر اس کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا پھر اس پر گوشت چڑھا دیا اس کے بعد اس میں روح ڈال کر زندہ کر دیا جیسا کہ سورہ مؤمنون کی آیت میں مفرح ہے ثم خلقنا النطفة علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحمًا ثم انشانا خلقاً آخر فبارک الله احسن الخالقین بہر حال پہلی چھ آیات میں تخلیقِ آدم اور اخیر کی تمام آیات میں اولادِ آدم کی تخلیق کا بیان ہے اور اختلاف اشخاص کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا ہے (روح المعانی وغیرہ)**



② دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تمام آیات اولادِ آدم کی تخلیق ہی سے متعلق ہیں حق تعالیٰ نے اولادِ آدم کو نطفہ منی سے پیدا کیا ہے مگر پہلی چھ آیات میں جو یہ فرمایا کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ان میں انسان کے مادہ بعیدہ کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ نطفہ منی غذاؤں سے بنتا ہے اور غذاؤں میں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں پس گویا انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے پس ان آیات میں انسان کے مادہ بعیدہ کا بیان ہے اور اخیر کی آیات میں مادہ قریبہ کو بیان کیا گیا ہے (روح المعانی وغیرہ)

③ مجموع الامرین مراد ہے ہر انسان کی تخلیق مٹی اور نطفہ منی دونوں کے مجموعہ سے ہوتی ہے جب رحم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے تو ایک فرشتہ اس مقام سے جہاں اس شخص کو دفن ہونا ہے مٹی اٹھا کر لاتا ہے اور نطفہ پر چھڑک دیتا ہے پھر مٹی اور نطفہ دونوں کے مجموعہ سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے بعض آیات میں ان میں سے ایک جز یعنی مٹی کو ذکر کر دیا اور بعض میں دوسرے جز یعنی نطفہ کو بیان کر دیا پس ان میں کوئی تعارض نہیں اور آخری آیت خلق الانسان من علق کی توجیہ جواب اول میں بیان ہو چکی ہے، مجموع الامرین کی جو یہ توجیہ کی گئی ہے اس کی تائید حضرت عطاء خراسانی کی ایک روایت سے ہوتی ہے،

حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ فرشتہ جاتا ہے اور اس مقام سے جہاں اس شخص کو دفن ہونا ہے مٹی لیتا ہے پس اس کو نطفہ پر بکھیر دیتا ہے پس مٹی اور نطفہ سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے،

عن عطاء الخراسانی قال ان الملك ينطلق  
فيأخذ من تراب المكان الذي يدفن  
فيه الشخص فيذره على النطفة فيخلق  
من التراب والنطفة (اخرجه عبد بن حميد وابن  
المنذر) روح المعانی ص ۲۰۸  
۱۶

۱۷ مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق جس مٹی سے ہوئی وہ کعبہ کی مٹی تھی مگر طوفانِ نوح میں وہ مٹی اس مقام پر منتقل ہو گئی تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے ۱۸ حاشیہ روح المعانی



**جنت میں داخلہ اعمال کے سبب ہو گا یا محض فضل الہی سے؟**

پارہ ۱۲ اور ۱۳ اور ۱۴ اور ۱۵ اور ۱۶ اور ۱۷

**آیات**

- ① يَقُولُونَ سَلِّمْ عَلَيْنَا اَدْخَلْنَا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پارہ ۱۲ رکوع ۱۱ سورہ النحل جلايين ص ۲۱۸
- ② اَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پارہ ۱۱ رکوع ۱۵ سورہ السجدة جلايين ص ۳۵
- ③ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي اُوْرثْتُمْوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پارہ ۱۵ رکوع ۱۳ سورہ الزخرف جلايين ص ۲۰۹
- ④ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پارہ ۱۲ رکوع ۲ سورہ الاحقاف جلايين ص ۲۱۴
- ⑤ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيْ جَنَّةِ النَّعِيْمِ پارہ ۱۲ رکوع ۱۲ سورہ الحج جلايين ص ۲۸۲
- ⑥ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ پارہ ۱۲ رکوع ۸ سورہ الروم جلايين ص ۳۲۲
- ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا اَنْهٰرٌ پارہ ۳ رکوع ۱ سورہ البروج جلايين ص ۲۹۵

**تشریح و تعارض**

پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے ہو گا کیونکہ بہا کنتم تعملون اور بما کانوا يعملون میں بے سبب لائی گئی ہے جس کا مابعد ما قبل کے لئے سبب ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اعمال سبب ہیں دخول جنت کا اور اخیر کی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہو گا اعمال کی وجہ سے نہیں اس لئے کہ آیت نمبر ۵ و ۶ میں فی جنت النعیم اور لہم جنت میں فارسیہ نہیں ہے اگر یوں کہا جاتا ففی جنت النعیم اور فلہم جنت تجریٰ ان تو فارسیہ اس بات پر دلالت ہوتی کہ اعمال سبب ہیں دخول جنت کا، کیونکہ فاعل سبب کا مابعد کیلئے سبب ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیت نمبر ۵ سے اگلی آیت وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكٰذَبُوْا تَنَاوَلُوْا نٰفٰتِكُمْ لَهْمٌ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ میں فَاُولٰٓئِكَ يَرْفَعُوْنَ سَبِيْهَةً لِّاَسْمَائِهِمْ سَبِيْهَةٌ كَمَا يَرْفَعُوْنَ سَبِيْهَةً لِّاَسْمَائِهِمْ سَبِيْهَةٌ كَمَا يَرْفَعُوْنَ سَبِيْهَةً لِّاَسْمَائِهِمْ اور لہم جنت تجریٰ میں



فانے سببہ کا ترک اس بات پر وال ہے کہ دخولِ جنت اعمال کے سبب نہیں بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے ہوگا صاحبِ جلالین نے فی جنت النعیم کے بعد فضلًا من اللہ کا اضافہ کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور آیت نمبر ۷ میں تو من فضله مفرح ہے کہ ایمان و اعمالِ صالحہ والوں کو حق تعالیٰ اپنے فضل سے بدلہ عطا فرمائیں گے حدیث صحیح سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے،

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا عمل اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا (بلکہ جنت میں ہر شخص محض اللہ کے فضل سے جائے گا) پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں ارشاد فرمایا میں

عن ابی ہریرۃ رف قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یدخل احدنا عملہ الجنة قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتخمد فی اللہ تعالیٰ منہ بفضل ورحمۃ (رواہ البخاری و مسلم)

بھی نہیں مگر یہ کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و رحمت میں مجھ کو چھپالیں،

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی چار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین جنت میں اپنے ایمان و اعمال کے سبب داخل ہوں گے اور اخیر کی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہوگا اعمال کے سبب سے نہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے چار جواب ہیں

① اگرچہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے ہوگا مگر اعمال کی توفیق حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوتی ہے پس سبب حقیقی دخولِ جنت کا حق تعالیٰ کا فضل ہے اور سبب عادی و ظاہری اعمال ہیں پہلی چار آیات میں سبب ظاہری و عادی مراد ہے اور اخیر کی تین آیات میں اور حدیث میں سبب حقیقی کا بیان ہے فلا تعارض بینہما (روح المعانی و تفسیر خازن)

② پہلی چار آیات میں بار سببہ نہیں ہے بلکہ مقابلہ کیلئے ہے یعنی ادخلوا الجنة فی مقابله اعمالکم اعمال کے مقابلہ اور بدلہ میں حق تعالیٰ اپنے فضل سے جنت عطا فرمادیں گے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنة اللہ نے مومنین سے



ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے اس چیز کے بدلہ میں کہ ان کو جنت ملے گی، یعنی تم لوگ اپنا جان و مال حق تعالیٰ کے حوالہ کر دو اس کی اطاعت میں لگا دو حق تعالیٰ اس کے مقابلہ اور بدلہ میں اپنا فضل یہ فرمائیں گے کہ تم کو جنت عطا فرمادیں گے تعارض کا جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ بائے سبب کی وجہ سے ہوا تھا اور جب بائے سبب نہیں رہی تو تعارض بھی نہ رہا، (روح المعانی و حاشیہ جلالین)

۳) بار ملا بستہ کیلئے ہے کہ اپنے ایمان و اعمال کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ اس صورت میں بھی بائے سبب نہ ہو سکی وجہ سے تعارض مرتفع ہو گیا (حاشیہ جلالین)

۴) دخول جنت تو حق تعالیٰ کے فضل سے ہو گا اور ترقی درجات اعمال کے سبب ہو گی پس پہلی چار آیات رفع درجات سے متعلق ہیں یعنی ادخلوا درجات الجنة بما كنتم تعملون اور اخیر کی تینوں آیات نفس دخول جنت پر محمول ہیں فلا تعارض (حاشیہ جلالین)

### گفاریے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟

#### پارا نمبر ۱۵

آیات ۱) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبْعَثِ

اللَّهُ نَبِيًّا رَسُولًا پارہ ۱۵ رکوع ۱۱ سورہ بنو اسرائیل (الاسراء) جلالین ص ۲۳۸ ● ۲

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيهِمْ سُنَّةٌ

الْأُولَىٰ پارہ ۱۵ رکوع ۲ سورہ الکہف جلالین ص ۲۴۷ و ۲۴۸

تشریح تعارض | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ لوگوں کے پاس جب ہدایت آگئی تو ان کو

ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ یوں کہتے ہیں کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر

بھیجا ہے یعنی ان کا اعتقاد یہ ہو گیا ہے کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا رسول تو کوئی فرشتہ ہونا چاہئے

صرف یہ اعتقاد باطل ان کے ایمان لانے سے مانع بن رہا ہے اگر یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ ایمان لے

آتے اس آیت میں نفی و استثناء کے ذریعہ مانع عن الایمان کو منحصر کر دیا گیا ہے اعتقاد مذکور میں،



اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ان کو ایمان واستغفار سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو پہلی امتوں کی طرح ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اگر حق تعالیٰ یہ ارادہ نہ فرماتے تو یہ لوگ ایمان لے آتے "ان تائبہم" سے پہلے ارادۃ اللہ "مخدوف ہے ای ومانع الناس ان یؤمنوا الا ارادۃ اللہ ان تائبہم سنة الاولین اس آیت میں مانع عن الایمان کو منحصر کیا گیا ہے حق تعالیٰ کے ارادہ مذکورہ میں پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے اس لئے کہ کسی شے کو کسی شے میں منحصر کرنا ماعدل کی نفی کو مستلزم ہوتا ہے پس جب آیت اولیٰ میں یہ کہا گیا کہ مانع عن الایمان صرف ان کا اعتقاد مذکور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے علاوہ اور کوئی مانع نہیں ہے حتیٰ کہ حق تعالیٰ کا ارادہ مذکورہ بھی مانع نہیں ہے اور دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ مانع عن الایمان صرف حق تعالیٰ کا ارادہ مذکورہ ہے اور کوئی مانع نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا اعتقاد مذکور مانع نہیں ہے پس دونوں مانع میں سے ہر ایک کی نفی بھی ہو رہی ہے اور اثبات بھی و ہذا ہوا تعارض فافہم ،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ آیت اولیٰ میں مانع عادی و ظاہری مراد ہے اور آیت ثانیہ میں مانع حقیقی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے ظاہری اور عادی مانع تو صرف ان کا یہ اعتقاد ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا اور حقیقی مانع صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو پہلی امتوں کی طرح ہلاک کر لیا اور فیصد کر لیا ہے فاذا اختلف المانعان اندفع التعارض (روح المعانی والاتقان)

کفار کو قیامت کے روز اعمیٰ اعمیٰ صم بنالکرم یا بصریٰ زناطی و سابع؟

پاراہ نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۵، ۲۶

**آیات** ① وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ عَلٰی وُجُوْهِہُمْ عُمِیًّا وَنُکَلِّمُہُمْ اَوْصَآءَ ۱۵  
 ② وَنَحْشُرُہُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ اَعْمٰی قَانَ  
 کو راہ ۱۱ سورہ نبی اسرائیل (الاسراء) بطولین ص ۲۳۸ ② وَنَحْشُرُہُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ اَعْمٰی قَانَ



رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا پارہ ۱۶ رکوع ۱۶ سورہ طہ جلاہن ص ۲۶۸ و ۲۶۹

● (۳) وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا پارہ ۱۵ رکوع ۱۹ سورہ الکہف

جلاہن ص ۲۲۴ (۴) إِذَا رَأَيْتَهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا پارہ ۱۸ رکوع ۱۴

سورہ الفرقان جلاہن ص ۳۰۳ (۵) إِذَا الْقَوَامُ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّبِينَ دَعَوْا أَصْنَالِكُ

ثَبُورًا پارہ ۱۸ رکوع ۷ سورہ الفرقان جلاہن ص ۳۰۳ (۶) وَتَرَاهُمْ لِعُرْسُونَ عَلَيْهَا

خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ حَقِيٍّ پارہ ۲۵ رکوع ۶ سورہ الشوری جلاہن ص ۲۰۶

(۷) لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ پارہ ۲۶

رکوع ۱۶ سورہ ق جلاہن ص ۲۳

**تشریح تعارض** پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کفار کو ان کے چہروں کے بل اندھا

گوں گا بہر انا کہ میدان محشر میں اکٹھا کریں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت کے روز میدان

محشر میں اندھے گونگے بہرے ہوں گے اسی طرح آیت نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو نابینا بنا کر

اٹھایا جائے گا وہ کہے گا اے رب میں تو بصیر تھا تو نے مجھے اعمیٰ کیوں بنا دیا اور آیت نمبر ۳ میں

ہے کہ بحر میں جہنم کو دیکھیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت کے دن اندھے نہیں ہوں گے

بلکہ بینا اور بصیر ہوں گے آیت نمبر ۴ میں ہے کہ جب جہنم ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ جہنم

کے غصہ اور جوش و خروش کی آواز سنیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بہرے نہیں ہوں گے

بلکہ سماعت والے ہوں گے اور آیت نمبر ۵ میں ہے کہ جب ان کے ہاتھوں کو گردنوں پر باندھ کر

جہنم کی تنگ کو ٹھہرائی میں ڈالا جائیگا تو یہ لوگ ہلاکت کو پکاریں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

لوگ گونگے نہیں ہوں گے اور چھٹی آیت میں ہے کہ آپ کفار کو دیکھیں گے جب ان کو جہنم کے

سامنے لایا جائیگا تو ذلت کے مارے ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور یہ جہنم کی طرف نگاہ چراتے

ہوئے دیکھیں گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت میں اندھے نہیں ہوں گے بلکہ بینا ہوں گے

اسی طرح آیت نمبر ۷ میں ہے کہ کافر سے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ تو دنیا میں غفلت میں



پڑا ہوا تھا آج ہم نے تیری غفلت کا پردہ تجھ سے دور کر دیا پس تیری نگاہ آج بڑی تیز ہے اس  
بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار اندھے نہیں بلکہ بینا ہوں گے پس اخیر کی پانچ آیات پہلی دو آیتوں کے بظاہر  
معارض ہو رہی ہیں،

**دفع تعارض** | اولاً عمی اور بصارت کے تعارض کے جوابات دئے جاتے ہیں اس کے ساتھ

جوابات ہیں،

① اختلافِ زمان پر محمول ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ کافر کو اولاً بصیر اٹھایا  
جائے گا پھر اعمیٰ بنا دیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تو کفار بینا ہوں گے مگر  
جب محشر کی طرف جائیں گے تو اندھے ہو جائیں گے اس پر کافر کہے گا اے خدا میں تو قبر سے اٹھتے وقت  
بینا تھا تو نے مجھے اندھا کیوں کر دیا، (روح المعانی)

② ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختلافِ زمان ہی پر محمول ہے مگر صورت برعکس ہے کہ اولاً تو  
کفار اندھے ہوں گے پھر ان کو بینا کر دیا جائے گا جس سے وہ جہنم اور اہوالِ قیامت کا مشاہدہ کریں گے  
اور ربِّ محشر تہی اعمیٰ وقد کنت بصیراً کا مطلب وقد کنت بصیراً فی الدنیا ہے یعنی جس وقت قبروں  
سے اندھے اٹھیں گے تو کہیں گے ہم تو دنیا میں بینا تھے ہیں اندھا کیوں بنا دیا،

③ اختلافِ زمان و مکان پر محمول ہے یعنی میدانِ محشر میں اندھے ہوں گے اور جب جہنم میں  
داخل ہوں گے تو بینا ہو جائیں گے اپنی حالت اور اپنے محلِ عذاب کو دیکھیں گے (بصیراً و می)

④ حضرت عکرمہ سے منقول ہے انہ لایری شیئاً الا النار جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آیت  
میں عمی و عمیٰ اضافی مراد ہے یعنی جہنم کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو دیکھنے سے اندھے ہوں گے مگر یہ  
حالت ان کی یومِ قیامت کے بعض اوقات میں رہے گی اس کے بعد وہ مطلق بینا بنا دئے جائیں گے  
کہ ہر چیز کو دیکھیں گے ورنہ تو وہ اپنے اعمال ناموں کو کیسے پڑھ پائیں گے حق تعالیٰ قیامت کے  
دن کافر سے فرمائیں گے اقر کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً اور قرأت کتاب کا حکم دینا  
اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ اس کو بینا بنا دیا جائے معلوم ہوا کہ کافر بعد میں بینا ہو جائیگا

(روح المعانی و تفسیر کبیر)



⑤ حضرت ابن عباس کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اعمیٰ سے مراد اعمیٰ عن الحجۃ ہے یعنی وہ حجت اور دلیل کے اعتبار سے اندھے ہوں گے ان کے پاس ایسی کوئی حجت و دلیل نہ ہوگی جس کو پیش کر کے وہ نجات پا سکیں وہ کہیں گے یا خدا ہم تو دنیا میں بڑی حجتیں اور دلیلیں پیش کیا کرتے تھے آپ نے ہمیں حجتوں سے اندھا کیوں کر دیا، ہمیں کوئی حجت نظر ہی نہیں آرہی ہے یہ توجیہ حضرت مجاہد، حضرت مقاتل، ضحاک اور البصیرہ سے منقول ہے (روح المعانی)

⑥ اعمیٰ القلب والبصیرۃ مراد ہے یعنی وہ آنکھوں سے اندھے نہیں ہوں گے بلکہ قلب اور بصیرت کے اندھے ہوں گے ابراہیم بن عرفہ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جہاں بھی مقام مذمت میں اعمیٰ کو ذکر کیا ہے اس سے مراد اعمیٰ القلب ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَإِنَّمَا أَتَىٰ الْأَبْصَارَ وَكُنَّتْ أَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ مگر ابن عطلیہ نے اس توجیہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ بصیرت تو کافر کی دنیا میں بھی مفقود ہوتی ہے لہذا اس کا رتبہ لم حشرتی اعمیٰ وقد کنت بصیرا کہنا صحیح نہیں ہوگا معلوم ہوا کہ اعمیٰ البصیرۃ مراد نہیں ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے اعمیٰ القلب والبصیرۃ مراد لیا ہے ان کے نزدیک بصیرت سے مراد بصیرت ایمانی نہیں ہے بلکہ حجت و دلیل ہی مراد ہے مطلب یہ ہوگا وقد کنت عالمنا بحجتی بصیرا بھا احاج بہا عن نفسی فی الدنیا کہ میں تو دنیا میں اپنی حجت کا دانا و بنیا تھا اپنی طرف سے حجتیں اور دلیلیں پیش کیا کرتا تھا پس کوئی اشکال نہیں کیونکہ کفار کی جو بصیرت دنیا میں مفقود ہوتی ہے وہ بصیرت ایمانی ہے (روح المعانی)

⑦ اعمیٰ سے مراد متحیر ہے کہ کافر قیامت کے دن حیران و پریشان ہوگا عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر اس کی سمجھ میں نہ آسکے گی جیسا کہ اندھا آدمی کسی موذی جانور کو دفع کرنے اور اس سے بچنے کی تدبیر کرنے میں حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ معلوم نہیں یہ جانور کہاں اور کدھر ہے کس طرح اس کو ماروں اور کس طرف کو اسے بچوں، ایسے ہی کافر قیامت کے روز حیلوں اور تدبیروں سے اندھا ہوگا وہ کہے گا خدا یا دنیا میں تو میں مصیبتوں سے بچنے کے لئے قسم قسم کی تدبیریں



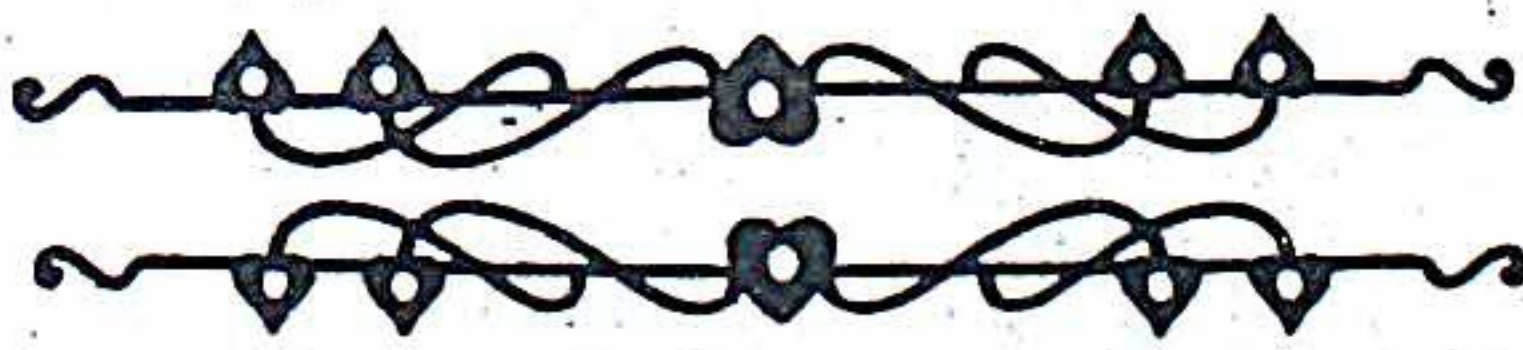
کر لیا کرتا تھا آج تو نے مجھے تدبیروں سے اندھا کیوں کر دیا کہ کوئی تدبیر عذابِ جہنم سے بچنے کی نظر نہیں آرہی ہے (روح المعانی)

یہ سات جوابات تو اعمیٰ اور بصیر کے درمیان تعارض کے ہوئے اس کے بعد ابکم وناطق اور اہم و سامع کے درمیان تعارض کے جوابات سنئے اس کے تین جواب ہیں،

① اختلافِ زمان پر محمول ہے یعنی اولاً یہ لوگ معدوم الہو اس گونگے اور بہرے ہوں گے پھر ان کے نطق و سماعت کو لوٹا دیا جائے گا جس سے یہ لوگ بولیں گے اور سنیں گے ہلاکت کو پکاریں گے اور جہنم کا جوش و خروش وغیرہ سنیں گے و لا تعارض بعد اختلاف الزمان (صاوی، روح المعانی)

② حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کوئی ایسی بات نہیں سن پائیں گے جس سے ان کے کانوں کو لذت و سرور محسوس ہو اور گونگے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حجت اور دلیل کے اعتبار سے گونگے ہوں گے کوئی ایسی حجت و دلیل بیان نہیں کر پائیں گے جو عند اللہ مقبول ہو مطلق ہر چیز سے اہم و ابکم ہو نام ادا نہیں ہے پس آیت اولیٰ سماع و نطق والی آیات کے معارض نہیں ہے (روح المعانی)

③ حضرت مقاتل بن سلیمان فرماتے ہیں کہ اولاً تو یہ لوگ سامع ناطق اور بصیر ہوں گے مگر جب ان کو چہروں کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ لوگ عذابِ جہنم سے پریشان ہو کر جہنم سے نکلنے کی درخواست کریں گے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ تو حق تعالیٰ ایک مدتِ طویلہ کے بعد جواب دیں گے اِخْسَاؤَاقِيْمَا وَلَا تَكْلِمُوْنَ ذٰلِیْ وَخَوَارِہُوْکَر جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے کوئی بات چیت مت کرو اس جواب کے بعد وہ لوگ اندھے بہرے گونگے ہو جائیں گے نہ کسی کو دیکھ پائیں گے نہ کوئی بات سن پائیں گے نہ بول پائیں گے فانذبح التعارض لاختلاف الزمان (روح المعانی و تفسیر قرطبی)





## اصحاب کہف نے نیند سے بیدار ہو کر کیا کہا تھا؟

ایازہ نمبر ۱۵

آیات ۱ | ۱ | قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۗ پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورہ الکہف جلا لیں ص ۲۴۲

آیات ۲ | ۲ | قَالُوا رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ پارہ ۱۵ رکوع ۱۵ سورہ الکہف جلا لیں ص ۲۴۲

**تشریح تعارض** | اصحاب کہف غار میں تین سو برس تک گہری نیند سونے کے بعد جب بیدار ہوئے تو ان کے سردار کلسینا نے اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا کہ لَبِثْتُمْ تم کتنی دیر تک سوتے رہے اس کے جواب میں ساتھیوں نے جو کہا اس بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے اصحاب کہف کے دو مقولے ذکر کئے (۱) لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ کہ ہم لوگ ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم نیند کی حالت میں رہے (۲) رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ تمہارا رب تمہاری مدت لَبِثت کو زیادہ جانتا ہے ان دونوں مقولوں میں تعارض ہے کیونکہ مقولہ اولیٰ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے مدت لَبِثت فی حالت النوم کی تصریح کر دی اور مقولہ ثانیہ میں یہ ہے کہ انہوں نے مدت لَبِثت کو حق سبحانہ کے علم پر محول کر دیا گویا یہ کہا کہ ہمیں معلوم نہیں خدا ہی زیادہ جانتا ہے،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں اور تجزیہ کے بعد تین جواب ہو جاتے ہیں،

۱ | دونوں مقولوں کے قائل جدا جدا ہیں یعنی قال بعضهم لبثنا يوماً وبعضهم يوماً وقال بعضهم ربكم أعلم بما لبثتہم بعض نے تو کہا ہم ایک دن یا بعض دن سوئے دوسرے بعض ساتھی بولے کہ اپنی طرف سے تعین و تصریح کیوں کرتے ہو حق تعالیٰ تمہاری مدت لَبِثت کو زیادہ جانتے ہیں اور جب دو متعارض مقولوں کے قائل جدا جدا ہوں تو کوئی تعارض نہیں رہتا (روح المعانی و تفسیر البوسعدی)

۲ | دونوں مقولوں کے قائل تو متحد ہیں مگر زمانہ دونوں کا مختلف ہے پھر اختلاف زمانہ کی دو صورتیں ہیں (۱) اولاً تو انہوں نے بیدار ہوتے ہی بلا تامل و غور و فکر یہ کہہ دیا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ پھر کچھ تامل اور غور و فکر کے بعد کہا ربکم أعلم بما لبثتہم و اصل وہ لوگ طلوع شمس کے وقت سوئے تھے اور تین سو برس کے بعد غروب شمس کے وقت بیدار ہوئے تھے انہوں نے گمان کیا کہ یہ آج ہی کے دن کا غروب ہے اور غار کے اندر ہونے کی وجہ سے اور نیند کا اثر زائل نہ ہونے کی وجہ سے غروب شمس کا اچھی طرح ادراک







جماعت نے مدتِ لبث کو زیادہ یا درکھا ہے اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ جس جماعت نے لبثنا یوماً اور بعض یوم کہا وہ مدتِ لبث کو ضبط نہیں کر سکی جنہوں نے مدت کو طویل سمجھ کر ریکم اعلیٰ بالبتہم کہا انہوں نے مدتِ لبث کو زیادہ یا درکھا ہے اور جواب ثانی میں (یعنی جبکہ دونوں مقولوں کا قائل متحد ہو) اصحاب کہف کی یہ دو جماعتیں نہیں ہوتیں جس کی بنا پر یہ آیت سابقہ مذکورہ کے موافق نہیں رہتی پس جواب اول راجح ہے، (تفسیر ابوالسعود)

### اہل جنت کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے یا چاندی کے یا موتیوں کے؟

#### پاراہ نمبر ۱۵ و ۱۷ و ۲۲ و ۲۹

آیات ۱) یَحْلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ پارہ ۱۵ رکوع ۱۶ سورہ الکہف  
 جلالین ص ۲۴۲ ۲) یَحْلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْلَا پارہ ۱۷ رکوع ۱ سورہ  
 الحج جلالین ص ۲۸۰ ۳) یَحْلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْلَا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا  
 حَرِيرٌ پارہ ۲۲ رکوع ۱۶ سورہ فاطر جلالین ص ۳۶۶ ۴) وَحَلَّوْا أَسَاوِرٍ مِنْ  
 فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۹ سورہ الذہر جلالین ص ۲۸۲  
**تشریح تعارض** آیت اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کو سونے کے کنگن پہنائے  
 جائیں گے اور آیت نمبر ۲ و ۳ میں کہ سونے اور موتیوں کے کنگن اور آیت نمبر ۴ میں ہے کہ چاندی کے  
 کنگن پہنائے جائیں گے ان چاروں آیتوں میں تعارض ظاہر ہے،

**رفع تعارض** اولاً بطور تمہید یہ سنئے کہ آیت ثانیہ میں لفظ لَوْلَا میں دو قرأتیں ہیں ایک  
 نصب کے ساتھ دوسری جر کے ساتھ، اگر نصب پڑھا جائے تو اس کا عطف اساور کے محل پر ہوگا  
 "اساور" میں حرف جار کا دخول ہونے کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے اگرچہ غیر منفرف ہونے کی وجہ سے  
 نصب آگیا ہے مگر لفظاً اس کو مجرور ہی کہا جائے گا اور یَحْلَوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً  
 منصوب ہے، اساور کے محل پر عطف کرتے ہوئے لَوْلَا بھی منصوب ہوگا اور تقدیر عبارت اس



طرح ہوگی یُحَلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَادِرٍ ذَهَبٍ وَيُحَلَوْنَ لَوْلُؤًا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کو جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی پہنائے جائیں گے پھر موتی پہنائے جانے میں دو احتمال ہیں یا تو موتیوں کے کنگن یا موتیوں کے ہار، اور اگر لَوْلُؤُ مجبور پڑھا جائے تو ذہب پر عطف ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کو سونے اور موتیوں کے بنے ہوئے کنگن پہنائے جائیں گے یعنی سونے کے کنگن موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے جیسا کہ صاحب جلالین نے بان یرضع اللؤلؤ بالذہب کہا اس طرف اشارہ کیا ہے

اس تمہید کے بعد دفع تعارض کی تشریح کی جاتی ہے جس کی تقریر اس طرح ہے کہ اگر یہ مراد لیا جائے کہ موتیوں کے کنگن نہیں ہوں گے بلکہ موتیوں کے ہار یا موتی سونے پر جڑے ہوئے ہوں گے تو تعارض صرف أَسَادِرٍ نَفِثَةٍ اور أَسَادِرٍ ذَهَبٍ میں رہ جاتا ہے اور اگر موتیوں کے مستقل کنگن مراد لے جائیں تو تعارض تینوں میں ہو جاتا ہے، اساور من ذہب، اساور من نفثہ، اساور من لؤلؤ، صورت اولیٰ یعنی ذہب اور نفثہ میں تعارض کے وقت اس کے ساتھ جواب میں

① اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی سونے کے کنگن تو اہل جنت کیلئے اور چاندی کے کنگن ان کے خدام کیلئے ہوں گے ② اختلاف اشخاص ہی پر محمول ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ چاندی کے کنگن بچوں کیلئے اور سونے کے کنگن عورتوں کیلئے ③ اختلاف زمان پر محمول ہے کبھی سونے کے کنگن کبھی چاندی کے ④ تفاوت اعمال پر مدار ہے جس کا جیسا عمل ہوگا ویسے ہی کنگن پہنائے جائیں گے بعض کو سونے کے بعض کو چاندی کے ⑤ تفاوت رغبت پر مدار ہوگا یعنی اہل جنت کی رغبت اور خواہش کے مطابق معاملہ ہوگا جو سونے کے پہننا چاہے گا اس کو سونے کے جو چاندی کے پسند کرے گا اس کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ أَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ⑥ جمعیت مراد ہے ہر جنتی کو دو دو کنگن ملیں گے ایک چاندی کا ایک سونے کا جو موتیوں سے جڑا ہوگا ⑦ جمعیت ہی مراد ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ ہر جنتی کو تین تین کنگن ملیں گے ایک چاندی کا ایک خالص سونے کا ایک موتی سے جڑا ہوا سونے کا (روح المعانی ج ۱)



صورتِ ثانیہ یعنی ذہب، فضة اور لؤلؤ تینوں میں تعارض ہونے کی صورت میں پانچ جواب ہیں ① جمعیت مراد ہے ہر جہتی کو تین تین کنگن میں گے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں سے بنا ہوا حضرت عکرمہ سے منقول ہے ان اهل الجنة یحلون اسورة من ذهب ولؤلؤ وفضة ہی اخف علیہم من کل شیئ انما ہی نور (اخرجه عبد الحمید وابن منذر) تذکرۃ القریب میں ہے یسور المؤمن فی الجنة بثلثة اسورة سوار من ذهب وسوار من فضة وسوار من لؤلؤ ② جمعیت ہی مراد ہے مگر صورت وہ ہے جو سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ ہر ایک کو چھ کنگن پہنائے جائیں گے دو سونے کے دو چاندی کے دو موتیوں کے (غالباً تین واہنے ہاتھ میں پہنیں گے تین بائیں میں ③ اختلافِ زمان پر محمول ہے تارۃ من الذهب وتارۃ من الفضة وتارۃ من اللؤلؤ کما مر ④ تفاوتِ اعمال پر مدار ہوگا کما مر ⑤ تفاوتِ رغبت پر مدار ہوگا کما مر، (روح المعانی وجمل)

## بنی اسرائیل کے دو بھائیوں سے کافر بھائی کو دو باغ دے گئے تھے یا ایک؟

### پارا نمبر ۱۵

آیات ① جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ پارہ ۱۵ رکوع ۱۷ سورۃ الکہف جلاہن ص ۲۲۵ ② وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ پارہ ۱۵ رکوع ۱۷ سورۃ الکہف جلاہن ص ۲۲۵

تشریح تعارض | حق تعالیٰ شانہ نے قوم بنی اسرائیل میں سے دو بھائیوں کا ایک قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ کہ ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے اس کے بعد ان باغوں کے اوصاف ذکر کئے پھر جب قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے باغوں کی رونق و زینت دکھلانے کیلئے لے گیا تو اس کیلئے حق تعالیٰ نے وَدَخَلَ جَنَّتَهُ صیغہ مفرد ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک باغ تھا اور آیت اولیٰ میں صیغہ تثنیہ کیساتھ



جَنَّتَيْنِ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو باغ تھے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے چھ جواب ہیں

۱۔ جس طرح الف لام استغراقی ہوتا ہے اسی طرح اضافت بھی استغراقی ہوتی ہے یہاں جنت کی  
 اضافت کا ضمیر کی طرف استغراقی ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام باغوں (دونوں باغوں) میں داخل ہوا  
 اس کے تمام باغ دو ہی باغ تھے (روح المعانی و جمل)

۲۔ دونوں باغ متصل تھے اتصال کی وجہ سے ان دونوں کو ایک شمار کر کے جَنَّتِ کہہ دیا گیا (ابوالسعود)

۳۔ دونوں باغوں میں دخول چونکہ ایک وقت میں نہیں ہو سکتا بلکہ یکے بعد دیگرے ہی ہو سکتا ہے

اس لئے صیغہ مفرد استعمال کیا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک باغ دکھلایا پھر دوسرا یعنی دَخَلَ جَنَّتَ بَعْدَ  
 جَنَّتِ - ایک کے ذکر پر اکتفا کر لیا گیا مراد دونوں ہیں (تفسیر ابوالسعود)

۴۔ باغوں کی تعداد بیان کرنا مقصود ہی نہیں ہے اس لئے صیغہ تثنیہ کا استعمال ضروری نہیں سمجھا

گیا صیغہ مفرد کے ساتھ جَنَّتِ کہہ دیا (تفسیر ابوالسعود)

۵۔ جنت سے مراد باغ نہیں ہے بلکہ جنت دنیویہ مراد ہے کافر کو جو مال و متاع دنیا میں ملتا ہے

بس وہی اسکی جنت ہوتی ہے آخرت کی جنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے تو جَنَّتِ کہہ کر

اس طرف اشارہ کیا کہ اس کے پاس جو دو باغ اور دیگر اموال و اسباب تھے بس یہی اس کی جنت

تھی وہ اپنے مؤمن بھائی کو اپنی جنت دکھلانے لے گیا، (تفسیر کبیر)

۶۔ اس کو حق تعالیٰ نے ایک ہی باغ عطا فرمایا تھا پس آیت نمبر ۱۱ میں تو کوئی اشکال نہیں البتہ

آیت نمبر ۱۱ میں جَنَّتَيْنِ اس لئے فرمایا کہ اس باغ کے درمیان ایک نہر جاری تھی نہر کے

دونوں طرف باغ تھا اس لئے اس کو دو باغوں سے تعبیر کر دیا گیا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے امام سدی

۱۱۔ جس بھائی کو دو باغ دئے گئے تھے وہ کافر تھا جس کا نام فرطوس یا قطفیر بتایا گیا ہے اور دوسرا

بھائی مؤمن تھا جس کا نام بقول حضرت ابن عباسؓ یہودا اور بقول حضرت مقاتلؓ یملیخا تھا جس نے اپنا سارا

اثاثہ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا تھا اور دنیاوی اعتبار سے فقیر و محتاج ہو گیا تھا ۱۲ روح المعانی



سے نقل کیا ہے مگر یہ توجیہ ضعیف ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے وَفَجَرْنَا خِلْمَهُمَا نَهْرًا، جنّین کے ذکر کے بعد فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مستقل باغ تھے ان دونوں کے درمیان نہر جاری تھی اگر باغ ایک ہوتا اور درمیان میں نہر جاری ہو جانے کی وجہ سے دو باغ ہو گئے تھے تو اس صورت میں یوں کہا جاتا جَعَلْنَا لِأَحَدٍ مِّنَّا جَنَّةً وَفَجَرْنَا خِلْمَهَا نَهْرًا فَصَارَتْ جَنَّتَيْنِ (روح المعانی)

## قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟

پارہ نمبر ۱۵، ۱۶، ۲۰، ۲۶، ۲۹، ۳۰

آیات

- ۱) وَیَوْمَ نَسِیرَ الْجِبَالِ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً پارہ ۱۵، رکوع ۱۸، سورہ
- الکھف جلا میں ص ۲۴۶ ۲) وَتَرَى الْجِبَالِ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمْرٌ مَرَاتِعًا
- پارہ ۲، رکوع ۳، سورہ نمل جلا میں ص ۳۲۵ ۳) وَتَسِیرَ الْجِبَالِ سِیرًا پارہ ۲۶،
- رکوع ۳، سورہ الطور جلا میں ص ۲۳۵ ۴) وَسِیرَتِ الْجِبَالِ کَانَتْ سَرَابًا پارہ ۳،
- رکوع ۱، سورہ النباء جلا میں ص ۲۸۷ ۵) وَإِذَا الْجِبَالُ سِیرَتْ پارہ ۳، رکوع ۶،
- سورہ التکویر جلا میں ص ۲۹۱ ۶) وَیَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ
- نَسْفًا پارہ ۱۶، رکوع ۱۵، سورہ طہ جلا میں ص ۲۶۷ ۷) وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ پارہ
- رکوع ۲۱، سورہ المرسلات جلا میں ص ۲۸۵ ۸) وَبَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ
- هَبَاءً مُّبْنًًا پارہ ۲۶، رکوع ۱۲، سورہ الواقعة جلا میں ص ۲۴۶ ۹) وَحُمِلَتِ
- الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّةً وَآحِدَةً پارہ ۲۹، رکوع ۵، سورہ الحاقة جلا میں ص ۲۶۱
- و ص ۲۶۲ ۱۰) وَتَكُونُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ پارہ ۲۹، رکوع ۷، سورہ المعارج جلا میں
- ص ۲۶۳ ۱۱) وَتَكُونُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْقُوشِ پارہ ۳، رکوع ۲۶، سورہ القارعة جلا میں ص ۵۰۵
- ص ۲۶۸ ۱۲) وَكَانَتْ الْجِبَالُ کَثِیْرًا مَّهِیْلًا پارہ ۲۹، رکوع ۱۳، سورہ المزمل جلا میں ص ۲۶۸

تشریح معارض | قیامت کے روز پہاڑوں کا کیا حال ہوگا اس بارے میں یہ آیات معارض



ہیں، یہ آیات سات قسم کے مضامین پر مشتمل ہیں: مرور (چلنا) تَسْيِير (چلانا) نَسْف  
اِثَانًا، بَسْ (ریزہ ریزہ کرنا یا ہانکنا) دَاك (ٹکڑے ٹکڑے کر دینا) هَبَاءٌ مُّبْتَأًا (بکھرا ہوا غبار)  
عِهْن (روئی) كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (بہنے والے ریت کا ٹیلہ) آیت نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ  
پہاڑوں کو چلایا جائیگا جن میں سے آیت نمبر ۶ میں یہ ہے کہ بادلوں کی طرح چلتے ہوئے ہوں گے  
اس کے بعد آیت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اڑا دیا جائے گا اس کے بعد آیت نمبر ۸ میں  
وَبُسْتِ اَنْجِبَالٍ كَمَا كَانَتْ بُسْتِ كِي تفسیر حضرت ابن عباس و مجاہد نے فُسْتُ (ریزہ ریزہ کر دیا  
جائے گا) کے ساتھ کی ہے اور بعض نے سَيَقُتُّ کے ساتھ کی ہے بمعنی ہانکنا چلانا اس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا یا ہانکا جائے گا بُسْتِ كِي دوسری تفسیر کی صورت میں  
یہ پہلی پانچ آیات کے مضمون کے موافق ہو جائے گی نیز اس آیت میں اس کے ساتھ ساتھ هَبَاءٌ  
مُّبْتَأًا کہا گیا ہے جس کے معنی بکھرے ہوئے غبار کے آتے ہیں پھر آیت نمبر ۹ میں ہے کہ ٹکڑے  
ٹکڑے کر دئے جائیگا یہ بُسْتِ كِي تفسیر اول فُسْتُ کے موافق ہے اس کے بعد آیت نمبر ۱۰  
وَعَلَا سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی ٹکڑے ٹکڑے کی طرح ہو جائیں گے اس کے بعد آیت نمبر  
۱۱ میں ہے کہ بہنے والے ریت کے ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے پس اس طرح ان آیات میں بظاہر تعارض ہے  
دفع تعارض | قیامت کے دن پہاڑوں پر یکے بعد دیگرے یہ سب احوال مذکورہ طاری ہوں  
گے جن کو ان آیات میں متفرق طور پر ذکر کر دیا گیا ہے اولاً تو پہاڑوں کو زمین سے اکھاڑ کر فضا  
میں لیجا یا جائے گا وہاں پر ہوائیں ان کو اڑاتی پھریں گی یہ بادلوں کی طرح چلتے ہوئے اور  
اڑتے ہوئے ہوں گے اور روئی کے گالوں کی طرح دکھائی دیں گے جس طرح اڑتے ہوئے بادل  
روئی کے گالوں کی طرح معلوم ہوا کرتے ہیں پھر ان کو زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ  
کر دیا جائے گا ایسا محسوس ہوگا جیسے مجتمع ریت کا ٹیلہ بہنے لگا ہو اس کے بعد ان کو هَبَاءٌ  
مُتَوَرِّجًا بکھرے ہوئے غبار کی طرح بنا دیا جائے گا پس ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے  
حضرت حسن اور دیگر محققین حضرات سے اسی طرح منقول ہے (روح المعانی)



## قیامت کے دن کفار کے اعمال تو لے جائینگے یا نہیں؟

پارہ نمبر ۱۴ و ۱۸

آیات | ۱ | اُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا

نَقِيمٌ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرَنَا پارہ ۱۴ رکوع ۳ سورہ الکہف جلا لیں ص ۲۵۳

۲ | وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ پارہ

رکوع ۶ سورہ المؤمنون جلا لیں ص ۲۹۳

تشریح تعارض | آیت نمبر ۱ میں فرمایا کہ ہم کفار کیلئے وزن قائم نہیں کریں گے جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار کے اعمال کو تو لے نہیں جائے گا اور آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے

کہ جن کے ترازو کے پلے ہلکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا ہے

ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال تو لے جائیں گے آیت ثانیہ

میں اعمال کفار کے وزن کا اثبات اور آیت اولیٰ میں وزن کی نفی ہے لہذا دونوں آیتوں میں تعارض ہے

دفع تعارض | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

۱ | آیت اولیٰ میں مطلق وزن کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ وزن نافع کی نفی مقصود ہے یعنی فلا نقیم لہم

یوم القیامۃ وزنا نافعاً مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کا وزن تو کیا جائے گا مگر اس وزن سے ان کو

کوئی نفع نہیں پہنچے گا کیونکہ کفار نے ثواب کی خاطر جو اعمال حسنہ دنیا میں کئے وہ قبولیت کی شرط

یعنی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے بیکار ہو جائیں گے کہ دیکھنے میں تو وہ اعمال بڑے بڑے نظر آئیں گے

مگر اندر سے کھوکھلے اور خالی ہوں گے جب ترازو کے پلے میں ان کو رکھا جائے گا تو ان کی وجہ سے پلے

بھاری نہیں ہوگا بلکہ ہلکا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اعمال کے وزن سے صاحب اعمال کو نفع اسی

وقت ہوگا جب کہ اعمال حسنہ کا پلے بھاری ہو جیسا کہ ارشاد ہے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور جب ان لوگوں کا پلے ہلکا رہے گا تو ان کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا بلکہ

یہ لوگ خسارہ اور نقصان میں رہیں گے اسی کو آیت ثانیہ میں فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ



الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ خلاصہ یہ ہوا کہ نفی وزن نافع کی ہے اور اثبات وزن غیر نافع کا ہے جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (جلالین وغیرہ)

۱۰ آیت اولیٰ میں وزن قائم نہ کر نیسے تو نے کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کفار کی توہین اور تحقیر شان مراد ہے یعنی آیت شریفہ میں وزن اعمال یا عدم وزن اعمال کو بیان کرنا مقصود ہی نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن ہمارے نزدیک کفار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا ان کی کوئی قدر و منزلت اور کوئی حیثیت ہماری نظروں میں نہیں ہوگی کیونکہ قدر و منزلت تو اس دن اعمالِ حسنہ والے شخص کی ہوگی اور جب ان کفار کے اعمالِ حسنہ ضائع اور بیکار ہو چکے ہوں گے تو یہ لوگ گویا اعمالِ حسنہ سے بالکل کورے اور خالی ہو جائیں گے جس کی وجہ سے ان کی کوئی قدر و منزلت اور کوئی وقعت نہیں ہوگی یہ لوگ نہایت ذلیل و حقیر ہوں گے پس آیت اولیٰ میں وزن سے مراد اس کے حقیقی معنی تو لنا مراد نہیں ہیں بلکہ وزن کے مجازی معنی یعنی اعتبار کرنا اور قدر و منزلت مراد ہے یعنی فَلَا يَجْعَلُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِعْتَابًا وزن کو اعتبار کے معنی میں لینا کثیر الاستعمال ہے جیسے کہا جاتا ہے فلاں نے وزن دار بات کہی ہے یعنی اس کی بات قابل قدر اور قابل اعتبار ہے اور فلاں کی بات کا کوئی وزن نہیں یعنی اس کی بات معتبر نہیں ہے اس کی کوئی حیثیت ہماری نظروں میں نہیں ہے پس جب آیت اولیٰ میں وزن کی نفی مقصود ہی نہیں ہے تو آیت ثانیہ سے اس کا کوئی تعارض نہیں رہا (روح المعانی)

۱۱ اختلاف اشخاص پر محمول ہے یعنی بعض کفار کے اعمال تو لے جائیں گے اور بعض کے نہیں جس طرح مومنین دو قسم کے ہوں گے بعض تو وہ جو بلا حساب و کتاب بلا وزن اعمال جنت میں چلے جائیں گے اور بعض حساب و کتاب اور وزن اعمال کے بعد جنت میں داخل ہوں گے ایسے ہی کفار کی دو قسمیں ہوں گی بعض وہ کفار جو بلا حساب و کتاب و بلا وزن اعمال جہنم میں داخل کر دئے جائیں گے اور بعض کو حساب و کتاب اور وزن اعمال کے بعد جہنم میں بھیجا جائے گا پس وزن کی



نعی بعض کفار کیلئے اور وزن کا اثبات دوسرے بعض کفار کیلئے ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے  
علامہ سیوطی نے اسی توجیہ کو پسند کیا ہے (قرطبی و مظہری)

## مؤمنین صالحین جہنم میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

پاکستان نمبر ۱۶ و ۱۷

آیات ① وَإِنْ مِنْكُمْ آلَا وَآرِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا پارہ ۱۶ رکوع ۸

سورہ مرید جلالین ص ۲۵۸ ② إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ  
عَنْهَا مَبْعُدُونَ پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورہ الانبیاء جلالین ص ۲۷۷

تشریح تعارض آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو جہنم میں ضرور داخل ہونا  
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جہنم میں ضرور جائے گا مؤمن ہو یا کافر، متقی و صالح ہو  
یا فاسق و فاجر، نبی و ولی ہو یا غیر نبی و غیر ولی، سب جہنم میں ضرور داخل ہوں گے اور آیت  
ثانیہ میں ہے کہ ہم نے جن کیلئے بھلائی اور حسن عاقبت کا فیصلہ کر دیا ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے  
پس بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے،

رفع تعارض اس تعارض کے چار جواب ہیں،

① آیت اولیٰ میں ورود سے مراد حضور ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے

الورود المحضور، عبد بن حمید نے بھی حضرت عبید بن عمیر سے یہی تفسیر نقل کی ہے مطلب  
یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو جہنم کے قریب مقام حساب و کتاب میں حاضر ہونا ہے ورود بول  
کہ قرب و حضور مراد لیا جاتا ہے جیسے وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ میں ورود سے مراد قرب  
و حضور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں کے قریب حاضر ہوئے کنوئیں کے اندر  
داخل ہونا مراد نہیں ہے، امام رازی فرماتے ہیں کہ جب قافلہ شہر کے قریب آجائے ابھی شہر میں  
داخل نہ ہو تو کہہ دیا جاتا ہے وَرَدَتِ الْقَافِلَةُ الْبَلَدَةَ اور أُولَٰئِكَ عَنْهَا مَبْعُدُونَ



کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نفسِ جہنم سے مسافت کے اعتبار سے بعید ہوں گے کیونکہ بعد مسافت تو قرب کے منافی ہے پس تعارض جوں کا توں باقی رہے گا بلکہ مَبْعَدُونَ عَنْ عَذَابِهَا مراد ہے اصحابِ حسنیٰ اگرچہ مسافت کے اعتبار سے تو جہنم کے قریب ہوں گے مگر اس کے عذاب سے دور رہیں گے قریب ہوتے ہوئے بھی ان کو جہنم کی حرارت وغیرہ کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوگا اور اگر بعد مسافت ہی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ اولاً جہنم کے قریب لایا جائے گا پھر دور کر دیا جائے گا پس کوئی تعارض نہیں (تفسیر کبیر و روح المعانی و مدارک)

② ورود سے مراد دخول ہی ہے قدام مفسرین اور جمہور اہل سنت والجماعت اسی کے قائل ہیں ورود بمعنی دخول دیگر آیات میں بھی مستعمل ہے جیسے اَنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاِرْدُونَ ای داخلون، اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کے متعلق ارشاد ہے يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ اى فَاَدْخَلَهُمُ النَّارَ اور آیت ثانیہ اُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ کے معنی مبعدون عن عذابہا میں حق تعالیٰ ہر شخص کو جہنم میں داخل کریں گے مگر اس کے باوجود جہنم کی آگ مومنین صالحین پر اثر نہ کرے گی حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کو بردا و سلاما بنا دیا تھا ایسے ہی مومنین صالحین کے حق میں جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی حضرت جابر رضی کی مرفوع روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے،

حضرت ابو سمیہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں میں ورود کے بارے میں اختلاف ہوا بعض نے تو کہا کہ مومن جہنم میں داخل نہیں ہوگا دوسرے نے کہا جہنم میں سب لوگ داخل ہوں گے پھر حق تعالیٰ متقین کو نجات عطا فرمادیں گے پس میں نے حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی سے ملاقات کی تو ان سے اس بات کا

عن ابی سمیة قال اختلفنا فی الورد فقال بعضنا لا یدخلها مؤمن وقال اخر یدخلونها جميعا ثم نبی اللہ الذین اتقوا فلقت جابر بن عبد اللہ فذکرت له فقال واهوی باصبغیہ الی اذنیہ صمنا ان لہا کن سمعت رسول اللہ



صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایبق برولا  
فاجر الا دخلها فتکون علی المؤمن بروداً  
وسلاماً کما کانت علی ابراہیم علیہ السلام  
حتی ان للنار ضجیجا من برد صم ثم  
ینجی اللہ الذین اتقوا (اخرج احمد والحکیم  
الترمذی وابن المنذر والحاکم وصحیح روح المعانی

ذکر کیا انہوں نے اپنی دو انگلیاں کانوں کی طرف  
بڑھا کر فرمایا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں  
اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زسنا  
ہو آپ فرماتے تھے کہ کوئی نیک و فاجر جہنم میں  
داخل ہوئے بغیر باقی نہیں رہے گا مومن پر  
اگ ٹھنڈی سلامتی والی ہو جائے گی جیسا کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہو گئی تھی یہاں تک کہ لوگوں کے ٹھنڈا ہو جانے کی وجہ سے آگ شور مچانے  
لگے گی پھر حق تعالیٰ اہل تقویٰ کو اس میں سے نکال دیں گے

بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ ہر شخص جہنم میں داخل ہو گا مگر مومنین صالحین اصحابِ حسیٰ اس کے عذاب سے دور  
اور محفوظ رہیں گے فلا تعارض بین الایتین (روح المعانی)

① وروڈ سے مراد مرور ہے حضرت حسن اور حضرت قتادہ نے یہی تفسیر کی ہے اور یہ گذرنا اس  
پل صراط پر ہو گا جو جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مومن جہنم کے  
اوپر پل صراط پر سے گذر جائے گا اور اس کو پتہ بھی نہ چلے گا جیسا کہ ایک روایت میں ہے

عن خالد بن معدان قال اذا دخل  
اهل الجنة الجنة قالوا ربنا الم تعدنا  
ان نرد النار قال بلی ولكنکم مررتم  
عدها وهي خامدة (اخرج ابن ابی شیبہ  
وعبد بن حمید والحکیم وغیرہم) روح المعانی ص ۱۲۱

حضرت خالد بن معدان سے روایت ہے کہ جب اہل جنت  
جنت میں داخل ہو جائیں گے تو عرض کریں گے اے  
خدا کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم جہنم پر وارد  
ہوں گے حق تعالیٰ فرمائیں گے ہاں وعدہ کیا تھا مگر  
تم لوگ تو اس پر سے گذر رہے گئے اس حال میں کہ

اس کی آگ بجھی ہوئی تھی، اس تفسیر پر بھی دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا (روح المعانی ص ۱۲۱)

② حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وروڈ علی النار سے مراد دنیا میں بخار کا لاحق ہونا ہے جہنم میں  
داخل ہونا یا اس پر سے گذرنا مراد نہیں ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو دنیا میں بخار



لاحق ہونا ہے انھوں نے غالباً یہ تفسیر حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے پیش نظر کی ہے  
 عن عائشۃ بنت ابی بکر قالت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الحشی من فیہ جہنم فابرد وھا بالماء (رواہ البخاری و مسلم)  
 حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بخار جہنم کی حرارت سے ہوتا ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کیا کرو  
 مگر اس روایت سے مقصد پر استدلال غیر ظاہر ہے اس لئے کہ روایت میں ورود علی النار سے کوئی تعرض نہیں ہے (تفسیر خازن و روح المعانی)

## حضرت موسیٰ کی زبان کی لگنت بالکل زائل ہو گئی تھی یا کچھ باقی تھی؟

پارا ۱۶، ۲۰، ۲۵

۲۶۲

آیات ۱) قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ پارہ ۱۶ رکوع ۱۱ سورہ طہ جلا لیں  
 ۲) وَأَخِي هَارُونَ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ الْإِسْحَاقَ پارہ ۲ رکوع ۱ سورہ القصص جلا لیں ص ۳۳  
 ۳) وَلَا يَكَادُ يُبِينُ پارہ ۲۵ رکوع ۱۱ سورہ الزخرف جلا لیں ص ۲۰۸  
 تشریح تعارض | پہلی آیت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے موسیٰ آپ کی درخواست پوری کر دی گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي  
 وَأَحِلُّ لِي عُقْدَةً مِن لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي  
 وَأَجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِ بَيْتِي هَارُونَ أَخِي  
 اے پروردگار میرا سینہ کھول دے میری زبان کی گرہ  
 (لگنت) دور کر دے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور  
 میرے خاندان میں میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر

معین بنا دے حق تعالیٰ نے دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ  
 اے موسیٰ جو دعائیں آپ نے ہم سے مانگی ہیں ہم نے قبول کر لی ہیں یعنی ہم نے آپ کو شرح صدر سے  
 ہی نوازا دیا آپ کی زبان کی لگنت بھی دور کر دی گئی اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو  
 آپ کا وزیر معین بنا دیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی لگنت بالکل



دور ہوگئی تھی صاف بولنے لگے تھے اور آیت نمبر ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لکنت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی تھی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خود سے افصح اللسان فرمایا ہے کہ حضرت ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے میں زیادہ صاف اور تیز بول نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت باقی تھی اور آیت نمبر ۳ میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس دعوت دینے کیلئے پہنچے تو اس نے کہا **وَلَا يَكَادُ يُبِينُ** کہ یہ تو اپنی بات اچھی طرح ظاہر نہیں کر پاتے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لکنت باقی تھی پس ان دونوں آیتوں کا پہلی آیت بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں جو تجزیہ کے بعد متین ہو جاتے ہیں،

① لکنت تو بالکلیہ زائل ہوگئی تھی جیسا کہ آیت نمبر ۱ سے معلوم ہوتا ہے حضرت حسن بصریؒ اور اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں البتہ آیت نمبر ۲ میں جو حضرت ہارون علیہ السلام کا افصح لسان ہونا مذکور ہے اس کے دو جواب ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت حضرت ہارون کو وزیر و معین بنانے کی درخواست کر رہے تھے اس وقت تو لکنت موجود تھی اس لئے حضرت ہارون کو افصح منی لساناً فرمایا بعد میں حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور لکنت کو بالکلیہ زائل فرما دیا پس اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بعد میں بھی لکنت باقی رہی (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ قبولیت دعا کے بعد افصح اللسان فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام کے افصح لساناً ہونے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فصاحت لسانی کی نفی نہیں ہوتی حضرت موسیٰ علیہ السلام فصیح اللسان تھے اور فصیح اللسان اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زبان میں لکنت نہ ہو جیسا کہ ابن ہلال نے کتاب الصنائع میں تصریح کی ہے **الفصاحة تمام الة البيان** کہ فصاحت الہ بیان یعنی زبان کے مکمل ہونے کو کہتے ہیں جس کی زبان میں نقص ہو اس کو فصیح نہیں کہا جاتا اسی وجہ سے **الشیخ** (ہیکلے شخص) اور **تمتّام** (جلدی جلدی بولنے والے شخص) کو فصیح نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ لوگ حروف کی ادائیگی پر اچھی طرح قادر نہیں ہوتے بہر حال حضرت



موسیٰ علیہ السلام فصیح تھے زبان میں لکنت بالکل نہیں تھی البتہ حضرت ہارون علیہ السلام انصح تھے اور تیسری آیت **وَلَا يَكُادُ يَسِينُ** کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حجت و دلیل مکمل پیش نہیں کر پاتے فرعون لعین نے یہ بات تمویہا کہی تھی تاکہ لوگوں کا میلان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہ ہو پائے ورنہ تو وہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی الحجۃ والدلیل ہیں پس اس آیت سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صاحب لکنت ہونا ثابت نہیں ہوتا لہذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے (روح المعانی و مدارک)

② لکنت بالکلیہ زائل نہیں ہوتی تھی جیسا کہ اخیر کی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے امام جبائی اسی کے قائل ہیں اور پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری لکنت کے زوال کی دعا نہیں کی تھی بلکہ دعا کا مقصد یہ تھا کہ اے رب میری زبان کی اتنی لکنت دور کر دے جس سے لوگ میری بات سمجھنے لگیں اسی لئے **عُقْدَةٌ نَكَرَہ** اور **مِنْ لِسَانِي** میں من بیعضیہ کا استعمال کیا کہ میری زبان کی تھوڑی سی لکنت دور کر دے اسی دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا اور کچھ لکنت دور فرمادی تھی جس سے لوگ بات سمجھ جاتے تھے اگر بالکلیہ زوال کی دعا ہوتی تو **وَاحْلُلْ عُقْدَةً لِّسَانِي** اضافت کیساتھ کہا جاتا پس یہ آیت اخیر کی دونوں آیتوں کے معارض نہیں ہے،

مگر اکثر حضرات چونکہ بالکلیہ زوال کے قائل ہیں اس لئے انھوں نے **عُقْدَةٌ نَكَرَہ** اور **مِنْ** کے استعمال کا جواب یہ دیا ہے کہ **عُقْدَةٌ نَكَرَہ** تو اس لئے استعمال کیا کہ لکنت فی نفسہا قلیل تھی زیادہ نہیں تھی اور **مِنْ** انہی کے معنی میں ہے یعنی **وَاحْلُلْ عُقْدَةً فِي لِسَانِي** میری زبان میں جو یہ تھوڑی سی لکنت ہے اس کو دور کر دے حق تعالیٰ نے دور فرمادی (روح المعانی) یہ بظاہر تو دو جواب ہوئے مگر پہلا جواب چونکہ دو جوابوں پر مشتمل ہے اس لئے تجزیہ کے بعد میں جواب ہو جاتے ہیں،



## حضرت سلیمان کیلئے مسخر شدہ ہوا تیز تھی یا ہلکی ؟

پارا نمبر ۱ و ۲۳

آیات ۱) وَ لِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ الْآيَةُ پارہ ۱۷ رکوع ۶ سورہ  
الانبیاء جلا میں ۲۴۵ ● ۲) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُحَاءً حَيْثُ أَمَّا  
پارہ ۲۳ رکوع ۱۲ سورہ ص جلا میں ۳۸۳ ،

تشریح تعارض | حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے حق تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اس  
ہوا کو آیت اولیٰ میں عاصفہ بمعنی تیز چلنے والی کہا گیا ہے اور دوسری آیت میں رُحَاءُ نرم  
اور ہلکی بتایا گیا ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،  
دفع تعارض | اس تعارض کے تین جواب ہیں

① شدت و رخوت کی جہت مختلف ہے یہ ہوا مسافت طے کرنے کے اعتبار سے تو عاصفہ  
یعنی تیز رفتار تھی مگر فی نفسہ خفیف و نرم تھی کہ اس سے راکبین کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی  
ورنہ تو تیز آندھی مسافر کیلئے وبال اور مصیبت بن جاتی ہے کہ اس کے کپڑے بھی اڑنے لگتے ہیں  
اس کا ساز و سامان بھی منتشر و متفرق ہو جاتا ہے بلکہ خود اُس کے اڑ جانے اور ہلاک ہو جانے  
کا خطرہ ہو جاتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہوا ایسی نہیں تھی تیز رفتار ہونے کے باوجود نہایت  
اطمینان و استقلال کے ساتھ راکبین کو لیکر چلتی تھی اور تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ زمانہ قلیل  
میں مسافت بعیدہ طے کر لیتی تھی صبح سے زوال تک ایک ماہ کی مسافت اور زوال سے مغرب  
تک ایک ماہ کی مسافت کا سفر ہو جاتا تھا اسی کو حق تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے  
وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غَدُوًّا شَدِيدًا وَّرَوَّاحًا شَهْرًا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان  
صبح دمشق سے روانہ ہوتے اور اصطخر میں جا کر قلیلوہ کرتے دمشق اور اصطخر کے درمیان ایک  
مہینہ کی مسافت کا فاصلہ ہے پھر زوال کے بعد اصطخر سے چلتے اور باہل میں رات گزارتے اور ان  
دونوں مقاموں میں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ ہے بہر حال شدت و رخوت کی جہت بدل



جانے کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں رہا (بیان القرآن و صاوی)

۲ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارادہ کے اعتبار سے شدید و خفیف ہوتی رہتی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام تیز رفتار کی کارادہ فرماتے تو عاصفہ بن جاتی تھی اور جب ہلکی رفتار چاہتے تو رخا ہر جاتی تھی جیسے گاڑی کا ڈرائیور جب چاہتا ہے گاڑی کی رفتار تیز کر دیتا ہے جب چاہتا ہے ہلکی کر دیتا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر خازن و روح المعانی)

۳ آمد و رفت کے اعتبار سے شدت و رخوت مختلف ہوتی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے وطن سے کسی جگہ تشریف لیجاتے تو خفیف ہوتی تھی اور جب وطن کی طرف واپس لوٹتے تو عاصفہ (تیز رفتار) بن جاتی تھی جیسے انسان کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مقام سے اپنے وطن کی طرف واپس آتا ہے تو تیز رفتار گاڑی سے آتا ہے، (روح المعانی) جیسے ہمارے طلبہ مدارس جب سالانہ تعطیل پر اپنے وطن جاتے ہیں تو ایک سپر بس بلکہ راجدھانی کالنگٹ بنوانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جلد از جلد گھر پہنچ سکیں اور جب سوال کے مہینہ میں گھروں سے مدرسہ آنا ہوتا ہے تو پینسٹرین سے بھی کام چل جاتا ہے،

## حضرت ایوبؑ نے بیماری میں صبر کیا یا نہیں؟

### پارا ۱۷ نمبر ۲۳

آیات ۱) وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ پارہ

رکوع ۶ سورہ الانبیاء جلا لیں ص ۲۶۶ ۲) اِنَّا وَجَدُنَا لَٰصِقًا بِرَبِّ الْعَبْدِ

اننا اواب پارہ ۲۳ رکوع ۱۳ سورہ ص جلا لیں ص ۳۸۳ ،

تشریح تعارض | آیت اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری و مصیبت کا شکوہ کیا اِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ کہ مجھے بہت شدت لاحق ہوگئی ہے میں پریشان ہو گیا ہوں اور شکوہ و شکایت کرنا صبر کے منافی ہے اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا



کیونکہ صابر آدمی شکوہ و شکایت نہیں کرتا اپنے درد و مصیبت کا اظہار نہیں کیا کرتا بلکہ خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کو برداشت کرتا رہتا ہے اور دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر پایا وہ بہت اچھے بندے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر سے کام لیا کوئی شکوہ و شکایت نہیں کی پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا رَبِّ اَنِّ مَسْنٰی الْفَرِّ

وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ کہنا شکوہ و شکایت نہیں ہے بلکہ یہ تو دعا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا فَاسْتَجِبْنَا لَهُ، استجابت قبولیت دعا کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ انھوں نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی اسکو شکوہ و شکایت کہنا غلط ہے شکوہ و شکایت تو اس کو کہتے ہیں کہ آدمی مخلوق کے سامنے اپنے درد و مصیبت کا اظہار کرتا پھرے لوگوں کے سامنے ہائے ہائے کرتا پھرے یہ بے صبری اور گھبراہٹ کی علامت ہوتی ہے حق تعالیٰ کے سامنے اپنی پریشانی بیان کرنا اور رحم و کرم کی درخواست کرنا بے صبری نہیں کہلاتا، آخر حق تعالیٰ کے سامنے بندہ اپنی پریشانی بیان نہیں کرے گا اس سے رحم و کرم کی درخواست نہیں کرے گا تو اور کون سے دربار میں جا کر اپنی پریشانی کو ظاہر کرے گا کس سے رحم و کرم کی درخواست کرے گا، وہی تو ایک ایسی بارگاہ ہے جہاں سب کی حاجات پوری ہوتی ہیں اس لئے رَبِّ اَنِّ مَسْنٰی الْفَرِّ کو صبر کے منافی قرار دینا غلط ہے پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، (تفسیر مظہری)

**کفار کے معبودان باطلہ ان کے ساتھ جہنم میں حاضر رہیں گے یا ان سے غائب؟**

**پارا نمبر ۱۷ اور ۲۴ اور ۲۵ اور ۲۶**

**آیات** ① اَنْكُمُ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَاِرْدُوْنَ  
پارہ ۱۷ اور ۲۴ اور ۲۵ اور ۲۶ سورہ الانبیاء جلا میں ۲۴ ② ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اِنَّا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ



مَنْ دُونَ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا ۖ پارہ ۲۴ رکوع ۱۳ سورہ المؤمن (غافر) جلاہین ص ۳۹۵  
 و ص ۳۹۶ (۳) وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلِ الْآيَةِ ۖ پارہ ۲۵ رکوع ۱ سورہ  
 حم سجدة (فصلت) جلاہین ص ۴۰۷ (۴) بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَلِكَ أَفْكَهُمُ وَمَا كَانُوا  
 يَفْتَرُونَ ۖ پارہ ۲۶ رکوع ۲ سورہ الاحقاف جلاہین ص ۴۱۸ ،

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ میں کفار کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اور تمہارے

معبود جہنم کا ایندھن ہیں تم سب جہنم میں جاؤ گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے معبودانِ باطلہ  
 کفار کے سامنے ہوں گے جہنم میں ان کے ساتھ رہیں گے ان سے غائب اور پوشیدہ نہیں ہوں گے  
 اور آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے کہ اہل جہنم سے جہنم میں پوچھا جائیگا کہاں ہیں وہ بت جن کو  
 تم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے تو وہ جواب دیں گے ضَلُّوا عَنَّا کہ وہ تو ہماری نظروں سے غائب  
 ہیں ہم کو نظر ہی نہیں آرہے ہیں (ضلال کے معنی غیبت کے ہیں ای غَابُوا عَنَّا) اسی طرح آیت  
 نمبر ۳ و ۴ میں وَضَلَّ عَنْهُمْ اور بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے پس نظر ان  
 آیات میں تعارض ہے ،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں ،

① اختلافِ زمان پر محمول ہے یعنی اولاً تو کفار کے اصنام کو ان کی نظروں سے غائب کر دیا  
 جائے گا وہ کہیں گے ضَلُّوا عَنَّا پھر ان کو حاضر کر دیا جائے گا اور ان کو ان کے عابدین کے  
 ساتھ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (تفسیر ابوالسعود، جلاہین)

② اختلافِ مکان پر محمول ہے جہنم کے مختلف طبقات اور متعدد مواقع ہیں بعض مواقع و  
 طبقات میں جلا اور غائب رہیں گے اور بعض میں ان کے ساتھ مقترن رہیں گے لہذا کوئی تعارض  
 نہیں ہے (روح المعانی)

③ غیبت سے مراد مجازاً عدمِ نفع ہے غیر نافع شے کا وجود و عدم، حضور و غیبت برابر ہے  
 پس ضَلُّوا عَنَّا کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہمارے معبود جہنم میں ہمارے ساتھ ہیں مگر ان سے ہمیں کوئی



نفع نہیں پہنچا پس حقیقت تو یہ بت ان کے ساتھ موجود ہوں گے مگر مجازاً ان سے غائب ہوں  
 کے پہلی آیت حقیقت اور اخیر کی تین آیات مجاز پر محمول ہیں، فلا تعارض (روح المعانی)

## قیامت کے دن آسمانوں کا کیا حال ہوگا؟

پارا ۱۷ و ۱۹ و ۲۲ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۹ و ۳۰

- آیات ۱) یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِ لِلْكِتَابِ پارہ ۱۷ رکوع ۷ سورہ  
 الانبیاء جلا میں ص ۲۷۷ ۲) وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ پارہ ۲۲ رکوع ۷  
 سورہ الزمر جلا میں ص ۳۹ ۳) وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلُ الْمَلَائِكَةُ  
 تَنْزِيلًا پارہ ۱۹ رکوع ۷ سورہ الفرقان جلا میں ص ۳۰۵ ۴) فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ  
 فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ پارہ ۲۷ رکوع ۱۲ سورہ الرحمن جلا میں ص ۲۲۷ ۵) فَيَوْمَئِذٍ  
 وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ پارہ ۲۹ رکوع ۵ سورہ  
 الحاقة جلا میں ص ۲۷۲ ۶) فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا  
 السَّمَاءُ مَنقُطِرٌ بِهَا كَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا پارہ ۲۹ رکوع ۱۳ سورہ المزمل جلا میں ص ۲۷۸  
 ۷) إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ پارہ ۳ رکوع ۷ سورہ الانفطار جلا میں ص ۲۹۲  
 ۸) إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ پارہ ۳ رکوع ۹ سورہ الانشقاق جلا میں ص ۲۹۲  
 ۹) يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَمُورًا پارہ ۲۷ رکوع ۳ سورہ الطور جلا میں ص ۲۳۵  
 ۱۰) يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ پارہ ۲۹ رکوع ۷ سورہ المعارج جلا میں ص ۲۷۳  
 ۱۱) وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ پارہ ۲۹ رکوع ۲۱ سورہ المرسلات جلا میں ص ۲۸۵  
 ۱۲) وَنُفِثَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا پارہ ۳ رکوع ۷ سورہ النبأ جلا میں ص ۲۸۷  
 ۱۳) وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ پارہ ۳ رکوع ۷ سورہ التکوین جلا میں ص ۲۹۱
- تشریح تعارض | پہلی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن آسمانوں کو



لیٹ دیا جائے گا اور آیت نمبر ۲ تا ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا استفاق و انفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں اور آیت نمبر ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان قیامت کے دن حرکت کرے گا تھر تھرائے گا (مار میور موراً تھر تھرانا، آگے پیچھے تیزی سے ہلنا حرکت کرنا) اور آیت نمبر ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان مہل (تیل کی تلچھٹ) کی طرح ہو جائے گا اور آیت نمبر ۱۱ و ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو کھول دیا جائے گا اس کے دروازے کھل جائیں گے اور آیت نمبر ۱۳ میں ہے کہ آسمانوں کو کھینچ لیا جائے گا جس طرح بکری کی کھال کھینچ لی جاتی ہے پھر آیت نمبر ۱۴ میں کا لبدھان فرمایا کہ آسمان کا رنگ سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا دھان کے معنی حضرت ابن عباس نے اِدِیمِ اَحْمَر کے بیان کئے ہیں جیسا کہ روح المعانی میں مذکور ہے اور آیت نمبر ۱۵ میں کا لمہل فرمایا کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ ہو جائے گا اس طرح ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

**رفع تعارض** | اس سلسلہ میں مختلف تفاسیر دیکھنے سے جو تطبیق سمجھ میں آتی ہے وہ یہ

ہے کہ قیامت کے روز آسمان پر مختلف احوال و تغیرات طاری ہوں گے اولاً تو آسمان جہنم کی حرارت سے سرخ ہو جائے گا یا حق تعالیٰ کے غضب کے اثر سے سرخ ہوگا کیونکہ غضب میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اس کو فرمایا فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ اور شدتِ حرمت سے سواد کے مشابہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا یوم تکون السماء کالمہل کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ ہو جائے گا یا یکے بعد دیگرے رنگ بدلے گا جیسا کہ ابن کثیر نے حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے تَتَلَوْنَ الْوَانَاً مطلب یہ ہے کہ اولاً جہنم کی حرارت سے وہ سرخ ہوگا پھر حرارت کی شدت سے گھلے ہوئے تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ رنگ ہو جائے گا

بہر حال اولاً آسمان سرخ و سیاہ ہوگا اس کے بعد حرکت کرے گا تھر تھرائے گا جس کو فرمایا یوم تمور السماء موراً اس کے بعد پھٹ جائے گا اس کو فرمایا اذا السماء انفطرت وغیرہ اور آسمانوں کا پھٹنا ان کو فنا کرنے کیلئے ہوگا یعنی آسمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے

۱۰ کما فی روح المعانی ص ۱۱۴ و ابن کثیر ص ۲۴۹ ۱۱ بیان القرآن ص ۱۰۱ بیان القرآن ص ۱۰۱



کر کے فنا کر دیا جائے گا پہلی دو آیتوں میں آسمانوں کو لپیٹنے سے مراد بھی فنا کرنا ہی ہے حضرت حسنؑ سے علیؑ کی تفسیر انفار و ازالہ کے ساتھ منقول ہے محاورہ میں کہا جاتا ہے اَطْوَعْنِي بِذَلِكَ الْحَدِيثِ مجھ سے اس بات کو لپیٹ دے یعنی بات ختم کر دے یہ سب کچھ نفخہ اولیٰ کے وقت ہوگا اس کے بعد تمام آسمانوں اور زمینوں کو پھر درست کر دیا جائے گا اس کے بعد آسمان کو کھول دیا جائے گا جیسے پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اس کو فرمایا وَاذَا السَّمَاءُ فُرُجَتْ اور فَتُحْتِ السَّمَاءُ اور اِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ کہ جس طرح بکری کی کھال اتار دی جاتی ہے اندر کا گوشت وغیرہ نظر آ جاتا ہے اسی طرح آسمان کو کھول دیا جائے گا اس سے اوپر کی اشیاء نظر آنے لگیں گی اس سے ملائکہ کا نزول ہوگا پھر غمام یعنی سفید بادل نازل ہوگا جس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی جس کو آیت نمبر ۱۷ یَوْمَ تَشْهَقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِلَ الْمَلَكُ تَنْزِيلًا میں بیان کیا گیا ہے اس آیت میں تشہق سے مراد کھلنا ہے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مراد نہیں ہے اس تقریر کے بعد تمام آیات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ علیٰ سموات اور کالدہان کی اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں مگر تمام تفاسیر کا احاطہ کرنا ہمارے موضوع سخن سے خارج ہے فاخذنا منها ما یفیدنا لرفع التعارض و حصول التعلیق واللہ اعلم

## زلزلہ قیامت کے وقت لوگوں پر نشہ طاری ہوگا یا نہیں؟

### پارا نمبر ۱۷

آیت ۱) وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى ۝ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ پارہ ۱۷ رکوع ۸ سورہ الحجہ جلاہن ص ۲۷۸

تشریح تعارض | اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب قیامت کے زلزلہ آئے گا تو لوگوں کو تو اس وقت نشہ کی حالت میں دیکھے گا اور وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے پس اس

۱۷ روح المعانی ص ۱۷۹۔ بیان القرآن پ ۱۹



آیت کے جزاوں میں سُکر (نشہ) کا اثبات اور جز ثانی میں سُکر کی نفی ہے پس آیت کے جز اول اور جز ثانی میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** | اثبات و نفی کی جہت مختلف ہے سُکر کا اثبات علی سبیل التثبیہ ہے اور نفی علی سبیل الحقیقتہ ہے یعنی لوگوں پر اللہ کے عذاب کی دہشت استقدر طاری ہوگی کہ ان کے ہوش اڑ جائیں گے عقلیں خراب ہو جائیں گی ایسا محسوس ہوگا کہ ان پر نشہ طاری ہو گیا ہے حالانکہ وہ لوگ کسی سُکر (نشہ آور) چیز شراب وغیرہ کے پینے کی وجہ سے حقیقتہً نشہ میں نہیں ہوں گے حضرت حسنؓ سے مروی ہے تری الناس بسکارتی من الخوف و ماہم بسکارتی من الشراب اور اختلاف جہت کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا،  
(مدارک و خازن)

## قیامت کے دن کی مقدار ایک ہزار سال ہے یا پچاس ہزار سال؟

پارا نمبر ۱۷ و ۲۱ و ۲۹

**آیات** | ① وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ پارہ ۱۷ رکوع ۱۳  
سورہ الحج جلاہن ص ۲۸۳ ② يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ پارہ ۲۱ رکوع ۱۲ سورہ السجدة جلاہن ص ۳۲۹ ③ تَخْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ پارہ ۲۹ رکوع ۷ سورہ المعارج جلاہن ص ۴۷۳

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور آیت نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال ہے پس ان آیات میں تعارض ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کے چار جوابات ہیں



① اختلافِ اشخاص پر محمول ہے یعنی کفر و معاصی اور اعمال کے شدت و ضعف اور قلت و کثرت کے اعتبار سے وہ دن طول و قصر اور شدت و خفیت میں مختلف ہوگا کفار میں سے جو لوگ بڑے مجرم ہوں گے ان کو پچاس ہزار سال کا اور اس سے کم درجہ کے مجرمین کو ایک ہزار سال کا محسوس ہوگا، حتیٰ کہ مؤمنین کو یہ دن نہایت مختصر اور خفیف محسوس ہوگا پھر مؤمنین کے حق میں بھی مختلف ہوگا بعض کو تو جتنے وقت میں ایک فرض نماز ادا کی جاتی ہے اس سے بھی کم اور خفیف معلوم ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے،

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کس قدر طویل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ دن مؤمن پر ہلکا ہوگا یہاں تک کہ (جتنے وقت میں) آدمی دنیا میں ایک فرض نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ

عن ابی سعید الخدری قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یوم کان مقدراً خمسين الف سنة ما اطول هذا الیوم فقال والذی نفسی بیدہ انه لیخفف علی المؤمن حتی یكون اھون من الصلوة المكتوبة یصلیھا فی الدنیا رواہ احمد وابن حبان والبیہقی وابن جریر والبیہقی (روح المعانی و تفسیر منظری)

ہلکا اور آسان ہوگا اور بعض کو مابین الظہر والعصر کے بقدر محسوس ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت ہے کہ وہ دن مؤمنین پر اتنا ہوگا جتنا وقت ظہر و عصر کے درمیان ہوتا ہے

عن ابی ہریرۃ مرفوعاً و موقوفاً یكون علی المؤمنین کمقدار ما بین الظہر والعصر (اخرجہ الحاکم والبیہقی) منظری

بہر حال یہ تفاوت اختلافِ اشخاص پر محمول ہے ولا تعارض بعد اختلافِ الاشخاص (منظری و روح المعانی وغیرہ)

② اختلافِ مکان پر محمول ہے کہ جس طرح دنیا میں بعض علاقوں میں دن بڑا اور بعض



مقامات میں چھوٹا ہوتا ہے اختلافِ آفاق سے تفاوت ہوتا رہتا ہے اسی طرح قیامت کا دن میدانِ محشر کے بعض حصوں میں طویل یعنی پچاس ہزار سال کا اور بعض مقامات میں ایک ہزار سال کا ہوگا آیات میں اقل و اکثر کو بیان کر دیا گیا درمیان کے تفاوت کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے سمجھ لیا جائے (بیان القرآن)

۳) یومِ آخرت ایامِ کثیرہ پر مشتمل ہوگا ان ایام میں کوئی دن پچاس ہزار سال کا اور کوئی ایک ہزار سال کا ہوگا لہذا کوئی تعارض نہیں، (حاشیہ جلالین)

۴) ان آیات میں یوم سے مراد یومِ قیامت نہیں ہے بلکہ آیت نمبر ۱ میں تو مطلق یومِ عذاب مراد ہے کہ آخرت میں عذابِ جہنم کے ایام میں سے ایک ایک دن اہل جہنم کو شدید و طویل محسوس ہوگا ایک ایک دن کو وہ لوگ ایسا سمجھیں گے کہ ایک ہزار سال کا زمانہ گزر گیا ہے کیونکہ ایامِ راحت مختصر اور ایامِ مصیبت طویل محسوس ہوا کرتے ہیں (روح المعانی)

ایامِ مصیبت کے کاٹے نہیں کٹتے  
دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

اور دوسری آیت میں آسمان سے زمین تک حضراتِ ملائکہ کی آمد و رفت کا دن مراد ہے یعنی حضراتِ ملائکہ کائنات کے انتظامی امور کو لیکر آسمان سے زمین تک تشریف لاتے ہیں پھر زمین سے آسمانوں پر واپس چلے جاتے ہیں اور یہ آمد و رفت ایک دن میں ہو جاتی ہے ورنہ تو آسمان و زمین کے مابین پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اگر فرشتہ کے علاوہ بنی آدم میں سے کوئی یہ مسافت طے کرنا چاہے تو ایک ہزار سال کے عرصہ میں طے ہوگی اور تیسری آیت میں زمین سے لیکر سدرة المنتہیٰ تک کی مسافت کا بیان ہے، زمین سے سدرة المنتہیٰ تک آمد و رفت کا زمانہ پچاس ہزار سال ہے مگر فرشتہ ایک دن میں آمد و رفت کرتے ہیں یہ تفسیر حضرت مجاہد، قتادہ، ضحاک سے منقول ہے تینوں آیات کی مذکورہ تفسیر پر ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کما لایحییٰ (حاشیہ جلالین، تفسیر خازن، روح المعانی)



## تمام ملائکہ کو رسول بنایا گیا ہے یا بعض کو؟

### پارا ۱۷ نمبر ۱ و ۲

آیات ۱ | ۱) اللَّهُ يُصْطَفِيْ مِنْ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ۙ پارہ ۱۷ رکوع ۱۷ سورہ الحج  
جلالین ۲۸۶ ● ۲) الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

پارہ ۲۲۷ رکوع ۱۷ سورہ فاطر جلالین ۳۶۴

تشریح تعارض پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ میں سے رسولوں کو منتخب کر لیتے ہیں من بعضیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملائکہ کو رسول بنایا گیا ہے تمام کو نہیں اور دوسری آیت میں من بعضیہ نہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو رسول بنایا ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے ،  
دفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں ،

① آیت اولیٰ میں رُسُلًا الیٰ بنی آدم مراد ہیں اور دوسری آیت میں ملائکہ کو آپس میں ایک کو دوسرے کی طرف رسول بنا نامراد ہے یعنی حق تعالیٰ نے انسانوں کی طرف تو بعض ملائکہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ اکابر ملائکہ ہیں جیسے حضرت جبریل ، میکائیل ، اسرافیل ، عزرائیل اور حفظہ کرام علیہم السلام اور خود آپس میں تمام ملائکہ کو ایک دوسرے کی طرف رسول بنائے گئے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ دوسرے کو اللہ کا کوئی نہ کوئی پیغام پہنچاتا رہتا ہے فلا تعارض بینہما ،  
(تفسیر کبیر و صاوی)

② دوسری آیت میں رُسُلًا سے مراد رُسُلًا الیٰ الانبیاء ہے اور ملائکہ سے مراد بعض ملائکہ ہیں ، اس لئے کہ انبیاء کی طرف تمام ملائکہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بعض ملائکہ مراد لینے کی صورت میں یہ آیت آیت اولیٰ کے معارض نہیں رہی (جمل)



## قوم عاد پر کونسا عذاب آیا؟

پارہ ۱۸ء و ۲۳ء و ۲۶ء و ۲۷ء و ۲۹ء

- آیات** ۱) فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ عِتَاءً فَبَعَدَ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ  
 پارہ ۱۸ء رکوع ۳ سورہ المؤمنون جلاہین ص ۲۸۹ ● ۲) فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً  
 مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثُودٍ پارہ ۲۲ء رکوع ۱۶ سورہ حم سجدة (فصلت) جلاہین ص ۳۹۶  
 ۳) فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ مَّحْسُوتٍ پارہ ۲۲ء رکوع ۱۶ سورہ  
 حم سجدة (فصلت) جلاہین ص ۳۹۸ ۴) بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا  
 عَذَابٌ أَلِيمٌ پارہ ۲۶ء رکوع ۳ سورہ الاحقاف جلاہین ص ۲۱۸ ۵) وَفِي عَادٍ  
 إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ پارہ ۲۷ء رکوع ۱ سورہ الذاریات جلاہین  
 ص ۲۳۲ ۶) إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ پارہ ۲۷ء  
 رکوع ۸ سورہ القمر جلاہین ص ۲۲۱ ۷) وَأَمَّا عَادُ فَاصْبُرُوا لِرِيحِ صَرْصَرٍ  
 عَاتِيَةٍ پارہ ۲۹ء رکوع ۵ سورہ الحاقة جلاہین ص ۲۷۱

**تشریح متعارض** | یہ آیات قوم عاد پر آنیوالے عذاب سے متعلق ہیں پہلی آیت  
 کے سیاق و سباق میں اگرچہ قوم عاد کی تشریح نہیں ہے بلکہ صرف ثَمَّ النَّاسِ تَانَمِنْ بَعْدِهِمْ  
 قَرْنَا أَخْرَيْنَ کہا گیا ہے مگر حضرت ابن عباسؓ اور اکثر حضرات نے قرنِ آخرین کی تفسیر قوم عاد  
 کے ساتھ کی ہے تاہم اس کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرنِ آخرین کا ذکر حضرت نوحؑ  
 کے بعد ہوا ہے اور سورہ اعراف سورہ ہود سورہ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد  
 حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سورہ مؤمنون  
 میں بھی قرنِ آخرین کا مصداق حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد ہے اور بعد کی چھ  
 آیات میں تو قوم عاد کی تشریح ہے اس طرح یہ سب آیات قوم عاد سے متعلق ہیں مگر قوم عاد  
 کو جس عذاب سے ہلاک کیا گیا اس کے بیان میں آیت بظاہر متعارض ہیں چنانچہ پہلی آیت



سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح یعنی صبح سے ہلاک کیا گیا اور دوسری آیت میں صبا عتقہ یعنی بجلی کا ذکر ہے اور اس کے بعد کی پانچ آیات میں ہے کہ ریح (ہوا اور آندھی) سے ہلاک کیا گیا کسی آیت میں مطلق ریح اور کسی میں ریحِ فَرَصْر (تیز آندھی) کسی میں ریحِ عَتِیم (باجھ ہوا) یعنی خیر و برکت سے خالی ہو کسی میں ریحِ عاتِیہ (حد سے تجاوز کرنے والی آندھی) کا ذکر ہے اس طرح ان آیات میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① اصل عذاب تو آندھی کا آیا تھا مگر اس کو پہلی دو آیتوں میں صبح اور صاعقہ سے تعبیر کر دیا گیا اس اعتبار سے کہ صبح سے مطلق عقوبت ہاں کہ مراد ہے اور صاعقہ کے معنی بھی لغت میں مطلق عذاب کے آتے ہیں جیسا کہ قوم ثمود کے عذاب کے متعلق دفع تعارض کے ذیل میں گذر چکا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے (حاشیہ جلالین)

② حضرت جبریل علیہ السلام کی پیچ اور تیز آندھی دونوں سے ہلاک کیا گیا اور صاعقہ بمعنی عذاب ہے فلا تعارض (حاشیہ جلالین)

**قیامت کے دن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے یا نہیں؟**

**پارا ۱۸، ۲۳ و ۲۶**

**آیات** ① **فَلَا انْصَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ** پارہ ۱۸، رکوع ۷ سورہ المؤمنون جلالین ۲۹۳ ② **وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ** پارہ ۲۳، رکوع ۷ سورہ صفت جلالین ۳۴۴ ③ **فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ** پارہ ۲۳، رکوع ۷ سورہ صفت جلالین ۳۴۵ ④ **وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ** پارہ ۲۶، رکوع ۳ سورہ الطور جلالین ۴۳۶

**تشریح تعارض** | پہلی آیت میں تساؤل کی نفی ہے کہ قیامت کے روز لوگ آپس میں



ایک دوسرے سے کوئی سوال نہیں کریں گے اور اخیر کی تین آیات میں تساؤل کا اثبات ہے  
کہ سوال کریں گے پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے ،  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں ،

① اختلافِ احوال و امکانہ پر محمول ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ قیامت کے  
مختلف احوال و متعدد مواضع ہوں گے بعض مواضع میں لوگوں پر خوف اور گھبراہٹ طاری ہوگی  
ہر شخص کو اپنی اپنی پڑھی ہوگی نفسی نفسی کا عالم ہوگا کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی سوال  
اور بات چیت نہیں کرے گا پھر دوسرے بعض مواضع میں لوگوں کو کچھ افاقہ ہوگا گھبراہٹ دور  
ہوگی تو ایک دوسرے سے بات چیت اور سوالات کریں گے و لا تعارض بعد اختلاف الاحوال  
والامکنۃ (حاشیہ جلاہین)

② اختلافِ زمان پر محمول ہے کہ نفی تساؤل نفی اولیٰ کے وقت ہے جس وقت زمین پر کوئی  
باقی نہیں رہے گا اور اثبات نفی ثانیہ میں ہے کہ جب لوگ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں جمع  
ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنا چھ کریں گے یہ توجیہ بھی ایک جماعت نے  
حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے (روح المعانی)

③ نفی تساؤل عن الانساب کی ہے اور اثبات دوسری چیزوں کے متعلق تساؤل کا ہے  
یعنی یہ کفار قیامت کے دن آپس میں ایک دوسرے سے نسب کے متعلق تو کوئی سوال نہیں  
کریں گے کہ تو کس خاندان اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اور تو کس قبیلہ سے؟ اس لئے کہ  
انساب سے اس دن کوئی نفع نہیں پہنچے گا البتہ دیگر امور کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھ  
تاچھ کریں گے پس جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں  
لہذا کوئی تعارض نہیں ہے ، (روح المعانی)

مذکورہ تینوں جوابات پہلی دو آیتوں کے تعارض کے ہیں جو کفار سے متعلق ہیں اور اخیر  
کی دونوں آیتیں چونکہ اہل جنت سے متعلق ہیں جیسا کہ ان کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے



اس لئے پہلی آیت اور ان دونوں آیتوں کا تعارض اختلاف اشخاص کی وجہ سے مرتفع ہو جائے گا کہ کفار تو سوال نہیں کریں گے البتہ اہل جنت سوال کریں گے،

## زوانی سے عفاف کا نکاح حلال ہے یا حرام؟

### پارا ۱۸

آیات ۱) الذَّانِي لَا يَنْكِهُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحَرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ پارہ ۱۸ رکوع ۷ سورہ النور جلاہین ص ۲۹۷

۲) وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ پارہ ۱۸ رکوع ۸ سورہ النور جلاہین ص ۲۹۸

**تشریح تعارض** | پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ زانی نہیں نکاح کرتا ہے مگر زانیہ یا مشرک سے اور زانیہ سے نہیں نکاح کرتا ہے مگر زانی یا مشرک اور زوانی سے نکاح کرنا مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک صالح اور عقیف مرد و عورت کا نکاح زانی اور زانیہ سے حرام ہے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ایامی (یعنی بے نکاحوں) کا نکاح کرا دو یہ حکم مطلق ہے اس میں زوانی و عفاف کی کوئی قید نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی کا عقیف سے اور عقیف کا زانیہ سے نکاح درست ہے پس ان دونوں بظاہر تعارض کا **رفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں

۱) پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے ابتداءً عفاف کا نکاح زوانی سے حرام تھا پھر یہ حرمت منسوخ ہو گئی اور مطلق حکم نازل فرما دیا وانکحوا الایامی منکم ولا تعارض بعد النسخ (جلاہین وغیرہ)

۲) آیت اولیٰ کا مطلب یہ ہے کہ زوانی عفاف کا کفو نہیں ہیں، زوانی سے عفاف

۱۸ ایامی ایتم کی جمع ہے بمعنی بے نکاح مرد و عورت، کنوارا کنواری، رانڈ۔ سورہ ۱۲



کا نکاح درست تو ہو جائے گا مگر غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے غیر مناسب رہے گا اور حرم  
ذکر علی المؤمنین میں ذلک سے اشارہ زنا اور شرک کی طرف ہے نہ کہ نکاح زوانی کی طرف  
مطلب یہ ہے کہ زنا کرنا اور شرک کرنا مؤمنین پر حرام کر دیا گیا ہے پس یہ آیت حرمت نکاح  
زوانی پر دال ہی نہیں ہے لہذا یہ دوسری آیت کے معارض نہیں ہے، (الفوز الکبیر)  
آیت اولیٰ میں نکاح زوانی کی حرمت سب کے حق میں عام نہیں ہے بلکہ یہ ان فقراء  
مہاجرین کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے مکہ میں رہنے والی مالدار مشرکہ زنیوں سے نکاح کرنے  
کی خواہش کی تھی حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کیلئے خاص طور سے ان زنیوں سے نکاح  
کرنا حرام کر دیا تھا حضرت سعید بن جبیر سے یہی منقول ہے یہی حضرت مجاہد عطار زہری اشعری اور  
تادہ کا قول ہے جب یہ آیت ان کے حق میں مخصوص ہو گئی اور دوسری آیت ان کے علاوہ دیگر  
تمام لوگوں کے متعلق ہے تو اختلاف اشخاص کی وجہ سے تعارض نہیں رہا (کمالین بحوالہ حاشیہ جلائین)

**شیاطین ملائکہ کا کلام سن لیتے ہیں یا نہیں؟**

**پارا ۱۹**

آیات ۱) اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ پارہ ۱۹ رکوع ۱۵ سورہ الشعراء  
جلائین ص ۳۱۶ ● ۲) يُلْقُونَ السَّمْعَ وَاكْثُرُ هُمْ كَاذِبُونَ پارہ ۱۹ رکوع ۱۵ سورہ  
الشعراء جلائین ص ۳۱۶ ،

**تشریح تعارض** پہلی آیت میں انہم کی ضمیر شیاطین کی طرف راجع ہے مطلب یہ  
ہے کہ یہ شیاطین ملائکہ کا کلام سننے سے محروم کر دئے گئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین  
ملائکہ کا کلام نہیں سنتے ہیں اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ یہ شیاطین ملائکہ سے سنی  
ہوئی باتوں کو کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین کلام ملائکہ سنتے ہیں پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،



## دفع تعارض | اس تعارض کے تین جواب ہیں

① حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت سے قبل شیاطین آسمانوں تک چلے جاتے تھے اور ملائکہ ان امور و حوادث کے بارے میں جو مستقبل میں رونما ہونے والے ہیں جو کچھ گفتگو آپس میں کرتے ہوتے تھے یہ شیاطین ان کی گفتگو کو سن لیتے اور اس میں بہت سی باتیں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر کاہنوں اور نجومیوں کے کانوں میں ڈال دیا کرتے تھے پھر وہ کاہن لوگ ان امور کے متعلق لوگوں کو خبر دیتے تھے مثلاً فلاں دن بارش آئے گی زلزلہ آئے گا وغیرہ وغیرہ ان میں سے بعض باتیں صادق آجاتی تھیں اور بہت سی جھوٹی ثابت ہوتی تھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت کے بعد شیاطین کو آسمان پر جانے اور ملائکہ کا کلام سننے سے روک دیا گیا جب کوئی شیطان اوپر جاتا ہے تو شہاب ثاقب اس کے مار دیا جاتا ہے جس سے وہ یا تو ہلاک ہو جاتا ہے یا زخمی اور پاگل ہو جاتا ہے پس دوسری آیت جس میں سماع کا اثبات ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا بعثت سے قبل پر محمول ہے اور پہلی آیت جس میں سماع کی نفی ہے وہ آپ کی ولادت یا بعثت کے بعد پر محمول ہے وَا  
تعارض بعد اختلاف الزمان (جلائین و صاوی)

② پہلی آیت میں سمع سے مراد ملائکہ کی پوری گفتگو کو مکمل اچھی طرح اطمینان سے سننا ہے کہ شیاطین ملائکہ کا پورا کلام اچھی طرح اطمینان سے نہیں سن پاتے ہیں اور دوسری آیت میں سمع سے مراد جلدی سے چوری چھپے کسی بات کو اچکتے ہوئے سن لیتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے سورہ حجر میں فرمایا، اَلَا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ اسْتَرَقَ سمع کے معنی چوری چھپے سن لینا اور سورہ صافات میں ارشاد ہے، اَلَا مَنِ خَطَفَ الْخُطْفَةَ فَاَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ خطف کے معنی جلدی سے اچک لینا چھین لینا، یعنی یہ شیاطین آسمانوں پر جاتے ہیں تو ان کو شہاب ثاقب (ستارہ) کے ذریعہ بھگا دیا جاتا ہے وہ اتنی دیر میں چوری چھپے کچھ گفتگو اچکتے ہوئے سن لیتے ہیں اسی کو کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے



ہیں پس پہلی آیت میں نفی سماع کا ل کی ہے اور دوسری آیت میں اثبات سماع ناقص کا ہے  
لہذا کوئی تعارض نہیں (تفسیر خازن وغیرہ)

③ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آیت اولیٰ میں سماعِ علوم کلیہ متعلقہ باصلاحِ المخلوق  
کی نفی ہے اور دوسری آیت میں اخبارِ جزئیہ غیر متعلقہ باصلاح کے ادراک کا اثبات ہے  
یعنی یہ شیاطین ان معلومات کلیہ کو سننے سے مجرب و محروم ہیں جو مخلوق کی اصلاح سے متعلق ہیں  
البتہ امورِ جزئیہ کی خبریں جن کا مخلوق کی اصلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کو معلوم ہو جاتی  
ہیں جس کی نفی اس کا اثبات نہیں اور جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں فلا تعارض (بیان القرآن)

### حضرت سلیمانؑ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے یا خیر پرندوں کی بھی؟

#### پارہ نمبر ۱۹

آیات ① وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ

پارہ ۱۹ رکوع ۱۷ سورہ النمل جلا لیں ۳۱۸ (۲) قَالَتْ نَمَلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ  
ادْخُلُوا مَسَاكِنِكُمْ لَّا يَحِطُّ بِكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فَتَبَسَّ

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا پارہ ۱۹ رکوع ۱۷ سورہ النمل جلا لیں ۳۱۸

تشریح تعارض | آیت اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام

کو پرندوں کی بولی سکھا دی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے اور دوسری

آیت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بات سن کر ہنسی آگئی تھی جب حضرت

سلیمان علیہ السلام کا عظیم شکر طائف یا شام میں چیونٹیوں کی وادی پر سے گذرا تو ایک چیونٹی

نے جو تمام چیونٹیوں کی ملکہ اور رانی تھی اپنی رعایا کو خطاب کرتے ہوئے تنبیہ کیا یا ایہا

النمل ادخلوا مساکنکم لَّا يحطُّ بکم سليمان و جنودہ و هم لا يشعرون

کہ اے چیونٹیو تم سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر چلا



آ رہا ہے کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکرِ علمی کی حالت میں تم کو اپنے پاؤں سے کچل نہ ڈالیں  
حضرت سلیمانؑ نے چیونٹی کی یہ بات سنی اور اس کی عقل و دانش پر تعجب کرتے ہوئے مسکرانے  
لگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ غیر پرندوں کی بولی بھی سمجھ جاتے تھے کیونکہ چیونٹی پرندہ  
نہیں ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** [ اس تعارض کے چار جواب ہیں،

① یہ چیونٹی ذات جنابین (دو پیروں والی) تھی جیسا کہ امام شعبی اور حضرت قتادہ سے منقول ہے

اس اعتبار سے اس کا شمار بھی پرندوں میں ہو جائے گا بہت سی چیونٹیوں کے پر نکل آتے ہیں  
جن سے وہ اڑتی ہیں اب یہ آیت پہلی آیت کے معارض نہیں رہی (روح المعانی)

② حضرت سلیمان علیہ السلام اکثر و بیشتر تو پرندوں کی بولی سمجھتے تھے لیکن کبھی کبھی غیر پرندہ  
کی بولی بھی سمجھ جاتے تھے پہلی آیت میں غیر پرندہ کی بولی سمجھ جانے کی نفی نہیں ہے کسی شے  
کا اثبات ماعدہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ہے پس عَلِمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر طیر  
کی بولی کبھی سمجھتے نہیں تھے لہذا اس آیت کا آیتِ اولیٰ سے کوئی تعارض نہیں (روح المعانی)

③ چیونٹی کو حق تعالیٰ نے انسانی گویائی عطا فرمادی تھی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام  
کے لئے معجزہ تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک گوہ کو حق تعالیٰ نے  
تکلم عطا فرمادیا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی تھی،  
پس آیت ثانیہ میں یہ مراد نہیں ہے کہ چیونٹی اپنی بولی بول رہی تھی اور حضرت سلیمانؑ اس  
کو سمجھ گئے بلکہ انسانی بولی بولنے کی وجہ سے اس کی بات سمجھ میں آگئی تھی (روح المعانی)

④ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی کوئی آواز نہیں سنی تھی بلکہ حق تعالیٰ نے چیونٹی کی  
بات کا علم ان کو یا تو بطور الہام کے یا بقول علامہ کلبی فرشتہ کے ذریعہ عطا فرمادیا تھا لہذا آیت  
ثانیہ سے نملہ کی بولی کا سمجھنا لازم نہیں آتا، فلا تعارض بینہما (روح المعانی)



## نفسِ اولیٰ کی موت لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی یا موت؟

پارا نمبر ۲۰ و ۲۲

آیات ۱) **وَلْيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ نَفْعُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ** پارہ ۲۲  
 رکوع ۲ سورہ النحل جلاہن ۳۲۵ ● (۲) **وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ**

مَنْ فِي الْأَرْضِ پارہ ۲۲ رکوع ۲ سورہ الزمر جلاہن ص ۳۹۰

**تشریح تعارض** آیت نمبر ۱ میں **نُفِخَ** فرمایا **نَفْعُ** کے معنی خوف اور گھبراہٹ کے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ **نَفْعُ** اولیٰ کے وقت تمام مخلوق پر گھبراہٹ اور خوف طاری ہو جائے گا اور دوسری آیت میں **فَصَعِقَ** ہے **صَعِقَ** کے معنی سیہوشی اور موت کے آتے ہیں صاحب جلاہن نے اس کی تفسیر **مَاتَ** کے ساتھ کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ **نَفْعُ** اولیٰ کے وقت تمام مخلوق پر موت طاری ہو جائے گی پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے

**رفع تعارض** اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً خوف طاری ہوگا پھر یہ خوف موت تک مفی ہو جائے گا اور سب مر جائیں گے آیت اولیٰ میں اولیٰ حالت اور دوسری آیت میں آخر حالت کو بیان کیا گیا ہے لہذا کوئی تعارض نہیں، (جلاہن)

## حضرت موسیٰ کو دردِ بایں ڈالتے وقت ان کی والدہ پر خوف کا اثبات دینی؟

پارا نمبر ۲۰

آیت ۱) **فَإِذَا اخْفَتُ عَلَيْهِ فَالْقَيْهِ فِي الْيَمِّ** ● **وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي** پارہ ۲۲  
 رکوع ۲ سورہ القصص جلاہن ص ۳۲۶

**تشریح تعارض** اس آیت کے اول و آخر میں تعارض ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اس زمانہ میں فرعون بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کر رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خوف ہوا تو حق تعالیٰ نے ان کو الہام کیا کہ تم اس بچہ کو دودھ پلاتی رہو جب تم کو اس



بچہ پر خوف ہو تو اس کو (تابوت میں بند کر کے) دریائے نیل میں ڈال دینا اور خوف و غم نہ کرنا اس آیت کے حصہ اولیٰ یعنی فَاِذَا خِفْتُمْ مِّنْ خَوْفِ كَاتِبَاتٍ اور دوسرے حصہ میں وَلَا تَخَافُ كِتَابًا کہہ کر خوف کی نفی ہے پس آیت کے اول و آخر میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اثبات قتل کے خوف کا ہے اور نفی غرق کے خوف کی ہے کہ اگر تم کو فرعون کی جانب سے اس بچہ کے قتل کا خوف ہو تو دریائے نیل میں ڈال دینا اور اس کے غرق ہونے کا خوف نہ کرنا ہم اس کی حفاظت کریں گے لہذا کوئی تعارض نہیں (جمل)

### رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

پارا ۲۰، ۲۱، ۲۵

**آیات** ① اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ پارہ ۲  
رکوع ۹ سورہ القصص جلاین ص ۳۳۲ ② وَمَا اَنْتَ بِهٰدِي الْعَمٰی عَنْ ضَلٰلٰتِهِمْ  
پارہ ۲۱ رکوع سورہ الروم جلاین ص ۳۲۵ ③ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰی صِرٰطٍ مُّسْتَقِيْمٍ  
پارہ ۲۵ رکوع ۶ سورہ الشوریٰ جلاین ص ۲۰۵

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ و ۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت دینے کی نفی کی گئی ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے نیز آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت نہیں دے سکتے اور آیت نمبر ۳ میں ہدایت دینے کا اثبات ہے کہ آپ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں پس ان آیات میں بظاہر تعارض ہے،

**دفع تعارض** | ہدایت کے دو معنی آتے ہیں ایک ایصال الی المطلوب مقصود تک پہنچا دینا جس کو خلق اہتدار (ہدایت پیدا کر دینا) سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے ارادۃ الطریق صرف راستہ دکھا دینا خواہ مطلوب تک رسائی ہو یا نہ ہو پہلی دو آیتوں میں نفی ہدایت بمعنی اول (خلق اہتدار) کی ہے اور آیت نمبر ۳ میں اثبات ہدایت بالمعنی الثانی (ارادۃ الطریق) کا ہے



مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے قلوب میں ہدایت پیدا نہیں کر سکتے ان کو مطلوب تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ آپ تو صرف سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں ہدایت پیدا کرنا ہمارا کام ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (صاوی)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ازواجِ مطہرات کے وہ مزید عورتوں سے نکاح کرنا حلال تھا نہیں؟

### پارہ ۲۲

**آیات ۱** يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أُجْرَهُنَّ الْآيَةُ  
پارہ ۲۲ رکوع ۳ سورہ الاحزاب جلاہن ۳۵۶ ۲ لا یجلیٰ لک النساء  
من بعد ولا ان تبدل بہن من ازواج پارہ ۲۲ رکوع ۳ سورہ الاحزاب جلاہن ۳۵۶  
**تشریح تعارض** آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کیلئے وہ عورتیں حلال کر دی ہیں جن کو ان کے مہر دے کر اپنے نکاح میں لائیں اس میں کوئی تعداد مذکور نہیں ہے کہ کتنی عورتیں حلال ہیں بلکہ جتنی عورتوں سے چاہیں آپ شادی کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نکاح میں جو نو ازواجِ مطہرات تھیں ان کے علاوہ اور دیگر عورتوں سے نکاح کرنا بھی آپ کیلئے حلال تھا اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ آپ کیلئے موجودہ نو ازواجِ مطہرات کے بعد کسی عورت سے نکاح حلال نہیں اور نہ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کے بدلہ میں دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے،

**رفع تعارض** اس تعارض کے تین جواب ہیں،

**۱** آیت اولیٰ ناسخ اور آیت ثانیہ منسوخ ہے ابتداءً آپ کیلئے ازواجِ مطہرات تسعہ کے علاوہ کسی عورت سے نکاح حلال نہیں تھا اور نہ تبدیلی حلال تھی پھر حق تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ

۱ حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیقؓ، حضرت حفصہ بنت عمرؓ، حضرت ام حبیبہؓ رملہ بنت ابی سفیانؓ،  
حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ المخزومیہؓ، حضرت سودہ بنت زینب العامریہؓ، حضرت زینب بنت جحش الاسدیہؓ، حضرت سمیونہ بنت الحارث الہملالیہؓ، حضرت صفیہ بنت حبیب بن اخطب الخزیمیہؓ، حضرت جویریہ بنت الحارث الخزیمیہؓ المصطلقیہؓ ۱۲



نازل فرما کر یہ ممانعت منسوخ فرمادی اور جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کرنے کی اجازت دیدی، حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ام سلمہؓ اور امام ضحاکؒ نسخ ہی کے قائل ہیں حضرت عائشہؓ سے بھی یہی مروی ہے البتہ نسخ کی تعیین میں اختلاف ہے یا تو نسخ ہی آیت اَنَا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الْاِذْ ہے یا تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتَوَوَّىٰ إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ الْاِذْ یعنی تطلق من تشاء منهن وتمسك من تشاء یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور حضرت حسن سے مروی ہے قول اخیر کی تائید حضرت عائشہؓ کی ایک روایت صحیحہ سے ہوتی ہے

حضرت عائشہؓ نے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کیلئے حلال کر دیا کہ محرم عورتوں کے علاوہ جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کر لیں حق تعالیٰ کے ارشاد تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتَوَوَّىٰ إِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ الْاِذْ کی وجہ سے،

عن عائشة رضي قالت لم يمت رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى احل الله تعالى له ان يتزوج من النساء ما شاء الا ذات محرم لقوله سبحانه ترجي من تشاء منهن وتووى اليك من تشاء (رواه ابوداؤد في ناسخ والترمذي وصحح والنسائي والحاكم وصححه ايضا وابن المنذر وغيرهم (روح المعاني ص ۶۶)

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نسخ کا منسوخ سے مؤخر ہونا ضروری ہے اور یہاں نسخ (خواہ اَنَا أَحْلَلْنَا لَكَ الْاِذْ ہو یا تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ الْاِذْ ہو) مقدم ہے منسوخ پر اس لئے کہ نسخ کا نزول کے اعتبار سے منسوخ سے مؤخر ہونا ضروری ہے تلاوت کے اعتبار سے نسخ مقدم ہو سکتا ہے قرآن پاک میں ترتیب تلاوت کے اعتبار سے اگرچہ نسخ مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے بہر حال نسخ کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا (مدارک، روح المعانی، الفوز الکبیر)

② حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد، ابن جبیر سے اس کے برعکس بھی مروی ہے کہ ابتداءً علی العموم جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کرنا حلال تھا پھر لایحل لک النساء من بعد الہذا نازل فرما کر عموم کو منسوخ کر دیا گیا کہ ان نو عورتوں کے علاوہ کسی سے نکاح حلال نہیں اور نہ تبدیلی جائز ہے اس صورت میں پہلی آیت منسوخ اور دوسری آیت نسخ ہے جو نزول و تلاوت دونوں اعتبار سے



مؤخر ہے، بہر حال اس صورت میں بھی نسخ کی وجہ سے تعارض مرتفع ہو گیا (روح المعانی)

آیت نمبر ۲۱ لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِكَ مَا مَطْلَبُ بَعْدِ الْأَصْنَافِ الْمَذْكُورَةِ ہے یعنی اگر جو آپ کیلئے عورتوں کی اصنافِ اربعہ حلال کی ہیں (۱) مہر دیکر نکاح کیلئے عورتیں (۲) مملوکہ باندیاں (۳) مہاجرات میں بناتِ اعمام، بناتِ عمات، بناتِ اخیوال، بناتِ خالات (۴) بغیر مہر کے اپنے کو آپ کیلئے مہر کر دینے والی عورتیں) ان اصنافِ اربعہ کے علاوہ اور کسی عورت سے نکاح کرنا آپ کیلئے حلال نہیں مثلاً غیر مہاجرہ، غیر مملوکہ، اور بغیر مہر اور بغیر مہر کے کوئی عورت آپ کیلئے حلال نہیں ہے اس تفسیر پر نہ تو یہ آیت منسوخ ہوگی اور نہ پہلی آیت کے معارض ہوگی حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن، ابن سیرین، طبری، ابو حیان اس آیت کے محکم ہونے ہی کے قائل ہیں (روح المعانی، حاشیہ جلابین)

## قیامت کے دن کفار کی نگاہیں تیز ہونگی یا ضعیف و سُست؟

### پارہ ۲۵ء و ۲۶ء

آیات ۱) وَ تَرْنَهُمْ لِيَحْرُضُونَ عَلَيْهَا حَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ پارہ ۲۵ء رکوع ۶ سورہ الشوریٰ جلابین ص ۴۰۴ ● (۲) لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ پارہ ۲۶ء رکوع ۱۶ سورہ ق جلابین ص ۴۳

**تشریح تعارض** پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ آپ کفار کو دیکھیں گے کہ ان کو جہنم کے سامنے لایا جائے گا تو اس کی نگاہیں ذلت کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی وہ جہنم کو ضعیف نگاہوں سے (نظریں چراتے ہوئے) دیکھتے ہوں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار کی نظریں ضعیف اور سُست ہوں گی اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ کافر کو قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ (تو دنیا میں اس چیز سے غفلت میں پڑا ہوا تھا آج ہم نے تیری غفلت کا پردہ



دور کر دیا پس تیری نگاہ آج بڑی تیز ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار کی نگاہیں شدید اور تیز ہوں گی پس دونوں آیتوں میں نظائر تعارض ہے کیونکہ شدت اور ضعف متعارض امور میں سے ہیں،

**رفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں،

① آیتِ ثانیہ میں بصر سے مراد نگاہ نہیں بلکہ علم و معرفت مراد ہے دلیل اس کی **فَلَمَّا عَفَاكَ عِظَاذَكَ** ہے کیونکہ اس میں پردہ سے مراد نگاہوں کا پردہ نہیں بلکہ غفلت کا پردہ ہے جیسا کہ اس سے قبل **لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا** فرمایا اور غفلت کا پردہ قلب پر ہوتا ہے نہ کہ نگاہوں پر اور قلب محل ہے علم و معرفت کا، جب قلب پر سے غفلت کا پردہ دور کر دیا جائے تو علم و معرفت میں شدت اور تیزی آجاتی ہے مطلب یہ ہے کہ تو دنیا میں امورِ آخرت کی معرفت اور یقین سے عاری تھا ان امور کا مُنکر تھا کیونکہ تیرے قلب پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا آج ہم نے پردہ ہٹا دیا تو تیرا علم تیری معرفت آج اس قدر تیز ہو گئی ہے کہ تو ہر شے کو جان اور پہچان رہا ہے تجھ کو آج ہر اس چیز کا یقین ہو گیا ہے جس کا تو دنیا میں مُنکر تھا پس پہلی آیت میں جو ضعف مذکور ہے وہ ضعف بصری ہے اور دوسری آیت میں شدت و حدت علم اور معرفت کی مراد ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، (الاتقان مع التوضیح)

② بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آیتِ ثانیہ **لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا** میں خطاب کافر کو نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان امور مذکورہ بالا (نفخ، بعث وغیرہ) سے غافل تھے ہم نے آپ پر وحی نازل کر کے اور قرآن کریم کی تعلیم دیکر آپ کے پردہ غفلت کو دور کر دیا ہے پس آج آپ کی نگاہ و بصیرت تیز ہو گئی ہے آپ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا دوسروں کو علم نہیں اس صورت میں اختلافِ اشخاص کی وجہ سے تعارض مرتفع ہو جاتا ہے کیونکہ آیت اولیٰ کفار سے متعلق ہے اور یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے مگر یہ تفسیر سیاق و سباق



کے مناسب نہیں ہے اس لئے یہ ساقط الاعتبار ہے (روح المعانی)

## اللہ نے شہرِ مکہ کی قسم کھائی یا نہیں؟

### پارا نمبر ۳

۲۹۹

**آیات** ① لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ پارہ ۳ رکوع ۱۵ سورہ البلد جلاہین  
 ② وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ پارہ ۳  
 رکوع ۲ سورہ التین جلاہین ص ۵۰۲ ،

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ میں اس شہرِ مکہ کی قسم نہیں کھاتا ہوں اور دوسری آیت میں حق سبحانہ نے وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ کہہ کر شہرِ مکہ کی قسم کھائی ہے کیونکہ اس پہلے وَالَّتَيْنِ پر واؤ قسمیہ داخل ہے اور اس کے بعد کے تینوں کلمے وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اسی پر معطوف ہیں لہذا پہلی آیت میں شہرِ مکہ کی قسم کھانے کی نفی اور دوسری آیت میں اثبات ہے اس طرح یہ دونوں آیتیں بظاہر متعارض ہیں،  
**رفع تعارض** | اس تعارض کے تین جواب ہیں،

① لَا أُقْسِمُ میں لا زائدہ ہے، تحسین کلام کیلئے لا کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اس سے قسم کی نفی نہیں ہوگی اصل عبارت أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ہے پس یہ آیت دوسری آیت کے معارض نہیں ہے (جلاہین وغیرہ)

② یہ لا نہیں ہے بلکہ لام ہے اصل لَا أُقْسِمُ تھا لام کے فتح میں اشباع کر کے اس کو یچ کر پڑھا گیا جس سے الف ظاہر ہو گیا ہے حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے لَا أُقْسِمُ پڑھا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مصحف شریف میں لَا أُقْسِمُ بغير الف کے لکھا ہوا ہے قاری قبیل کی قرأت بھی یہی ہے،

پھر یہ لام کیسا ہے اس میں تین احتمال ہیں ① یہ لام ابتداء ہے اور أُقْسِمُ بتدار مخدوف



کی خبر ہے یعنی لَنَا اُقْسِمُ، ② اس کو لامِ تاکید مانا جائے جو فعل مضارع پر داخل ہے، جیسا کہ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ میں لامِ تاکیدِ فعلِ مضارع پر داخل ہے ③ یہ لامِ قسم ہے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ لامِ قسم کے تحت فعل کو اہل عرب نونِ تاکید کے ساتھ مؤکد کرتے ہیں چنانچہ اہل عرب لا فعل کذا نہیں کہتے بلکہ لا فعلت کذا کہا کرتے ہیں اس بنا پر یہاں بھی لا قسمت ہونا چاہئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں نونِ تاکید کا لانا ضروری و لازمی نہیں ہے بلکہ یہ حکم اکثری ہے اکثر و بیشتر نونِ تاکید کا استعمال ہوتا ہے ورنہ تو بغیر نون کے بھی جائز ہے امام واحدی نے علامہ سیبویہ اور امام فرار سے اس کا جواز نقل کیا ہے، یہ تفصیل روح المعانی اور تفسیر کبیر میں لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَامَةِ کے تحت مذکور ہے جس کو ہم نے لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ کے تحت ذکر کر دیا ہے لتوافق الجملتین،

③ لَا اُقْسِمُ میں لائے نافیہ نہیں ہے بلکہ اہل عرب تاکیدِ قسم کے لئے لا کا اضافہ کر دیتے ہیں اس سے قسم میں مزید تاکید پیدا ہو جاتی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ قسم کسی قابلِ عظمت شے کی کھائی جاتی ہے قسم کھا کر اس شے کی عظمت اور اس کے احترام کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے لا اقسام بہذا البلد میں شہر مکہ کی قسم کھا کر اس کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اس عظمت و منقبت کو مزید مؤکد کرنے کیلئے لا کا اضافہ کر دیا گیا کہ شہر مکہ کی عظمت فی نفسہ اس قدر ظاہر و عیاں اور مشہور و مسلم ہے کہ قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے مگر میں قسم کھا کر اس کی عظمت کو مزید مؤکد کرتا ہوں یعنی لا حاجة الی القسم لاثبات عظمة هذا البلد لانه معظم و

محترم فی نفسہ لکن اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ لتأكيد عظمتہ

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ لا سے مقصود قسم کی نفی نہیں ہے لہذا یہ آیت آیت ثانیہ کے معارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں آیتوں میں قسم کا اثبات بلکہ تاکید اور مکہ معظمہ کی عظمت و شرافت کا اظہار مقصود ہے کہ شہر مکہ بہت سی عظمتوں کا حامل ہے ایک تو وہ

۱۰ تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی وغیرہ



فی نفسہ معظم و مکرم ہے دوسرے قسم کھانے کی وجہ سے مزید شرافت و عظمت آگئی تیسرے یہ کہ اللہ سبحانہ کا سب سے پہلا مشرف و مکرم امن و سلامتی اور برکت و ہدایت والا گھر اسی شہر مکہ میں موجود ہے قال تعالیٰ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًىٰ لِلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا مَقَّامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا چوتھے یہ کہ مدار کائنات فخر الانبیاء والرسل نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن و مولد ہے، آفتاب ختم نبوت اسی شہر میں طلوع ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا اکثر حصہ اسی شہر میں گزرا ہے اسی کو حق تعالیٰ نے آگے فرمایا وَاَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ اِیْ حَالٌ اِیْ نَازِلٌ مَّقِيْمٌ بِهَذَا الْبَلَدِ کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ کی عظمت و مرتبت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے فتلك مكة مكرمة مباركة لها مناقب وفضائل بعضها فوق بعض زادها الله تعالى حرمة وشرقا كل ساعة من الساعات وصالها عن جميع الشرور والافات، ورزقنا حضورها وزيارتها مرة بعد اخرى بالخير والطاعات، آمين يا كاشف الضرات ويا قاضي الحاجات ؛

وقد وقع الفراغ من تسويد هذه الاوراق بحمد الله وفضله بعد صلوة الظهر من يوم الخميس في الثامن من شهر جمادى الآخرة سنة احدى عشرة بعد الف واربعمائة من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف تسليم وتحية الموافق السابغ والعشرين من شهر ديسمبر سنة لتعين بعد الف وتسعمائة من المسيحية

وقد شرعت في يوم الاحد في التاسع والعشرين من شهر ربيع الآخر سنة احدى عشرة بعد الف واربعمائة من الهجرة النبوية الموافق



الثامن عشر من شهر نوفمبر سنة تسعين بعد الف وتسعمائة  
من المسيحية

فتمَّ وكمل هذا المجموع في مدة قدر ميعاد الكليم  
اي اربعين يوماً بعون الله وتوفيقه جعله الله سبحانه  
وتعالى نافعاً للناظرين من الطلبة والمدارسين وغيرهم  
من علماء الدين الطالبين دفع التعارض بين آيات  
القرآن المبين .

يارب تقبله متى بقبول حسن واجعله لي وسيلة الى  
النجاة والمغفرة وسبب الرضوانك ورحمتك يا ارحم  
الراحمين - امين يارب العالمين

احقر العباد

محمد الورد گنگوہی مظاہری

خادم حدیث و تفسیر جامعہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع بہا پور (یوپی)

۸ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ یوم پنجشنبہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# ضمیمہ

النوار الدریات

لدرفع التعارض بین الآیات

کتاب کی اشاعت کے بعد چند آیات ایسی نظر آئیں جن میں بظاہر تعارض ہے اس لئے ان کے تعارضات اور تطبیقات کو دوسرے ایڈیشن میں ضمیمہ کی شکل میں کتاب کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔

مؤلف کتاب — محمد انور غفرہ، گنگوہی

(نوٹ) ضمیمہ کی فہرست ص ۲۷۹ پر  
ملاحظہ فرمائیں



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ضمیمہ

بنی اسرائیل نے بقرہ ذبح کیا یا نہیں؟

پارا ۱

آیت ۱ ﴿فَذَبْحُوهَا ۝ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾ پارہ ۱ رکوع ۸ سورہ بقرہ

جلالین ص ۱۲

**تشریح تعارض** اس آیت کے جز اول و جز ثانی میں بظاہر تعارض ہے یاں طور کہ اس سے اوپر بنی اسرائیل کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے دو بھائیوں نے اپنے ایک چچا زاد بھائی کو قتل کر ڈالا تاکہ اس کے مال کے وارث و مالک بن جائیں اور قتل کر کے اس کی لاش محل کے دروازے پر ڈال دی اور خود ہی دونوں اس کے خون کا بدلہ طلب کرنے کے لئے آگئے کہ ہمارے چچا زاد بھائی کو کس نے قتل کیا ہے ہمیں اس کے خون کا بدلہ لینا ہے، لوگوں کو قاتل کا کچھ علم نہ تھا، قاتل کا پتہ لگانے کے لئے پریشان تھے اور جھگڑا کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے قاتل کے پتہ لگانے کا ایک طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بندر یوحیٰ نازل فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو ایک بیل ذبح کر کے اس کو مقتول کے بدن سے منس کر دو یعنی چھو ادو وہ مقتول زندہ ہو کر بول اٹھے گا اور قاتل کا نام خود بتلا دے گا اتنی خبر سن کر یہ لوگ اگر کوئی سبیل بھی ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتا مگر انھوں نے



اس طریقہ کو عجیب تصور کرتے ہوئے سوچا کہ اس عجیب کام کیلئے بیل بھی کوئی عجیب و غریب قسم کا لینا پڑے گا جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ سے یہ معلوم کر لیجئے کہ اس بیل کے اوصاف کیا ہوں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ جواب میں یوں فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہونا چاہئے اور نہ بچہ، بلکہ ادھیڑ عمر کا ہونا چاہئے اور اس کام کو کر گذر و زیادہ حجتیں مت نکالنا، بنی اسرائیل بولے اچھا یہ اور معلوم کر لیجئے کہ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ اس کا رنگ تیز زرد ہونا چاہئے جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اچھا اس بیل کے اوصاف ذرا اور زیادہ واضح کر کے بتا دیجئے حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ وہ بیل کوئی زیادہ عجیب و غریب ہونا ضروری نہیں البتہ عمدہ ہونا چاہئے کہ نہ تو وہ بیل میں چلا ہوا ہو جس سے زمین جوتی جائے اور نہ کنویں میں جوڑا گیا ہو کہ اس سے کھیتی کو سیراب کیا جائے بنی اسرائیل بولے اب آپ نے پوری بات صاف بتا دی ہے چنانچہ انہوں نے اس طرح کا بیل تلاش کیا تو ان کو ایک نوجوان کے پاس مل گیا انہوں نے اس سے اس بیل کی کھال بھر کر سونے کے بدلہ میں اس کو خریدا اور ذبح کر کے مقتول کے بدن سے چھوڑا تو مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا کہ مجھ کو فلاں فلاں نے قتل کیا ہے نام بتلاتے ہی وہ مقتول مر گیا،

اس واقعہ کے جاننے کے بعد اب تشریح تعارض سنئے کہ حق تعالیٰ نے اولاً فرمایا فذَبْحُوْهَا کہ بنی اسرائیل نے اس بقرہ کو ذبح کر دیا آیت کے اس جز میں ذبح بقرہ کا اثبات ہے اور آگے فرمایا وَمَا كَادُوْا لِيَفْعَلُوْنَ کہ وہ ذبح کرنے کے قریب بھی نہیں ہوئے کیونکہ كَادَ افعال مقاربت میں سے ہے اس کے متعلق نجات کا اختلاف



ہے حق مذہب اس بارے میں یہ ہے جیسا کہ روح المعانی ص ۲۹۲ پر مصرح ہے کہ  
 کَادَ نَفْیِ اَوْرَاثَاتٍ دُونوں میں دیگر افعال کی طرح ہے کہ اگر کَادَ مثبت ہو تو اثباتِ  
 قُرْبِ کا قائدہ دیتا ہے اور اگر منفی ہو تو نَفْیِ قُرْبِ کے لئے مفید ہوتا ہے اور چونکہ  
 آیت شریفہ میں کَادَ منفی ہے اس لئے نَفْیِ قُرْبِ کا قائدہ دیگا کہ وہ ذبح کرنے کے  
 قریب نہیں ہوئے یعنی ذبح کرنا تو درکنار وہ تو ذبح کرنے کے قریب بھی نہیں گئے  
 اس سے ذبح کرنے کی نَفْیِ معلوم ہوتی ہے پس فَذَّبْجُوہَا میں ذبح کا اثبات  
 اور وَمَا کَادُوا یَفْعَلُونَ میں ذبح کی نَفْیِ ہے اور نَفْیِ واثبات میں تعارض و  
 تناقض ہوتا ہے پس آیت کا جز اول جز ثانی کے بظاہر معارض ہے  
دفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں۔

① یہ نَفْیِ اور اثبات اختلافِ اوقات پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ اولاً تو وہ ذبح  
 کرنے کے قریب بھی نہیں تھے طرح طرح کی حجتیں اور بہانے کر رہے تھے گویا کہہ  
 رہے تھے کہ ہم کیسے ذبح کر دیں ہمیں یہ تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ کس رنگ کا بقرہ ہونا  
 چاہئے کیا کیا اس کے اوصاف ہونے چاہئیں (مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح یہ  
 فرمادیں کہ بس رہنے دو زیادہ پریشان کیوں ہوتے ہو ہم بغیر ذبحِ بقرہ کے ہی  
 تم کو قاتل کی خبر دیدیں گے یا مقصد یہ تھا کہ بقرہ میں زیادہ قیودات لگنے کی وجہ سے  
 اس خاص قسم کا بقرہ کہیں مل نہیں پائے گا تو ہم کہیں گے کہ اس قسم کا بقرہ تو مل  
 نہیں رہا ہے تو اللہ ہم کو بغیر ذبحِ بقرہ کے قاتل کی خبر دیدیں گے) لیکن جب اللہ  
 نے تمام اوصاف صاف صاف بیان فرمادئے اور ان کی حجتیں اور بہانے سب  
 ختم ہو گئے اور تلاش کرنے سے اس قسم کا بقرہ مل بھی گیا تو پھر تو ان کو ذبح کرنا ہی  
 پڑا پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ فَذَّبْجُوہَا فی الزمان الثانی وَمَا کَادُوا  
 یَفْعَلُونَ فی الزمان الاول اور اختلافِ اوقات کے بعد تعارض نہیں



رہتا کیونکہ تعارض کے لئے اتحادِ زمان شرط ہے (روح المعانی ص ۲۹۲) و بیان القرآن  
ص ۳۹ و ص ۴ پارہ ۱

۲) نفی اور اثبات اختلافِ اعتبارین پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ ایک اعتبار  
سے ذبح کرنے کے قریب نہیں تھے دوسرے اعتبار سے ذبح کر ڈالا۔  
اب یا تو یوں کہا جائے کہ رسوائی کے خوف سے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے کہ نام معلوم  
ہو جائے گا تو قاتل کی رسوائی ہوگی یا قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرنے کے  
قریب نہیں تھے خریدنا مشکل تھا کیونکہ اس کی قیمت جیسا کہ اوپر مذکور ہوئی اس کی کھال  
کے بھراؤ کے برابر سونا تھی، پس رسوائی کے خوف یا زیادتیِ ثمن کے اعتبار سے  
ذبح کرنے کے قریب نہیں تھے مگر تعمیلِ حکم کے اعتبار سے انہوں نے ذبح کر ہی دیا کہ  
جب اللہ کی طرف سے حکم ہو ہی رہا ہے تو اب قیمت زیادہ ہو یا کم، رسوائی ہو یا نہ ہو،  
ذبح کرنا ہی پڑے گا، اور جب نفی اور اثبات دو مختلف اعتباروں پر محمول ہیں تو کوئی  
تعارض نہیں اس لئے کہ تعارض کے لئے اتحادِ اعتبار شرط ہے (روح المعانی ص ۲۹۲)

### یہود جادو کا اتباع کرنے کی قباحت جانتے تھے یا نہیں؟

پارا ۱

(۱)

آیت | وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرُّوا

بِهِ الْفُسْهُمُ ۝ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ پارہ ۱ رکوع ۱۱ سورہ البقرہ جلا لیں ص ۱۶

تشریح تعارض | اس آیت کے جزء اول اور جزء آخر میں بظاہر تعارض نظر آتا

ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ یہودی لوگ کتاب اللہ کا اتباع کرنے کے بجائے جادو

کا اتباع کرتے تھے، شہر بابل میں حاروت مارت نامی دو فرشتے جو اللہ نے

لوگوں کی آزمائش کیلئے بھیجے تھے (جن کا قصہ اس پہلی آیات میں مجملاً اور کتب تفسیر



میں مفصلاً مذکور ہے) ان سے یہ یہودی لوگ جادو سیکھتے اور اس کا اتباع کرتے تھے اور یہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ جو شخص کتاب اللہ کے بجائے جادو کا اتباع کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اسی کو آیت کے جزر اول میں ذکر کیا گیا ہے **وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مِنْهُ لَئِنْ كَانُوا يَلْعَمُونَ** کا شش یہ لوگ جان لیتے اس جملہ کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ سحر کی قباحت و شناعیت جانتے نہیں تھے کیونکہ کلمہ **لَوْ** انتقارِ شئی لانتقائاً غیرہ (ایک شے کی نفی دوسری شے کی نفی کی وجہ سے) کیلئے آتا ہے، پس آیت کے جزر اول میں یہود کے قباحتِ سحر کے علم کا اثبات ہے اور جزر ثانی میں اس علم کی نفی ہے اس لئے آیت کے اول و آخر میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کے آٹھ جوابات ہیں۔

① آیت کے جزر اول میں جس علم کا اثبات ہے اس سے مراد غور و فکر کی صلاحیت اور قدرت ہے کہ ان لوگوں کے اندر اس بات کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کے بجائے جادو کا اتباع کرے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے لیکن صلاحیتِ علم و تفکر کو تحققِ علم سے تعبیر کر دیا گیا ہے صلاحیت کی قوت اور اس کمال کی وجہ سے، کیونکہ جب کسی شخص کے اندر کسی وصف کی صلاحیت و قدرت کا بل درجہ کی ہوتی ہے تو اس کے اندر اس وصف کے متحقق ہونے کا اعتبار کر لیا جاتا ہے اور اس شخص کو اس وصف کے ساتھ بالفعل موصوف کر دیا جاتا ہے بہر حال آیت کے جزر اول میں صلاحیتِ علم و تفکر کا اثبات ہے اور جزر ثانی میں علم کی نفی سے مراد اس صلاحیت کو استعمال میں نہ لانا اور غور و فکر نہ کرنا مراد ہے آیت کا مطلب اس وقت یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں جادو کی



قباحت اور شاعت جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے مگر یہ لوگ اس صلاحیت کو عمل میں نہیں لائے اور انہوں نے اس کی قباحت کو جانا اور سمجھا نہیں کاش یہ لوگ اس بارے میں غور و فکر کر لیتے اور اس کی قباحت جان لیتے پس اثبات صلاحیت علم و تفکر کا ہے اور نفی استعمال علم و تفکر کی ہے یا یوں کہا جائے کہ اثبات علم بالقوة کا ہے اور نفی علم بالفعل کی ہے جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں ہے فلا تعارض بینہما (شیخ زادہ ص ۳۷۶، روح المعانی ص ۳۲۶، بزیادۃ توضیح و تشریح)

۲) امام راغب فرماتے ہیں کہ جزء اول میں اثبات علم اجمالی کا ہے اور جزء ثانی میں نفی علم تفصیلی کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اجمالی طور پر تو جانتے تھے کہ جادو کا اتباع کرنا بیخ اور مذموم چیز ہے مگر انہوں نے یہ نہیں جانا کہ جس کام کو ہم کر رہے ہیں وہ بھی منجملہ اسی بیخ کے ہے، با اوقات انسان ایک شئی کی قباحت کو اجمالی طور پر جانتا ہے مگر تفصیلی طور پر نہیں جانتا کہ اس کی یہ صورت بھی بیخ ہے اور یہ صورت بھی بیخ ہے پس مثبت علم اجمالی ہوا اور منفی علم تفصیلی ہوا فلا تعارض (روح المعانی ص ۳۲۶، شیخ زادہ ص ۳۷۶)

۳) آیت کے جزء اول میں جو اثبات ہے وہ سحر کی قباحت اور اس پر عقاب کے مرتب ہونے کا علم ہے اور جزء ثانی میں جو نفی ہے وہ حقیقت عقاب اور شدت عقاب کے علم کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اتباع سحر پر مرتب ہونے والے عقاب اور سزا کو تو جانتے ہیں مگر اس عقاب کی حقیقت اور اس کی شدت کو نہیں جانتے کاش یہ لوگ عذاب کی شدت کو جان لیتے تو ایسا نہ کرتے پس اثبات علم عقاب کا ہے اور نفی علم شدت عقاب و حقیقت عقاب کی ہے فلا تعارض بینہما (شیخ زادہ ص ۳۷۶، روح المعانی ص ۳۲۶)

۴) صاحب کشاف علامہ زحمتی فرماتے ہیں کہ آیت کے جزء اول میں اثبات علم کا ہے اور جزء اخیر میں نفی اس علم پر عمل کرنے کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جادو کی قباحت اور اس پر اخروی عقاب کے مرتب ہونے کو جانتے ہیں مگر اس علم پر عمل نہیں



کرتے اور جو شخص علم پر عمل نہیں کرتا اس کو جاہل کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے اس کے علم کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے اس لئے جزر ثانی میں علم ہی کی نفعی کردی گئی ہے اب لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کا مطلب لَوْ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِمُوجِبِ عِلْمِهِمْ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے علم کے مقتضی پر عمل کر لیتے تو جادو کو اختیار کرنے اور سیکھنے سے احتراز کرتے بہر حال اثبات علم کا ہے اور نفعی عمل کی ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے اولیٰ جواب یہی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے (کشاف ص ۸۶۔ شیخ زادہ ص ۳۷۷، روح المعانی ص ۳۲۲ بیان القرآن ص ۵۱ پارہ ۱)

⑤ یہ اختلاف اشخاص پر محمول ہے چنانچہ علامہ قطرب اور امام اخفش فرماتے ہیں کہ آیت کے جز اول میں جاننے والوں سے مراد شیاطین ہیں اور جز ثانی میں نہ جاننے والوں سے مراد انسان یعنی یہود ہیں مطلب یہ ہے کہ شیاطین تو جانتے ہیں کہ جو شخص کتاب اللہ کے بدلہ میں جادو کو اختیار کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے مگر یہ یہود اس بات کو نہیں جانتے اس لئے یہ لوگ جادو سیکھتے ہیں اور اس کو اختیار کرتے ہیں کاش یہ لوگ بھی اس کی قباحت و شناعیت کو جان لیتے، اس صورت میں وَلَقَدْ عَلِمُوا کی ضمیر شیاطین کی طرف راجع ہوگی اور شَرُّوا اور يَعْلَمُونَ کی ضمیریں انسانوں کی طرف راجع ہوں گی اور جب عالمین اور غیر عالمین کا مصداق علیحدہ علیحدہ اشخاص ہیں تو کوئی تعارض نہیں (قرطبی ص ۵۶)

⑥ امام زجاج فرماتے ہیں کہ علی بن سلیمان نے یوں کہا ہے کہ میرے نزدیک سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ وَلَقَدْ عَلِمُوا کی ضمیر مُلْكِيْنَ کی طرف راجع ہے کہ وہ دونوں فرشتے سحر کی قباحت اور اس پر اخروی عقاب کے ترتب کو جانتے تھے ظاہر بھی یہی ہے نیز اس بات کو جاننے کے زیادہ لائق و مستحق وہ دونوں فرشتے ہی ہو سکتے ہیں اور مُلْكِيْنَ



تثنیہ کی طرف ضمیر جمع کا لوٹانا قابل اشکال نہیں اس لئے کہ تثنیہ کے لئے ضمیر جمع کا استعمال کرنا شائع ہے کہا جاتا ہے الزید ان قاموا اس صورت میں بھی لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کی ضمیر یہود کی طرف راجح ہوگی مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ وہ دونوں فرشتے تو سحر کی قباحت و مذمت کو جانتے تھے مگر یہود نہیں جانتے تھے اس لئے یہ لوگ سحر کا اتباع کرتے اور اسکو اختیار کرتے تھے کاش یہ لوگ اس کی قباحت اور مذمت کو جان لیتے بہر حال اس صورت میں بھی اختلاف اشخاص کی وجہ سے کوئی تعارض نہیں ہوگا (قرطبی ص ۵۶)

مگر صاحب روح المعانی نے اختلاف ضمائر والی توجیہ کو پسند نہیں کیا ہے فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بلا ضرورت انتشار ضمائر کا ارتکاب لازم آتا ہے اور اس پر کوئی قرینہ واضح بھی موجود نہیں ہے (روح المعانی ص ۳۴)

⑤ آیت کے جزراول میں عَلِمُوا کا مفعول انذ لا نصیب لہم فی الآخرۃ ہے اور جزر اخیر میں یَعْلَمُونَ کا مفعول مَذْمُومِۃُ الشِّرْءِ ہے جو بِلْسٍ مَآشِرٍ وَاٰیۃِ الْفَسْہِہِ سے سمجھ میں آرہا ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اس بات کو تو جانتے ہیں کہ جو کتاب اللہ کے بدلہ میں جادو کو اختیار کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے مگر یہ لوگ کتاب اللہ کے بدلہ میں جادو اختیار کرنے کی مذمت اور قباحت کو نہیں جانتے بلکہ اپنے اعتقاد میں یہ لوگ اس چیز کو مباح سمجھتے ہیں پس علم مثبت اور علم منفی کے مفعول علیحدہ علیحدہ ہونگی وجہ سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس چیز کے علم کا اثبات ہے اس کے علم کی نفی نہیں ہے اور جس چیز کے علم کی نفی ہے اس کے علم کا اثبات نہیں مگر یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ جب یہ لوگ جادو کو مذموم اور قبیح نہیں جانتے تھے تو پھر آخرت میں اس کے موجب حرمان ہونیکے قائل کیسے ہو سکتے تھے یہ بات تو عقل کے خلاف ہے کہ ایک شخص کسی فعل کے مذموم اور قبیح ہونے کو نہیں جانتا بلکہ اس کو مباح اور جائز و حسن سمجھتا ہے اس کے باوجود اس کا اعتقاد یہ ہو کہ آخرت



میں اس فعل پر عقاب ہوگا اور یہ فعل آخرت میں ثواب سے محرومی کا باعث ہوگا۔

(روح المعانی ص ۳۴۶ و ص ۳۴۷)

۸ آیت کے جز اول میں اثبات مذمومیت فی الآخرة کے علم کا ہے اور جز ثانی میں نفی مذمومیت مطلقہ یعنی فی الدنيا والآخرة کی ہے مطلب یہ ہوگا کہ یہود یہ تو جانتے ہیں کہ جادو اختیار کرنا آخرت کے اعتبار سے مذموم اور قبیح ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ دنیا و آخرت دونوں ہی اعتبار سے مطلقاً مذموم اور قبیح ہے بلکہ وہ تو اس دھوکے میں پڑے ہوئے تھے کہ دنیا میں یہ چیز نافع اور مفید ہے اور ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ انسان جانتا ہے کہ یہ فعل آخرت میں موجب عقاب ہے مگر دنیاوی نفع کے لالچ میں اس فعل کا ارتکاب کرتا رہتا ہے اسی طرح یہود دنیاوی نفع کے توہم پر کتاب اللہ کے بدلہ میں جادو کو اختیار کرتے تھے کاش وہ لوگ یہ جان لیتے کہ یہ چیز دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے مضر اور نقصان دہ ہے، پس اثبات مذمومیت فی الآخرة کے علم کا ہے اور نفی مطلق مذمومیت و قباحت کے علم کی ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اثبات مذمومیت خاصہ کے علم کا ہے اور نفی مذمومیت عامہ کے علم کی ہے جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں لہذا کوئی تعارض نہیں۔

آیت کے جز ثانی میں مذمومیت کو جو عام کہا گیا ہے کہ خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، اس عموم کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کلمہ بئس لایا گیا ہے جو مذمومیت عامہ کے لئے آتا ہے،

مگر صاحب روح المعانی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ بئس سے جو عموم مستفاد ہوتا ہے وہ افراد و فاعل کے اعتبار سے ہے نہ کہ زمان و مکان کے اعتبار سے جب یہ کہا جائے بئس مافعلکوا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کام



کو کرنے والے بھی لوگ بُرے ہیں اور قبیح کا ارتکاب کر رہے ہیں اس میں اس بات سے کوئی تعرض نہیں ہوتا ہے کہ یہ فعل ہر زمان اور ہر مکان میں قبیح اور مذموم ہے جیسا کہ آپ نے اس کو زمانِ آخرت و زمانِ دنیا یا مکانِ آخرت و مکانِ دنیا دونوں اعتبار سے مذمت پر دلالت کرنے والا سمجھ لیا ہے۔

(روح المعانی ص ۳۴۷)

### افعالِ عبادۃ اللہ کی مشیت سے صادر ہونے یا بندوبستی؟

پارہ ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰  
۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰

- آیات ① یَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ پارہ ۲ رکوع ۷ سورہ البقرہ  
جلائین ص ۲۱ ② وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ پارہ ۲ رکوع ۷  
سورہ البقرہ جلائین ص ۳ ③ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ پارہ ۳ رکوع ۵  
سورہ البقرہ جلائین ص ۲۳ ④ مَنْ يَشَاءِ اللَّهُ يُضِلَّهُ وَمَنْ يَشَاءِ يُجْعَلْهُ  
عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ پارہ ۷ رکوع ۷ سورہ الانعام جلائین ص ۱۱ ⑤  
مَا كَانُوا يُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يُجْهَلُونَ پارہ ۷ رکوع ۷  
سورہ الانعام جلائین ص ۱۲۳ ⑥ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يُخْرِجْ صَدْرَهُ  
لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يُجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا آيَةً پارہ ۷ رکوع ۷ سورہ  
الانعام جلائین ص ۱۲۲ ⑦ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُوذَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ  
پارہ ۹ رکوع ۷ سورہ الاعراف جلائین ص ۱۳۷ ⑧ تَضِلُّ بِهَامِرٍ تَشَاءُ  
تَهْدِي بِهَامِرٍ تَشَاءُ پارہ ۹ رکوع ۷ سورہ الاعراف جلائین ص ۱۲۲ ⑨  
وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ پارہ ۷ رکوع ۷ سورہ یونس جلائین



- ١٠) وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ  
 پاره ١٤ رکوع ١٩ سورة النحل جلايين ٢٢٥ ١١) وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكُمْ  
 غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ پاره ١٥ رکوع ١٤ سورة الكهف جلايين ٢٢٣ ١٢)  
 وَلَوْ لَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ پاره ١٥ رکوع ١٤ سورة الكهف  
 جلايين ٢٢٥ ١٣) سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا پاره ١٥ رکوع ١٤ سورة الكهف  
 جلايين ٢٢٩ ١٤) وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ پاره ١٤ رکوع ١٤  
 سورة النور جلايين ٣٠ ١٥) سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ پاره ٢  
 رکوع ٦ سورة القصص جلايين ٣٢٩ ١٦) فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي  
 مَنْ يَشَاءُ پاره ٢٢ رکوع ١٢ سورة فاطر جلايين ٣٦٢ ١٧) سَتَجِدُنِي إِنْ  
 شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ پاره ٢٣ رکوع ٤ سورة الصافات جلايين ٣٤٤ ١٨)  
 ذَلِكُمْ هُدًى مِنَ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ پاره ٢٣ رکوع ٤ سورة الزمر جلايين  
 ٣٨٤ ١٩) وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا پاره ٢٥ رکوع ٦ سورة  
 الشورى جلايين ٢٠٥ ٢٠) لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ  
 پاره ٢٦ رکوع ١٢ سورة الفتح جلايين ٢٢٦ ٢١) كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ  
 يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ پاره ٢٩ رکوع ١٥ سورة المدثر جلايين ٢٨١ ٢٢)  
 وَمَا يَذُكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ پاره ٢٩ رکوع ١٦ سورة المدثر جلايين ٢٨١  
 وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ پاره ٢٩ رکوع ٢٢ سورة الدهر جلايين ٢٨٥  
 ٢٣) يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ پاره ٢٩ رکوع ٢٢ سورة الدهر جلايين ٢٨٥  
 ٢٤) وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ پاره ٣ رکوع ٦ سورة التکویر جلايين ٢٩٢  
 ٢٥) فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ پاره ٥ رکوع ١٤ سورة الكهف  
 جلايين ٢٢٢ ٢٦) قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ



سَبِيلًا پارہ ۱۹ رکوع ۳ سورۃ الفرقان جلاہین ص ۳۰۷ (۲۸) اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ پارہ ۲۲  
 رکوع ۱۹ سورۃ حم سجدا جلاہین ص ۲۰۰ (۲۹) فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا  
 پارہ ۲۹ رکوع ۱۳ سورۃ المزمل جلاہین ص ۲۷۹ (۳۰) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ  
 يَتَأَخَّرَ پارہ ۲۹ رکوع ۱۶ سورۃ المدثر جلاہین ص ۲۸۱ (۳۱) فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ پارہ ۲۹  
 رکوع ۱۶ سورۃ المدثر جلاہین ص ۲۸۱ (۳۲) فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا پارہ ۲۹  
 رکوع ۲ سورۃ الدھر جلاہین ص ۲۸۵ (۳۳) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ پارہ ۲ رکوع ۷ التکوید  
 جلاہین ص ۲۹۲

**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۲۵ تا ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال  
 حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے متحقق ہوتے ہیں بندہ مگر اسی پر ہوتا ہے یا ہدایت پر یا نیکی  
 کرتا ہے یا برائی اور ان کے علاوہ دیگر افعال جو بھی بندہ کرتا ہے وہ سب اللہ کی مشیت  
 اور اس کے چاہنے سے کرتا ہے بندہ کی مشیت و ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ ان  
 آیات میں مشیت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مجبور محض  
 ہے اور آیت نمبر ۲۴ تا ۳۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال خود بندوں کی مشیت  
 و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں کیونکہ ان آیات میں مشیت کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی  
 ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ خود مختار ہے جو چاہے کرے پس ان آیات میں بظاہر  
 تعارض نظر آتا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ افعال عباد حق تعالیٰ کی مشیت اور  
 بندوں کی مشیت دونوں سے صادر ہوتے ہیں مگر دونوں مشیتوں کی جہت مختلف ہے  
 اللہ کی مشیت باعتبار خلق کے ہے اور بندہ کی مشیت باعتبار کسب کے ہے یعنی بندہ  
 اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتا ہے مگر ان افعال کو پیدا کرنے والے حق تعالیٰ ہیں،  
 حق تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے کسی فعل کا کسب کرتا ہے



تو حق تعالیٰ اس بندہ کے اندر اس فعل کا خلق فرمادیتے ہیں مثلاً بندہ نے اپنے اختیار سے چلنے کا ارادہ کیا تو حق تعالیٰ اس کے اندر چلنا پیدا فرمادیتے ہیں اسی طرح تمام افعال میں سمجھ لینا چاہئے بس بندہ کا نہ تو مجبور محض ہونا لازم آیا کیونکہ بندہ کا سب بالاختیار ہے اور نہ خود مختار و قادر ہونا لازم آیا کیونکہ افعال کے خالق حق تعالیٰ ہیں اور مشیتوں کی جہت کسب اور خلق کے اعتبار سے مختلف ہونے کی وجہ سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا (شرح عقائد)

### حق تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے گفتگو کریں گے یا نہیں؟

پارا ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶

- آیات ۱** ﴿وَلَا يَكْفُرُ بِاللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ پارہ ۲ رکوع ۵ سورہ البقرہ جلا لیں ص ۲۵ ﴿۲﴾ وَلَا يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ پارہ ۳ رکوع ۱۶ سورہ آل عمران جلا لیں ص ۵۵ ﴿۳﴾ ﴿وَلَقَوْلُ ذُو قُرْبَىٰ عَذَابِ الْخَرِيْقِ﴾ پارہ ۴ رکوع ۱ سورہ آل عمران جلا لیں ص ۶۶ ﴿۴﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّا يَنْشُرُكُمْ إِلَيْنَا يَوْمَ ۙ ﴿۵﴾ ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقْتُمْ عَلَي رِبِّهِمْ قَالِ الْيَسْ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالِ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ پارہ ۵ رکوع ۹ سورہ الانعام جلا لیں ص ۱۱۳ ﴿۶﴾ قَالَتْ أَخْرِجْنِي مِنْ هَاهُنَّ وَأَجْعَلْ لِي فِيهَا مَخْرَجًا ۙ ﴿۷﴾ ﴿وَالَّذِينَ أَضَلُّوْنَا قَاتِبْتُمْ عَذَابًا أَضْعَافًا مِّنَ النَّارِ قَالِ لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلَكِن لَّا تَعْلَمُونَ﴾ پارہ ۶ رکوع ۱۱ سورہ الاعراف جلا لیں ص ۱۳۲ ﴿۸﴾ ﴿يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ۙ وَالَّذِينَ أَتَوْا بِبُرْهَانٍ مِّنْ رَبِّكَ فَوَرِّبْكَ لَنَسْتَلْتَهُمْ جَمِيعًا﴾ پارہ ۷ رکوع ۱۲ سورہ الحجر جلا لیں ص ۲۱۵ ﴿۹﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ إِنَّا شُرَكَاءُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ



پارہ ۱۲ رکوع ۱۱ سورہ النحل جلاہن ص ۲۱۷ ۱۰) وَیَوْمَ یَقُولُ نَادُوا شُرَکَآءَی  
 الذِّیْنَ رَعِمْتُمْ پارہ ۱۵ رکوع ۱۹ سورہ الکہف جلاہن ص ۲۲۷ ۱۱) قَالَ اِخْسُوا  
 فِیْهَا وَلَا تَکَلِّمُوْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورہ المؤمنون جلاہن ص ۲۹۳ ۱۲) قَالَ کُمْ  
 لِبِشْمِ فِی الْاَرْضِ عَدَدِ سِنِیْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورہ المؤمنون جلاہن ص ۲۹۳ ۱۳)  
 قَالَ اِنْ لِبِشْمِ اِلَّا قَلِیْلًا لَوْ اَنْتُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورہ المؤمنون  
 جلاہن ص ۲۹۳ ۱۴) حَتّٰی اِذَا جَآءَ وَقَالَ اَکْذَبْتُمْ بِآیَاتِیْ وَلَمْ یُحِیْطُوْا بِهَا عَلْمًا اِلَآیَہ پارہ  
 رکوع ۳ سورہ النمل جلاہن ص ۳۲۷ ۱۵) وَیَوْمَ یُنَادِیْہُمْ فِیْ قَوْلٍ مَا اِذَا اَجَبْتُمْ الْمُرْسَلِیْنَ  
 پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورہ القصص جلاہن ص ۳۳۲ ۱۶) وَیَوْمَ یُنَادِیْہُمْ فِیْ قَوْلٍ اِنْ  
 شُرَکَآءَی الذِّیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورہ القصص جلاہن ص ۳۳۲  
 ۱۷) وَیَقُولُ ذُوقُوا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورہ العنکبوت جلاہن  
 ۱۸) وَنَقُولُ لِلذِّیْنَ ظَلَمُوْا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ اِلَآیَہ پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورہ سبا  
 جلاہن ص ۳۶۳ ۱۹) وَیَوْمَ یُنَادِیْہُمْ اِنْ شُرَکَآءَی قَالُوْا اِذْ نُنَادِیْہ پارہ ۲  
 رکوع ۱۰ سورہ حم سجدا جلاہن ص ۴۰ ۲۰) قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ  
 پارہ ۲ رکوع ۱۰ سورہ الاحقاف جلاہن ص ۴۱۹ ۲۱) قَالَ لَا تَخْصِمُوْا لِذٰلِہِ  
 پارہ ۲ رکوع ۱۶ سورہ ق جلاہن ص ۴۳۰ و ص ۴۳۱

**تشریح تعارض** | آیت ۱ و ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن کفار  
 کے ساتھ کلام نہیں فرمائیں گے اور باقی تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام کریں گے کیونکہ  
 ان تمام آیات میں کفار کے ساتھ گفتگو کرنا اور سوال کرنا مذکور ہے جیسا کہ ان کے تراجم سے ظاہر  
 ہے پس ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

۱) آیت نمبر ۱ و ۲ میں بقول حضرت حسنؓ کلام رحمت و شفقت کی نفی ہے کہ حق تعالیٰ



قیامت کے دن کفار کے ساتھ شفقت و مہربانی کے طور پر کلام نہیں کریں گے اور باقی تمام آیات میں کلام غضبی کا اثبات ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو اور سوال کرنا قہر و غضب کے انداز میں ہوگا پس جس کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں اور جب کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں فلا تعارض۔

(روح المعانی ص ۴۴۲ و بیان القرآن پارہ ۲)

② یا یوں کہا جائے کہ پہلی دونوں آیتوں میں مطلق کلام ہی کی نفی ہے خواہ کلام رحمت ہو یا کلام غضب کسی طرح کا بھی کلام نہیں فرمائیں گے مگر یہ نفی کلام بلا واسطہ کی ہے کہ حق تعالیٰ بلا واسطہ اور براہ راست کفار کیساتھ کلام نہیں کریں گے اور باقی آیات میں اثبات کلام بلا واسطہ ملائکہ کا ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ کے واسطہ سے کفار سے گفتگو اور سوال فرمائیں گے پس اثبات کلام بلا واسطہ کا ہوا اور نفی کلام بلا واسطہ کی، فلا تعارض (روح المعانی ص ۴۴۲)

زمانہ ماضی میں لوگ متحد فی الدین تھے یا مختلف؟

پارا ۲ و ۱۲ و ۱۴

آیات ① كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ  
پارہ ۲ رکوع ۱۴ سورہ البقرہ جلالین ص ۳۱ ② وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً  
وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ پارہ ۱۱ رکوع ۱۱ سورہ ہود جلالین ص ۱۸۹ ③ وَ  
لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ پارہ ۱۴  
رکوع ۱۹ سورہ النحل جلالین ص ۲۲۵

تشریح تعارض | پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں سب لوگ ایک ہی  
دین پر تھے ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں زمانہ  
ماضی میں اختلاف رہا کیونکہ ان دونوں آیتوں میں کلمہ "لَوْ" آیا ہے جو تعلق فی الماضی مع لفظ  
بانتقار الشرط کیلئے آتا ہے یعنی "لَوْ" کے ذریعہ زمانہ ماضی میں ایک شے کو دوسری شے پر معلق







وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ  
 ۞ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَعِيًّا

بَيْنَهُمْ پاره ۱۱ رکوع عن سورۃ البقرۃ جلا میں ص ۳۱

**تشریح تعارض** | آیت کے جزر اول میں ارشاد ہے کہ زمانہ اول میں سب لوگ  
 ایک ہی طریقہ پر یعنی دین حق پر تھے (کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد کو دین حق کی تعلیم  
 فرماتے رہے اور وہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے رہے ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا پھر  
 بعد میں لوگوں میں اختلاف ہونا شروع ہوا) تو اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا اور ان پر کتاب  
 نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان امور اختلافیہ میں فیصلہ کر کے اختلاف کو دور کریں پس  
 اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اختلاف انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزول کتاب  
 سے پہلے ہوا اور آیت کے جزر ثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف بعثت انبیاء اور نزول  
 کتاب کے بعد ہوا کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ اختلاف کرنے والے وہی لوگ تھے جن کو  
 کتاب دی گئی اور انھوں نے اختلاف دلائل واضحہ کے آنے کے بعد کیا پس آیت کے  
 جزر اول اور جزر ثانی میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جزر اول میں جو اختلاف مذکور ہے  
 اس سے مراد ان کے اپنے بعض امور میں اختلاف ہے کہ وہ لوگ اپنے اغراض و مقاصد  
 حتیٰ کہ اپنے اعمال و عقائد میں اختلاف کرنے لگے یہ اختلاف حضرت آدم علیہ السلام کے تشریح  
 لانے کے ایک عرصہ بعد شروع ہو گیا تھا اس وقت تک دیگر انبیاء علیہم السلام مبعوث نہیں  
 ہوئے تھے یعنی بعثت انبیاء سے قبل ہی یہ اختلاف ہو گیا تھا اسی اختلاف کو دور کرنے  
 کیلئے انبیاء مبعوث ہوئے اور جزر ثانی میں جو اختلاف مذکور ہے وہ کتاب کے بارے  
 میں اختلاف ہے کہ جب انبیاء مبعوث ہو گئے اور کتاب نازل ہو گئی دلائل واضحہ آ گئے  
 تو لوگوں کو چاہئے تھا کہ اس کتاب کو قبول کرتے اور اس پر مدار رکھ کر اپنے سب اختلافات



مٹا دیتے مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلاف کر بیٹھے پس بعثت انبیاء سے قبل والا اختلاف ان کے اپنے امور کے اندر تھا اور بعثت انبیاء کے بعد والا اختلاف کتاب کے بارے میں تھا اور جب دونوں اختلافوں کی نوعیت جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن وحاشیتہ پارہ ۲ ص ۱۲)

## حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے نبی تھے یا دوسروں کے بھی؟

### پارا ۳

آیات ۱) وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ پارہ ۳ رکوع ۳ سورہ آل عمران جلالین ص ۵۱  
 ۲) قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَىٰ اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ فَقَنَّ أَنْصَارُ اللَّهِ أُمَّتًا بِاللَّهِ وَاشْهَدُوا بِنَا أَسْلَمُونَ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ الْآيَةَ پارہ ۳ رکوع ۳ سورہ آل عمران جلالین ص ۵۲  
 تشریح تعارض پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور اخیر کی آیتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے حواریین کو بھی دعوت دی ہے اور انھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا، ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ حواریین کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے پس ان آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

### رفع تعارض اس تعارض کے دو جواب ہیں

۱) حواریین بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اس کی تائید ایک روایت سے ہوتی ہے جو روح المعانی

۱۷ حواریین حضرت عیسیٰؑ کے مخلص صحابہ تھے جو تعداد میں ۱۲ یا ۲۹ تھے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، فطرس، یعقوب، تھمس، اندرانیس، فیلس، درنا بوطا، سرجس۔ حواریین حوزہ سے ماخوذ ہے یعنی بیاض خالص، بقول سعید بن جبیر یہ سفید کپڑے پہنتے تھے اور بقول مقاتل یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے اور بقول قتادہ ان کے قلوب صاف اور پاکیزہ تھے اس لئے ان کو حواریین کہا جاتا ہے (الاتقان ص ۱۸۹ و روح المعانی ص ۱۷۶)



میں ص ۵ پر موجود ہے جسکو ابوالشخ نے ابن عباسؓ کے نقل کیا ہے مضمون اسکا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تیس روزے رکھ کر اللہ سے جو درخواست کرو گے قبول ہوگی انھوں نے روزے رکھ کر نزولِ ماندہ کی درخواست کی تھی اور قرآن پاک میں مہرح ہے کہ درخواست کرنے والے حواریین تھے ارشاد باری ہے اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ اس کے معلوم ہوا کہ حواریین بنی اسرائیل میں تھے فلا تعارض۔  
 ۱۲ اگر حواریین کو بنی اسرائیل میں سے نہ مانا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس نبی کی بعثت عام نہیں ہے اس کے زمانہ میں اسکی قوم کے علاوہ دوسرے لوگوں پر اصولِ دین میں تو اس نبی کا اتباع ہر حال میں واجب خواہ ان دوسروں کیلئے کوئی نبی مبعوث ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کیونکہ تمام انبیاء اصولِ دین میں متحد ہوتے ہیں اور فروعِ دین میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کیلئے دوسرا نبی مبعوث ہو چکا ہے تو وہ اپنے نبی کا اتباع کریں گے ورنہ اسی پہلے نبی کا اتباع کرینگے پس حواریین کی طرف چونکہ کوئی خاص نبی مبعوث نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کا اتباع ان پر واجب تھا اور اسی لئے حضرت عیسیٰ نے ان کو دعوتِ دین فرمائی ورنہ وہ ان کی طرف مبعوث نہیں ہوتے تھے فلا تعارض (بیان القرآن ص ۲۲ پ ۳)

حضرت عیسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل سب کافر تھے یا بعض مومن بھی تھے؟

پارا ۳ و ۲۸

آیات ۱ | ۱ | فَلَمَّا أَحْسَسَ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْ اِنِّىْ اَللّٰهُ پاره ۲ رکوع سورۃ آل عمران

جلالین ص ۵۲ | ۲ | فَاَمَنْتَ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ پاره ۱۸ رکوع سورۃ الصافات جلالین ص ۲۶

تشریح تعارض | پہلی آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے جب کفر محسوس کیا یعنی یہ

دیکھا کہ یہ لوگ معجزات کا انکار کر رہے ہیں اور ایذا رسانی کے درپے ہیں تو کچھ لوگ ایسے ملے جنکو حواریین

کہا جاتا تھا حضرت عیسیٰ نے ان سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کے لئے میری مدد کرے انھوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے

دین کی مدد کرنیوالے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سب کافر تھے صرف حواریین مومن تھے اور دوسری آیت

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جہلت مومن اور ایک کافر تھی پس ان میں بظاہر تعارض ہے

۱۲ بیان القرآن ص ۲۲ پ ۳ - ۱۲ بیان القرآن میں اس کی یہی تفسیر کی گئی ہے



**دفع تعارض** جب حضرت عیسیٰ نے حواریین سے منّ الضاری اِلی اللہ کہا تھا اس وقت تمام

بنی اسرائیل کافر تھے ایذا رسانی کے درپے تھے مگر اس کے ایک زمانہ بعد بعض ایمان لے آئے اور

بعض کافر رہے پس دونوں باتوں کا زمانہ علیحدہ علیحدہ ہے ولا تعارض بعد اختلاف الازمان

(بیان القرآن وحاشیہ مع زیادة تشریح ص ۲۱ ج ۲ پ ۱)

**دعوت و تبلیغ پوری امت پر واجب ہے یا بعض پر؟**

**پارہ ۲۷**

**آیات ۱** وَ لَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الْآيَةُ پارہ ۲۷ رکوع ۲ سورہ آل عمران جلالین ص ۵۷

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الْآيَةُ

رکوع ۲ سورہ آل عمران جلالین ص ۵۸۔

**تشریح تعارض** آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ تم میں سے بعض لوگوں کی جماعت ایسی

ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بالمعروف و نہی عن المنکر کرتی رہے چونکہ

آیت میں مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف

و نہی عن المنکر کا کام پوری امت محمدیہ کے ذمہ واجب نہیں بلکہ بعض لوگوں کا اس ذمہ داری

کو انجام دیدینا کافی ہے اور دوسری آیت میں پوری امت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا کہ تم بہترین امت ہو جسکو لوگوں کیلئے ظاہر کیا گیا ہے تم سب امر بالمعروف و نہی عن المنکر

کرتے رہو اس آیت میں مِنْ تَبْعِيضِيَّةٌ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کے تمام

افراد پر تبلیغ و دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام کو انجام دینا واجب اور

ضروری ہے پس دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن پارہ ۲۷ ص ۱۷ میں فرماتے ہیں کہ یہ خطاب تمام

امت محمدیہ کو عام ہے جیسا کہ کمالین میں حضرت علیؑ کی روایت مرفوعاً بسند احمد بن حنبل منقول ہے ۱۲



## دفع تعارض

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت کے ابہام کی تفسیر ہے کیونکہ دوسری آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پوری امت پر فرض ہے لیکن فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض کفایہ دوسرے فرض عین، فرض کفایہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فرض تو سب پر ہے مگر اس فرض کی ادائیگی بعض افراد کے عمل کرنے سے ہو جائے گی اگر بعض لوگوں نے یہ فریضہ انجام دیدیا تو تمام افراد کے ذمہ سے سقوط ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی یہ کام نہ کیا تو سب کے سب ترک فرض کی وجہ سے گنہگار اور قابل مؤاخذہ ہوں گے، اور فرض عین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص پر مستقلاً فرض ہے جس کی ادائیگی ہر فرد کو مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ کرنی ہوگی بعض کے ادا کرنے سے سب کے ذمہ سے سقوط نہ ہوگا جیسا کہ صلوٰۃ و صوم وغیرہ احکام فرض عین ہوتے ہیں،

اب سنئے کہ آیت ثانیہ اس بارے میں مبہم ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سب پر فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے آیت اولیٰ میں **وَلَسٰتُنَّ مِنْكُمْ اُمَّةٌ اِلٰی** کہہ کر اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے اور بتلادیا گیا کہ سب پر فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے تم میں سے ایک جماعت بھی اگر اس وظیفہ کو انجام دیدیگی تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی، علماء اہل سنت و الجماعت کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے علامہ قرطبی نے بھی اسی کو اصح کہا ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض عین کہنے والا صرف فرقہ نزاریہ ہے جو شیعوں کا ایک فرقہ ہے جن میں سے شیخ ابو جعفر بھی ہے اس کا مسلک یہی ہے کہ یہ فرض عین ہے بہر حال تقریر مذکور سے معلوم ہو گیا کہ آیت اولیٰ آیت ثانیہ کے ابہام کی تفسیر ہے اور تفسیر بعد الاہام کو تعارض و تناقض نہیں کہا جاتا فلا تعارض بینہما (روح المعانی ص ۲۱ و ۲۲) بزیادۃ توضیح ۲

۱۰ فرقہ نزاریہ شیعوں کے فرقہ امامیہ کے ۳۹ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جو ابو منصور نزار بن معد عزیزی بالقرہ کی طرف منسوب ہے اس فرقہ کو صباخہ خیریہ، مسقطیہ، سقطیہ بھی کہتے ہیں (تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۳۷ و ۳۸) مطبوعہ ترقی



## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف نذیر تھے یا بشیر و نذیر؟

پارہ ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۲۹

- آیات ① فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ پارہ ۶ رکوع ۷ سورہ المائدہ  
 جلايين ص ۹۷ ② اِنَّا اِنَّا اِنَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ پارہ ۹ رکوع ۱۳  
 سورہ الاعراف جلايين ص ۱۲۶ ③ اِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ پارہ ۱۱ رکوع ۱۷  
 سورہ ہود جلايين ص ۱۴۹ ④ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا پارہ ۱۵ رکوع ۱۲  
 جلايين ص ۲۳۹ ⑤ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا پارہ ۱۹ رکوع ۳  
 سورہ الفرقان جلايين ص ۳۰۷ ⑥ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا  
 پارہ ۲۲ رکوع ۳ سورہ الاحزاب جلايين ص ۳۵۵ ⑦ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ  
 اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا پارہ ۲۲ رکوع ۹ سورہ سبأ جلايين ص ۳۶۲  
 ⑧ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا پارہ ۲۲ رکوع ۱۵ سورہ فاطر  
 جلايين ص ۳۶۶ ⑨ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا پارہ ۲۴ رکوع ۹  
 سورہ الفتح جلايين ص ۴۲۳ ⑩ اِن هُوَ اِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ پارہ ۹ رکوع ۳  
 سورہ الاعراف جلايين ص ۱۲۵ ⑪ اِنَّمَا اَنْتَ نَذِيرٌ پارہ ۱۲ رکوع ۲  
 سورہ ہود جلايين ص ۱۸۰ ⑫ اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پارہ ۱۳  
 رکوع ۷ سورہ الرعد جلايين ص ۲۰۱ ⑬ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ پارہ ۲۱  
 رکوع ۷ سورہ العنکبوت جلايين ص ۳۳۹ ⑭ اِن هُوَ اِلَّا نَذِيرٌ لِّكُم مِّبِينٌ  
 يَدْعِي عَذَابٍ شَدِيدٍ پارہ ۲۲ رکوع ۱۲ سورہ سبأ جلايين ص ۳۶۳ ⑮ اِن اَنْتَ  
 اِلَّا نَذِيرٌ پارہ ۲۲ رکوع ۱۵ سورہ فاطر جلايين ص ۳۶۶ ⑯ قُلْ اِنَّمَا اَنَا  
 مُنذِرٌ پارہ ۲۳ رکوع ۱۲ سورہ ص جلايين ص ۳۸۴ ⑰ اِن يُّوحَىٰ اِلَيَّ اِنَّمَا  
 اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ پارہ ۲۳ رکوع ۱۲ سورہ ص جلايين ص ۳۸۴ ⑱ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيرٌ  
 مُّبِينٌ پارہ ۲۶ رکوع ۷ سورہ الاحقاف جلايين ص ۴۱۶ ⑲ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ



عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ پارہ ۲۹ء رکوع ۲ء سورہ الملک جلا لیں ص ۲۶۸  
**تشریح تعارض** | آیت نمبر ۱ تا ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو  
حق تعالیٰ نے بشیر و نذیر (جنت اور نواب کی خوشخبری دینے والا اور جہنم و عذاب سے  
ڈرائیو والا) بنا کر مبعوث فرمایا اور اخیر کی دس آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف  
نذیر بن کر تشریف لائے اس لئے کہ ان آیات میں نفی اور استثناء یا کلمہ اِنَّمَا کے  
ذریعہ نذیر ہونے میں حصر کیا گیا ہے جس سے بشیر کی نفی ہو جاتی ہے پس ان دونوں قسم کی  
آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① پہلی نو آیات میں بشیر و نذیر ہونا کفار و مؤمنین دونوں کے حق میں ہے کہ مسلمانوں  
کے لئے آپ بشیر بن کر اور کفار کے لئے نذیر بن کر تشریف لائے اور اخیر کی دس آیتوں  
میں نذیر کا حصر اور بشیر کی نفی کفار کے حق میں ہے کہ آپ کفار کے حق میں فقط نذیر بن  
کر مبعوث ہوئے نہ کہ بشیر بن کر اور جب دونوں قسم کی آیتوں کا محمل جدا جدا ہے تو کوئی  
تعارض نہیں (بیان القرآن ص ۹۷-۹۸ پ ۲۲)

② اخیر کی آیات میں حصر کرنے سے بشیر کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ دیگر امور کی نفی  
مقصود ہے مثلاً آیت ۱۵ میں آپ کے رسول عنہ ہونے کی نفی مقصود ہے کہ آپ تو  
صرف نذیر بن کر تشریف لائے، پس آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ کافر لوگ ایمان کیوں  
نہیں لائے؛ اسی طرح آیت ۱۹ میں تعیین وقت قیامت کے علم کی نفی مقصود ہے یعنی  
میں تو صرف ڈرائیو والا ہوں مجھے یہ معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی، اس کا متعین وقت  
تو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں علیٰ ہذا القیاس دیگر آیات میں سے بعض یا سب آیات میں سیاق  
و سباق پر نظر کر کے امر منفی کو متعین کیا جاسکتا ہے (بیان القرآن ص ۹۷-۹۸ پ ۲۲ مع  
زیادہ توضیح و تشریح)



## کفار دلائل کو دیکھ کر ایمان لائینگے یا نہیں؟

پارا ۷، ۱۹

آیات ۱) **وَإِنْ يَرَوْا كَلِمَةَ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُ بِهَا** پارہ ۷ رکوع ۹ سورہ  
الانعام جلا لیں ۲) **إِنْ نَشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ**

اعناقهم لہا خاضعین پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ الشعراء جلا لیں ص ۳۰۹  
تشریح تعارض | پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اگر یہ کفار (آپ کی نبوت کے)

تمام دلائل کو بھی دیکھ لیں تو ان پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور دوسری آیت میں ارشاد  
ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں تو ان کی گردنیں  
اس نشانی کے سمنے پست ہو جائیں (اور یہ لوگ ایمان لے آئیں) پس پہلی  
آیت سے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ کسی بھی دلیل پر ایمان نہیں لائیں گے اور دوسری  
آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نشانیوں پر ایمان ضرور لائیں گے لہذا ان دونوں  
آیتوں میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

دفع تعارض | پہلی آیت میں نفی ایمانِ اختیاری کی ہے اور دوسری آیت  
میں اثبات ایمانِ اضطراری کا ہے یعنی یہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ کر بھی اپنے  
اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ شریعت میں ایمانِ اختیاری ہی مطلوب ہوتا  
ہے لیکن اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی نازل کر دیں کہ ان کو اضطرار اور مجبوراً ایمان  
لانا پڑے گا مگر ایمانِ اضطراری شریعت میں معتبر نہیں ہے اس لئے ایسی نشانی  
نازل نہیں کی جاتی پس جس چیز کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں اور جس چیز کا اثبات  
ہے اس کی نفی نہیں ہے اور ایسی صورت میں کوئی تعارض نہیں ہوتا ہے۔

(بیان القرآن ص ۸۶ پ ۳۳)



## حضرت آدم علیہ السلام سے اکل الشجرۃ کا صدور عمدہ ہوا یا نسیاناً؟

پارہ ۷ و ۱۶

**آیات ۱** وَقَالَ مَا تَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنِ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا  
مَلَائِكَةً أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ پارہ ۷ رکوع ۹ سورہ الاعراف جلاہین  
● **۲** وَلَقَدْ عَمِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَتَسْبَىٰ وَلَمْ يُجِدْ لَهُ عَزْمًا پارہ ۱۶  
رکوع ۱۵ سورہ طہ جلاہین ۲۶۸

**تشریح تعارض** آیت اولیٰ میں ہے کہ ابلیس نے اکل من الشجرۃ سے متعلق حق تعالیٰ  
کی طرف سے کی جانوالی ممانعت اور نہی حضرت آدم علیہ السلام کو یاد دلادی تھی  
اور اس نہی کی ایک جھوٹی حکمت اپنی جانب سے گھڑ کر بیان کر دی تھی چنانچہ اس  
نے یہ کہا تھا کہ حق تعالیٰ نے جو تم کو اکل من الشجرۃ سے منع فرمایا ہے وہ صرف اس لئے  
کہ کہیں تم اس کو کھا کر فرشتہ صفت نہ بن جاؤ یا کہیں تم کو خلود فی الجنۃ نصیب نہ  
ہو جائے کیونکہ اس درخت کا خاصہ یہ ہے کہ جو اس کا پھل کھا لیتا ہے وہ فرشتہ  
صفت بن جاتا ہے اور ہمیشہ جنت میں رہتا اس کو نصیب ہو جاتا ہے اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس نہی کے یاد ہوتے ہوئے قصداً و عمدہ  
اس درخت کا پھل کھا یا تھا نسیاناً نہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ  
اس فعل کا صدور ان سے نسیاناً ہوا تھا عمدہ نہیں کیونکہ آیت ثانیہ میں فَتَسْبَىٰ  
فرمایا گیا ہے، اس لئے بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

**دفع تعارض** اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جس وقت ابلیس نے حضرت آدمؑ  
کو بہکایا اور نہی یاد دلا کر اپنی طرف سے اس کی حکمت بیان کی اس وقت حضرت  
آدم علیہ السلام نے اس کی بات کی بالکل تصدیق نہیں کی اور اس فعل کا قطعاً ارتکاب  
نہیں کیا کیونکہ اس وقت تو ان کو نہی یاد تھی اللہ کی طرف سے صریح ممانعت کے ذہن



میں ہوتے ہوئے شیطان کے بہکانے سے حضرت آدم علیہ السلام اس فعل کا ارتکاب کیسے کر سکتے تھے ہاں ایک مدت گزر جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اس نہی کو بھول گئے قطعاً یاد نہیں رہا کہ اللہ نے اکل من الشجرۃ سے منع فرمایا ہے البتہ شیطان کی وہ بیان کردہ حکمت یاد رہی کہ اس کے کھانے آدمی فرشتہ صفت بن جاتا ہے اور ہمیشہ جنت میں رہنا نصیب ہو جاتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتہ صفت بن جانے اور خلود فی الجنة کے شوق میں لپیٹا اس درخت سے تناول فرمایا پس تذکر اور نسیان کا زمانہ مختلف ہے تذکر تو صدور فعل سے بہت پہلے تھا اور نسیان ایک مدت کے بعد صدور فعل کے وقت ہوا ولا تعارض بعد اختلاف الا زمانہ (ملخص من شیخ زادہ ص ۱۲۸)

السان و جنات کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے یا ترک عبادت کیلئے؟

پارہ ۹ و ۲۷

آیات ۱ | ۱ | وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ پارہ ۹ رکوع ۱۲  
سورۃ الاعراف جلا لیں ص ۱۲۵ ● ۲ | وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ  
پارہ ۲۷ رکوع ۲ سورۃ الذریت جلا لیں ص ۲۳۲

تشریح تعارض | پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے بہت سے جن و انسان کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور دخول جہنم کا سبب ترک عبادت ہے پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے بہت سوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ عبادت نہ کریں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے پس دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

رفع تعارض | آیت اولیٰ میں تخلیق کے مقصد تکوینی کا بیان ہے اور آیت ثانیہ میں مقصد تشریحی کا ذکر ہے یعنی تمام جن و انس کی تخلیق کا تشریحی مقصد تو یہی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں لیکن ان حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے جن کو حق تعالیٰ ہی جانتے



میں بہت سے جن وانس کی پیدائش کی تکوینی غایت یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں اور جہنم میں داخل ہوں پس جب دونوں مقصدوں کی نوعیت جدا جدا ہے تو کوئی تعارض نہیں (بیان القرآن ص ۵۴ پ ۹ مع تشریح)

صحابہ کرام آپ ﷺ سے جہاد میں جان کی اجازت طلب کرتے تھے یا نہیں؟

پارا ۱۸

آیات ۱) لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ سَبِيلَ اللَّهِ جَلِيلٌ ۚ ۱۶  
۲) وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوا ۚ ۱۵  
رکوع ۱۵ سورۃ النور جلا لیں ص ۳۰۲

تشریح تعارض | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کر نیکی بارے میں (جہاد میں شریک نہ ہونیکے بارے میں) کبھی آپ سے اجازت طلب نہیں کرتے اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے ان کو جمع کیا گیا ہے (جیسے جہاد، صلوة جمعہ، صلوة عیدین وغیرہ) تو وہاں سے نہیں جاتے یہاں تک کہ آپ سے اجازت لے لیتے ہیں اجازت لیکر چلے جاتے ہیں پس آیت اولیٰ میں تو جہاد میں عدم شرکت کی اجازت طلب کرنی نفی کی گئی ہے اور آیت ثانیہ میں اجازت کا اثبات ہے پس ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے  
رفع تعارض | اس تعارض کے دو جواب ہیں۔

۱) آیت اولیٰ میں جو استیذان کی نفی ہے وہ استیذان بلا عذر ہے اور آیت میں جو استیذان کا اثبات ہے وہ بالعذر ہے مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ بلا عذر تو کبھی جہاد میں عدم شرکت کی اجازت

عہ ابن زید نے امر جامع کی تفسیر جہاد کیساتھ اور ابن جریر نے جہاد صلوة جمعہ اور عیدین کیساتھ کی ۱۳۵ روح المعانی ص ۲۲



نہیں لیتے، میں البتہ اگر کوئی عذر ہو تو مجھے تو اجازت لیکر جہاد وغیرہ کی مجلس سے چلے جاتے ہیں جس کی نفی ہے اسکا اثبات نہیں جسکا اثبات ہے اسکی نفی نہیں فلا تعارض (بیان القرآن ص ۱۱۴ پ ۱) پہلی آیت میں جو استیذان کی نفی ہے وہ جہاد میں بالکل نہ جانے کے بارے میں ہے کہ صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح کی اجازت بھی نہیں لیتے تھے کہ ہم جہاد میں بالکل نہ جاویں اور آیت ثانیہ میں جو استیذان کا اثبات ہے دراصل اسکی صورت یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کیلئے مشورہ کی مجلس کبھی اتفاقاً کسی ضرورت کی وجہ سے اجازت لیکر چلے جاتے تھے یہ مطلب نہیں کہ جہاد میں بالکل عدم شرکت کی اجازت لے لیا کرتے تھے پس استیذان منفی اور استیذان مثبت دونوں کی نوعیت الگ الگ ہے فلا تعارض (بیان القرآن ص ۱۱۴ پ ۱)

مشاہدہ عذاب کے بعد ایمان نافع ہوتا ہے یا نہیں

پارا ۱۱ و ۲۴

آیات | ۱ | فَلَوْلَا كَانَتْ قَرِيَةً يُنْفَعُهَا إِيْمَانُهَا لَأَقْوَمَ يُوسُفُ لِمَا آمَنُوا

كُشِفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ الْآيَةِ پارہ ۱۱ رکوع ۱۵ سورہ یونس جلا لیں ص ۱۷۸

۲ | فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتِ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ

فِي عِبَادِهِ پارہ ۲۴ رکوع ۱۴ سورہ مؤمن جلا لیں ص ۳۹۶

تشریح تعارض | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ عذاب الہی کے مشاہدہ کے بعد

ایمان لانا کسی بستی کے لئے نافع نہیں ہو اسوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے

کہ عذاب کے آثار دیکھ کر وہ لوگ ایمان لائے تھے اور ان کا ایمان معتبر اور نافع ہوا اس

معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو مشاہدہ عذاب کے بعد بھی ایمان لانیسے نفع ہو جاتا ہے

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جب انھوں نے ہمارے عذاب دیکھ لیا تو ان کو ان کا یہ ایمان

لانا نافع نہیں ہوا اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا



چلا آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاہدہ عذاب کے بعد ایمان لانا کسی کو بھی نافع نہیں ہوتا پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① پہلی آیت میں جو ایمان کے نافع ہونے کا ذکر ہے وہ عذاب کے آثار ابتدائیہ کا مشاہدہ کرنیکی حالت میں ہے کہ اگر کوئی شخص ملائکہ عذاب اور آخرت کی ہولناکی کا مشاہدہ کر نیسے قبل محض عذاب کے آثار ابتدائیہ کو دیکھ کر ایمان لے آئے تو اس کا ایمان معتبر اور نافع ہو جاتا ہے اور دوسری آیت میں جو ایمان کے نافع ہونے کی نفی ہے وہ ملائکہ عذاب اور اہوالِ آخرت کے مشاہدہ کے بعد ہے کہ ایسی صورت میں ایمان لانا مقبول اور نافع نہیں ہوتا حضرت یونسؑ کی قوم عذاب کے ابتدائی آثار کو دیکھ کر ہی ایمان لے آئی تھی اس لئے اس قوم کا ایمان نافع اور معتبر ہوا تھا پس جب دونوں آیتیں علیحدہ علیحدہ حالت پر محمول ہیں تو کوئی تعارض نہیں (ماخوذ من بیان القرآن ص ۳ و ص ۳ ج ۵ پ ۱)

② اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ مشاہدہ عذاب کے بعد کسی کا ایمان نافع نہیں ہوتا مگر بعض لوگ قانون سے مستثنیٰ ہوتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس قانون سے مستثنیٰ اور مخصوص تھی اس لئے ان کا ایمان لانا مشاہدہ عذاب کے بعد بھی نافع اور معتبر ہو گیا پس اس چیز کو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے گا ولا تعارض بعد الاستثناء والخصوصیۃ۔ (ماخوذ من بیان القرآن ص ۳ پ ۱)

و حتی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کو اقوام سابقہ کے واقعات کا علم تھا یا نہیں؟

پارا ۱۲ و ۱۳

آیات ① تَلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ



مِنْ قَبْلِ هَذَا پارہ ۱۲ رکوع ۱۲ سورہ ہود جلاہن ۱۸۴ (۲) لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ پارہ ۱۳  
رکوع ۱۲ سورہ ابراہیم جلاہن ۲۰۶ (۳) الْمُرْيَاتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَ  
عَادٍ وَثَمُودٍ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ پارہ ۱۳ رکوع ۱۲ سورہ ابراہیم جلاہن ۲۰۶

**تشریح تعارض** پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ یہ واقعہ (حضرت نوحؑ کا جو اوپر مذکور

ہوا ہے) غیب کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ وحی سے قبل نہ تو آپ کو اس کا علم تھا اور نہ آپکی قوم کو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل الوحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپکی قوم یعنی کفار مکہ کو اقوام سابقہ کے واقعات کا علم نہیں تھا اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے حالات و واقعات کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپکی قوم کے لوگ اقوام سابقہ کے واقعات سے بیخبر تھے اور تیسری آیت میں ارشاد ہے کہ کیا تمہارے پاس (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کی خبر جو ان کے بعد ہوئے ہیں۔ آیت میں استفہام انکاری ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اقوام سابقہ کی خبریں تمہارے پاس آئی ہیں تم کو ان کے واقعات کا علم ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی سے پہلے ہی کفار مکہ اقوام سابقہ کے واقعات کو جانتے تھے پس یہ آیت پہلی دونوں آیتوں کے بظاہر معارض ہے کہ پہلی دو آیتوں میں علم کی نفی اور تیسری آیت میں علم کا اثبات ہے۔

**دفع تعارض** پہلی دو آیتوں میں جو علم کی نفی ہے اس سے مراد علم تفصیلی ہے اور تیسری آیت

میں جو اثبات ہے وہ علم اجمالی کا ہے مطلب یہ ہے کہ اقوام سابقہ کے حالات و واقعات اجمالی طور پر تو تم کو وحی سے قبل بھی معلوم تھے مگر واقعات کی تفصیل وحی سے قبل تم نہیں جانتے تھے۔

تفصیلی واقعات حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اللہ ہی نے تم کو وحی کے ذریعہ ان واقعات سے باخبر کیا ہے پس اثبات علم اجمالی کا ہے اور نفی علم تفصیلی کی۔ لہذا کوئی تعارض

نہیں (ماخوذ من بیان القرآن ص ۳۶۶ و امداد الفتاویٰ ص ۲۹)







## جنت کی حوروں کا رنگ سفید مائل بزرگی یا سرخ مائل سفیدی؟

پارا ۲۳ و ۲۴

۳۷۵

(۹:۳۶)

آیات ۱) کَاتَمَنَ بَيْضٌ مَّكَنُونٌ پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورۃ الصّٰفٰت جلالین

۲) کَاتَمَنَ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ پارہ ۲۴ رکوع ۱۳ سورۃ الرحمن جلالین

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں جنت کی حوروں کو رنگت اور صفائی نیز شفافیت میں چھپے ہوئے انڈوں کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح انڈوں کا رنگ سفید مائل بزرگی و چمکدار اور پرندے کے پروں میں چھپے ہوئے ہونے کی وجہ سے صاف شفاف ہوتا ہے کہ نہ تو گرد و غبار ان تک پہنچتا ہے اور نہ کسی کا ہاتھ ان پر لگتا ہے جس سے کچھ میلان آجائے ایسے ہی جنت کی حوروں کا رنگ سفید مائل بزرگی چمکدار اور صاف شفاف ہے بہت زیادہ خالص سفید رنگ جیسا کہ دودھ یا چونے کا رنگ ہوتا ہے مرغوب اور جاذب نظر نہیں ہوتا بلکہ سفید رنگ کے ساتھ ہلکے زرد رنگ کی ملاوٹ والا رنگ عورتوں میں بڑا مرغوب اور پسندیدہ نظر ہوتا ہے بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت کی حوروں کا رنگ سفید مائل بزرگی ہے اور آیت ثانیہ میں حوروں کو یاقوت اور مرجان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یاقوت سرخ رنگ کا قیمتی ہوتی ہوتا ہے اور مرجان سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے موتیوں کو کہا جاتا ہے یاقوت و مرجان دونوں کیساتھ تشبیہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حوروں کا رنگ سرخ و سفید ہے پس ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں حوروں کا رنگ زرد و سفید اور دوسری آیت میں سرخ و سفید بتایا گیا ہے۔

**دفع تعارض** | اس تعارض کے پانچ جوابات ہیں۔

① آیت اولیٰ میں انڈوں کیساتھ تشبیہ رنگ میں نہیں ہے بلکہ نعومت و ظراوت یعنی

ملائم اور تروتازہ ہونے میں ہے اور انڈے سے مراد پکایا ہوا اور ابالا ہوا انڈا ہے ابلے

جانے کے بعد چھلکے کے اندر جو چھپا ہوا انڈا ہوتا ہے بڑا نرم و نازک ملائم اور تروتازہ



ہوتا ہے جس کا مشاہدہ چھلکا اٹارنے کے بعد ہوتا ہے (اسی لئے عوام الناس عورت کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ فلاں عورت تو چھلے ہوئے انڈے کی مانند ہے، ایسے ہی جنت کی حوروں کے ابدان و اجسام نہایت ہی نرم و نازک ملائم اور شاداب ہوں گے اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے قول سے ہوتی ہے عن ابن عباس قال ان البيض المکنون ما تحت القشر الصلب بينه وبين اللباب الاصفرا کہ بیض مکنون سے مراد انڈے کا وہ حصہ ہے جو سخت چھلکے کے نیچے اور زردی کے درمیان ہے اب کوئی تعارض نہیں کیونکہ آیت اولیٰ میں تشبیہ نعمت و طراوت میں ہے نہ کہ رنگت میں اور آیت ثانیہ میں رنگ میں تشبیہ ہے جس سے معلوم یہ ہوا کہ حوریں جسم کے اعتبار سے تو نہایت نرم و نازک اور تر و تازہ و شاداب ہوں گی اور رنگ کے اعتبار سے سفید مائل بسرخی ہوں گی یعنی گلابی رنگ ہوگا عورتوں میں گلابی رنگ بھی بڑا مرغوب و پسندیدہ ہوتا ہے (روح المعانی ص ۹۰)

۲ پہلی آیت میں انڈوں کے ساتھ تشبیہ تناسب اعضاء میں ہے نہ کہ رنگت میں، انڈا تناسب اجزاء میں مشہور اور ضرب المثل ہوتا ہے، تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انڈا متناسب الاجزاء ہوتا ہے اسی طرح جنت کی حوریں بھی متناسب الاعضاء ہیں اور متناسب اعضاء نہایت ممدوح اور مرغوب چیز ہے حتیٰ کہ حسن کا مدار ہی متناسب اعضاء پر ہے پس جب آیت اولیٰ میں تشبیہ رنگت کے اعتبار سے ہے ہی نہیں تو اس کا دوسری آیت سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حوروں کا جسم متناسب الاعضاء اور رنگ سفید مائل بسرخی ہے خلا تعارض بینہما (روح المعانی ص ۹۰)

۳ یایوں کہا جائے کہ آیت ثانیہ میں یا قوت و مرجان کے ساتھ تشبیہ رنگت میں نہیں ہے

۱۰ رواد ابن المنذر عن ابن عباسؓ و ابن ابی حاتم و ابن جریر عن الامام السدی ۲ روح المعانی ص ۹۰  
۱۱ مگر تناسب اعضاء والی تشبیہ کی صورت میں مکنون کی قید بے فائدہ ہو کر رہ جاتی ہے اس قید کو تشبیہ میں کوئی دخل نہیں رہتا کیونکہ انڈا تو ہر حال میں متناسب الاجزاء ہے خواہ مکنون ہو یا غیر مکنون۔ اس لئے یہ توجیہ کمزور ہے ۱۲ ماخوذ من روح المعانی ص ۹۰۔



بلکہ یا قوت کے ساتھ تو تشبیہ صفائی کے اعتبار سے ہے اور مرجان کے ساتھ چکناہٹ اور خوبصورتی کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح یا قوت موتی صاف و شفاف اور مرجان موتی چکنا اور خوبصورت ہوتا ہے اسی طرح حوریں صاف شفاف چکنی اور خوبصورت ہیں پس کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ آیت اولیٰ میں تشبیہ بیضِ مکنون کے ساتھ رنگت میں ہوئی اور دوسری آیت میں یا قوت و مرجان کیساتھ تشبیہ صفائی و شفافیت اور بلاست و جمال میں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ جنت کی حوریں سفید مائل بزرردی صاف و شفاف چکنی اور خوبصورت ہیں (روح المعانی ص ۹۳)

④ تشبیہ تو دونوں آیتوں میں رنگ ہی میں ہے مگر یہ اختلاف اشخاص پر محمول ہے مطلب یہ ہے کہ بعض حوروں کا رنگ تو سفید مائل بزرردی ہے ان کو بیضِ مکنون کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور بعض کا رنگ سفید مائل بسرخی ہے ان کو یا قوت و مرجان کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور عورتوں کے دونوں قسم کے رنگ ہی مرغوب اور حسین ہوتے ہیں یہ کہنا کہ سب اچھا رنگ سفید مائل بزرردی ہی ہوتا ہے درست نہیں ہے کیونکہ احسنیت تو لوگوں کی طبیعتوں اور مزاجوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے کسی کو سفید مائل بزرردی رنگ پسند ہوتا ہے کسی کو سفید مائل بسرخی، غرض کہ جنت میں اہل جنت کو ان کی پسند اور خواہش کے مطابق حوریں ملیں گی کما قال اللہ تعالیٰ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ الْفُؤُكُمُ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ بہر حال جب دونوں آیتوں میں حوروں کا مصداق جدا جدا ہے تو تعارض نہیں ہے (روح المعانی ص ۹۳)

⑤ یایوں کہا جائے کہ چہروں کا رنگ تو یا قوت و مرجان کی طرح سفید مائل بسرخی یعنی گلابی ہے اور باقی بدن کا رنگ بیضِ مکنون کی طرح سفید مائل بزرردی ہے پس دوسری آیت تو چہرہ کی رنگت کے بیان پر محمول ہے اور پہلی آیت میں باقی بدن کی رنگت کا بیان ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ روح المعانی ص ۹۳



## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ضلال کی نفی اور اثبات

پارہ ۲۷ و ۲۹

آیات ۱ | ماضلٌ صاحبکم و ما غویٰ پارہ ۲۷ رکوع ۵ سورہ النجم  
جلالین ص ۲۳۷ ● ۲ | ووجدك ضالاً فهدىٰ پارہ ۳ رکوع ۱۸ سورہ  
والضحیٰ جلالین ص ۵۰۲

**تشریح تعارض** | آیت اولیٰ میں ارشاد ہے کہ تمہارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو ضلال کے ساتھ متصف ہیں اور نہ غواہیت کے ساتھ، یعنی نہ تو راہ حق سے ہٹکے اور نہ غلط راستہ پر چلے اور آیت ثانیہ میں ارشاد ہے کہ اللہ نے آپ کو ضال پایا پس آپ کی رہنمائی فرمائی یعنی آپ ضلال کے ساتھ متصف تھے اللہ نے آپ کو ہدایت عطا فرمائی پس پہلی آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضلال کی نفی ہے اور آیت ثانیہ میں اس کا اثبات ہے اس لئے ان دونوں میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے  
**دفع تعارض** | اس تعارض کے دو جواب ہیں

① ضلال کی دو قسمیں ہیں ایک عدول عن الطریق بعد العلم یعنی جاننے کے بعد راستے سے ہٹ جانا جس کو گمراہی اور کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے عدول عن الطریق قبل العلم یعنی جاننے سے قبل راستے سے ہٹا ہوا ہونا جس کو ناواقفیت اور بے خبری سے تعبیر کیا جاتا ہے آیت اولیٰ میں جو نفی ہے وہ قسم اول کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم اور وحی کے آجانے کے بعد پھر راہ حق سے ہٹ گئے ہوں (العیاذ باللہ) ہرگز کبھی ایسا نہیں ہوا اور آیت ثانیہ میں جو ضلال کا اثبات ہے وہ قسم ثانی کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے قبل شرائع و احکام سے ناواقف اور بے خبر تھے حق تعالیٰ

لے ضلال اور غواہیت میں فرق یہ ہے کہ ضلال تو اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جائے اور غواہیت یہ ہے کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے کذا فی الخازن ۱۲ بیان القرآن ص ۱۱ پارہ ۲۷



نے وحی کے ذریعہ آپ کو باخبر کیا جیسا کہ حق تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے  
 مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ وحی سے  
 قبل نہ تو کتاب (قرآن) کو جانتے تھے کہ وہ کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان کی تفصیل اور  
 اس کے شرائع و احکام سے واقف تھے ایک اور جگہ ارشاد ہے وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ  
 مِنَ الْغَافِلِينَ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ وحی سے قبل شرائع دین سے بیخبر  
 اور ناواقف تھے اور وحی سے قبل شرائع و احکام سے ناواقف ہونا یہ کوئی نقص اور  
 عیب نہیں ہے، بہر حال جب دونوں آیتوں میں ضلال کی علیحدہ علیحدہ قسم مراد ہے تو  
 کوئی تعارض نہیں (ماخوذ من امداد الفتاویٰ ص ۴۹ و روح المعانی ص ۱۶۲)

۲ دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت ثانیہ میں ضلال سے مراد راہِ حق سے گمراہ ہو جانا، نہیں  
 بلکہ کہیں سفر وغیرہ میں جاتے ہوئے راستہ بھول جانا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ایک  
 بار سفر میں راستہ بھول گئے تھے گم ہو گئے تھے تو حق تعالیٰ نے آپ کو راستہ بتا دیا تھا،  
 چنانچہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ساتھ ملکِ شام کا سفر کیا آپ ایک اونٹنی پر سوار تھے  
 اندھیری رات تھی آپ کو نیند آرہی تھی ابلیس لعین آیا اور آپ کی اونٹنی کی نیکیل پکڑ کر  
 اس کو صحیح راستہ سے ہٹا کر دوسرے راستہ پر کر دیا اس طرح آپ قافلہ سے بچھڑ گئے  
 فوراً حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور ابلیس پر ایک زور کی پھونک ماری جس  
 سے وہ کبخت حبشہ میں جا کر گرا اور حضرت جبریل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح راستہ

۱۷ ایمان سے مراد نفسِ ایمان نہیں ہے کیونکہ ہر نبی وحی سے قبل بھی نفسِ ایمان سے واقف اور اسکے  
 ساتھ متقف ہوتا ہے بلکہ مراد شرائعِ ایمان ہے جن کا علم بغیر وحی کے محض عقل کے ذریعہ نہیں  
 ہو سکتا ہے کما قال الامام محمد بن اسماعیل البخاری ۱۲ روح المعانی ص ۵۸  
 ۱۸ ضلال کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے کہ وحی سے قبل شرائعِ ایمان سے ناواقف مراد ہے بقول امام  
 واحدی اکثر مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، امام زجاج بھی اسی تفسیر کو اختیار  
 کرتے ہیں ۱۲ روح المعانی ص ۱۶۲



سے قافلہ تک پہنچا دیا، ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول جانے کی وجہ سے گم ہو گئے اور دادا جان سے جدا ہو گئے ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ راستہ بھول گئے اور بکریوں سے علیحدہ ہو گئے، میں اس نے آپ کو آپ کے دادا جان کے پاس پہنچا دیا دادا جان اس وقت کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر نہایت تضرع و زاری کیساتھ اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے پاس واپس پہنچا دے ابو جہل نے ان سے بیان کیا کہ جب میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کرنے کیلئے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیچھے سوار کیا اور اونٹنی کو اٹھایا تو اونٹنی اٹھی نہیں پھر آپ کو آگے سوار کیا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

یا احمق هو الامام فكيف يقوم خلف المقتدى اے یہ موقوف یہ بچہ تو امام ہے یہ مقتدی کے پیچھے کیسے رہ سکتا ہے، اس قسم کے اور بھی واقعات اور اقوال روح المعانی میں مذکور ہیں، بہر حال اس تفسیر پر آیت ثانیہ میں ضلال سے مراد راستہ بھول جانا ہے دین حق سے گمراہ ہونا نہیں ہے لہذا آیت اولیٰ میں نفی ہے ضلال بمعنی دین حق سے گمراہ ہو جانے کی اور آیت ثانیہ میں اثبات ہے ضلال بمعنی راستہ بھول جانے کا فلا تعارض بینہما۔ (روح المعانی ص ۱۶۲)

والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه اتم واحكم  
واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

احقر العباد

محمد انور گنگوہی عفا اللہ عنہ وعن والديه

وعن اساتذتہ اجمعين

تعداد آیات متعارضہ فی الظاہر در اصل کتاب	۲۸۲
" " " " در ضمیمہ	۱۰۷
کل تعداد	۵۸۹



## فہرست ضمیمہ

نمبر شمار	عنوانات مضامین آیات متعارضہ	صفحہ	تعداد جوابات
۱.	بنی اسرائیل نے بقرہ ذبح کیا یا نہیں؟	۲۴۲	دو جواب
۲	یہود جادو کا اتباع کرنے کی قباحت جانتے تھے یا نہیں؟	۲۴۵	آٹھ
۳	افعال عباد اللہ کی مشیت سے صادر ہوتے ہیں یا بندوں کی؟	۲۵۱	ایک
۴	حق تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے گفتگو کریں گے یا نہیں؟	۲۵۴	دو
۵	زمانہ ماضی میں لوگ متحد فی الدین تھے یا مختلف؟	۲۵۶	ایک
۶	لوگوں میں اختلاف بعثت انبیاء سے پہلے ہوا یا بعد میں؟	۲۵۷	ایک
۷	حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے نبی تھے یا دوسروں کے بھی؟	۲۵۹	دو
۸	حضرت عیسیٰ کی قوم بنی اسرائیل سب کافر تھے یا بعض مومن بھی تھے؟	۲۶۰	ایک
۹	دعوت و تبلیغ پوری امت پر ملجہ ہے یا بعض پر؟	۲۶۱	ایک
۱۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف نذیر تھے یا بشیر و نذیر؟	۲۶۳	دو
۱۱	کفار دلائل کو دیکھ کر ایمان لائیں گے یا نہیں؟	۲۶۵	ایک
۱۲	حضرت آدم سے اکل من الشجرۃ کا صدور عمداً ہوا یا نسیاناً؟	۲۶۶	ایک
۱۳	انسان و جنات کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا یا ترک عبادت کیلئے؟	۲۶۷	ایک
۱۴	صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانسی اجازت طلب کرتے تھے یا نہیں؟	۲۶۸	دو
۱۵	مشاہدہ عذاب کے بعد ایمان لانا نافع ہوتا ہے یا نہیں؟	۲۶۹	دو
۱۶	وحی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیغمبروں کو اقوام بنا کر مقرر کیا گیا تھا یا نہیں؟	۲۷۰	ایک
۱۷	ہر امت کے لئے رسول آیا ہے یا نہیں؟	۲۷۲	دو
۱۸	جنت کی حوروں کا رنگ سفید یا زرد ہے یا سرخ یا سفیدی؟	۲۷۳	پانچ
۱۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منوال کی نفی اور اثبات	۲۷۶	دو

## اعذار

بندہ اپنی تفسیر و کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ  
اگر تعارض کے کسی مضمون سے متعلق کوئی آیت ایسی نظر آئے

جو احاطہ شمار میں نہ آئی ہو تو اسکو اسی مضمون کے تحت مذکورہ آیات کے ساتھ لاحق فرمائیں نیز اگر  
تعارض کا کوئی مضمون سرے ہی سے کتاب میں نیسے رہ گیا ہو تو نقص فی التبتیح پر محمول فرمائیں۔ مؤلف



## وہ کتب جن سے اصل کتاب اور ضمیمہ کی تالیف میں استفادہ کیا گیا

۱	قرآن کریم	۷	تفسیر قرطبی	۱۳	صاوی	۱۹	الفوز البکیر
۲	جلالین شریف	۸	تفسیر ابوالسود	۱۴	جمل	۲۰	الروض النضیر
۳	بیضاوی شریف	۹	تفسیر مظہری	۱۵	بیان القرآن	۲۱	تحفہ اثنا عشریہ
۴	شیخ زادہ	۱۰	روح المعانی	۱۶	معارف القرآن	۲۲	امداد الفتاویٰ
۵	تفسیر کبیر	۱۱	تفسیر خازن	۱۷	الاتقان	۲۳	النبراس شرح شرح عقائد
۶	تفسیر ابن کثیر	۱۲	تفسیر مدارک	۱۸	تفسیر کشاف	۲۴	مصباح اللغات

## تشکر

بندہ ناچیز خداوند کریم کا بصیم قلب شاکر و ممنون ہے کہ اس نے بندہ کی اس صغیر مگر مبارک کاوش علمی کو شرف قبولیت سے نوازا کہ اہل علم حضرات خصوصاً مدارس عربیہ کے اساتذہ کرام و عزیز طلبہ نے اس مجموعہ کو محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور پسند فرمایا خداوند قدوس ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مجموعہ کا نفع عام و تمام فرما کر اس کو ذریعہ نجات اور توشہ آخرت بنائے آمین۔

مؤلف عفی عنہ



# مُسْتَحْکَمَاتُ الْقُرْآنِ اُردو

یعنی

قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے درمیان تطبیقات  
کا مستند مجموعہ

تالیف

مولانا محمد اسحاق گنگوہی  
حضرت محمد اور گنگوہی

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیسرون بوہڑ گیٹ، ملتان

فائبر